# فاتح قلوب

## داتا گنج بخش

علامہ میاں محمد [illegible] قادری

بسم الله الرحمن الرحيم

Nafse Islam
WWW.NAFSEISLAM.COM

# فاتحِ قلوب

حضرت
داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف
میاں محمد سلیم حماد ہجویری قادری

ناشر: ہجویری فاؤنڈیشن 131-افضل پارک ابدالی چوک اسلام پورہ لاہور

جملہ حقوق بحق ہجویری فاؤنڈیشن محفوظ ہیں

☆☆☆

نام کتاب —— کاشف تہذیب حضرت داتا گنج بخش

مرتب —— میاں محمد سلیم حماد ہجویری قادری

ناشر —— ہجویری فاؤنڈیشن

کمپوزنگ —— ہجویری کمپوزنگ، لاہور

پروف ریڈنگ —— حافظ میاں محمد عاصم [illegible]

اشاعت اول —— اپریل ۲۰۰۳ تعداد ایک ہزار

صفحات —— ۲۲۴

قیمت (مجلد) —— ۱۰ روپے

قیمت (غیر مجلد) —— ۲۰ روپے

تقسیم کار

☆ [illegible] گنج بخش روڈ لاہور

☆ [illegible] گنج بخش روڈ لاہور

☆ [illegible] مارکیٹ لاہور

☆ [illegible] گنج بخش روڈ لاہور

☆ [illegible] لاہور

☆ [illegible]

☆ [illegible] لاہور

# انتساب

اس خوش بخت کے نام

جسے بتکدہ ہند میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے دست مبارک پر سب سے پہلے صاحب ایمان ہونے کا افتخار، مرید و خلیفہ ہونے کا اعزاز، محرم راز، ہمدم و دمساز ہونے کا شرف اور جانشین ہونے کا اختصاص حاصل ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھانے، اپنے ہاتھوں سے تکفین و تدفین کرنے، اور جامع مسجد ہجویری میں امامت کی سعادت حاصل ہوئی۔
اسلامی افکار و تعلیمات پر خلوص دل سے عمل پیرا ہونے اور مرشد سے والہانہ محبت و عقیدت کے باعث بارگاہ مرشد سے اسم "عبداللہ" اور لقب "شیخ ہندی" عطا ہوا۔

حماد ہجویری

# حروفِ سپاس

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت خواجہ معین الدین چشتی

☆☆☆

WWW.NAFSEISLAM.COM

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار شریف پر حاضری کے بعد فرمایا "بہت بڑی شخصیت ہیں۔ میں نے ہزار ہا علماء کو ان (داتا گنج بخش) کے سامنے صف بستہ دیکھا۔ عجیب رعب ہے۔ وفات کے بعد بھی سلطنت کر رہے ہیں۔"

مولانا اشرف علی تھانوی

سیرت اشرف [illegible]

☆☆☆

"مولانا مودودی صاحب سے تعلق رکھتا تھا کہ اہل طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش ایک گنج گراں مایہ اور بہت بلند مرتبہ بزرگ تھے جنہیں اس کوچہ کے بھی لوگ مقتدا مانتے ہیں اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے"..... میری نظر بندی کے دوران سنٹرل جیل منٹگمری (ساہیوال) میں کشف المحجوب کے چند ہی صفحات پڑھنے کے بعد یہ بات میرے دل و دماغ پر مسلط ہو گئی کہ مجھے اس کتاب کو دوسرے بندگان خدا تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے اس لئے کہ انفرادی اجتماعی زندگیوں کو اسلام کے مطلوبہ معیار کے مطابق سدھارنے کیلئے جن باتوں کی ضرورت ہے اس کتاب میں موثر طریق سے بیان کر دی گئی ہیں۔ اگر اس کتاب کو عام لوگوں کیلئے عام فہم بنا دیا جائے تو لوگوں کی کایا پلٹ دینے والی کتابوں میں سے ایک نادر کتاب ہے۔"

مولانا مودودی

دیباچہ طبع اول اردو ترجمہ کشف المحجوب از میاں طفیل محمد

☆☆☆

# فہرست عنوانات


| عنوانات | | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| انتساب | | ۵ |
| حروف سپاس | حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ | ۶ |
| | شہزادہ دارا شکوہ، شاعر اسلام علامہ محمد اقبال | ۶ |
| | مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مودودی | ۷ |
| عرض مولف | میاں محمد سلیم حماد ہجویری قادری | ۱۳ |
| پیش گفتار | جسٹس (ر) ڈاکٹر منیر احمد مغل | ۱۷ |
| تقدیم | سید محمد فاروق القادری ایم اے گولڈ میڈلسٹ | ۲۰ |
| تعارفی اقتباس | مدیر قومی ڈائجسٹ (سید علی ہجویریؒ نمبر) | ۲۲ |
| پہلا باب | | |
| نام، القاب اور نسبتوں کی وضاحت | | ۲۳ |
| ابوالحسن سید علی ہجویری جلابی غزنوی، لاہوری | | ۲۴ |
| دست حاجت روائی، صاحب مزار سے استمداد | | ۲۸ |
| داتا گنج بخش کب، کہاں اور کس نے کہا؟ | | ۳۰ |
| روحانی شخصیت، تعلیم کی اہمیت | | ۳۷ |
| شجرۂ نسب (شجری منظوم) | | ۳۹ |
| شجرۂ طریقت (شجری منظوم) | | ۴۰ |

| عنوانات | صفحہ نمبر |
| --- | --- |
| **دوسرا باب** | |
| تحقیق ولادت اور وصال | ۴۲ |
| **تیسرا باب** | |
| تحقیق مزارِ گنج بخشؒ | ۴۷ |
| کیا تُربت گنج بخشؒ تہ خانہ میں ہے؟ | ۴۹ |
| تحقیقات چشتی، محکمہ اوقاف کا ریکارڈ، | ۵۰ |
| مدفن گنج بخشؒ پر اعتراضات، | ۵۲ |
| معترضین کے یکساں نظریات، | ۵۷ |
| کتابت کی غلطی کے امکانات، | ۵۸ |
| مزارِ گنج بخشؒ پر حاضرین کی سالانہ تعداد، | ۵۹ |
| شاہی قلعہ لاہور کی مختصر تاریخ، | ۶۱ |
| اعتراضات پر رد وکد، تاریخی شواہد، | ۶۲ |
| شہزادہ ابراہیم بن تیمور شاہ کی لاہور آمد، | ۶۳ |
| محلہ شیش محل، قرآن پاک کے قدیم نسخے، | ۶۴ |
| اکبر بادشاہ پر الزام تراشی، قدیم قبرستان، | ۶۸ |
| حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ | ۶۹ |
| حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت علامہ اقبالؒ، | ۷۰ |
| دو قومی نظریہ کی بنیاد، | ۷۲ |
| مزارِ گنج بخشؒ پر دیگر مکاتب فکر کے اکابرین کی حاضری، | ۷۳ |
| شبہات کا شوشہ چھوڑنے پر ردِ عمل، داتا گنج بخشؒ کا فرمان، | ۷۶ |
| مقصد ہجویریؒ کی قبولیت، مرکزِ تجلیات روحانی۔ | ۷۹ |

| عنوانات | صفحہ نمبر |
|---|---|
| **چوتھا باب** | |
| مرشد طریقت، بعض مشائخ وصوفیا، اساتذہ کرام۔ | ۸۱ |
| **پانچواں باب** | |
| ازدواجی زندگی، شادی کے بارے قیاس آرائیاں، | ۸۵ |
| لاہور قیام کرنے کا سبب، حلیہ و لباس مبارک۔ | ۸۸ |
| **چھٹا باب** | |
| وجہ تسمیہ، کشف المحجوب، اہمیت و افادیت، حروف تحسین، | ۹۲ |
| قلمی نسخے، عربی، اردو، پنجابی، سندھی، انگریزی تراجم | ۱۰۱ |
| کشف المحجوب کے ماخذ اور حوالہ جات، | ۱۰۶ |
| تصانیف ہجویری اور ان کی عدم دستیابی کا سبب، | ۱۱۰ |
| کشف الاسرار، کشف المحجوب سے موازنہ۔ | ۱۱۳ |
| **ساتواں باب** | |
| حضرت سید علی ہجویری کے تاریخی ادوار پر طائرانہ نظر | ۱۲۱ |
| صوفیت کا آغاز، تصوف کا نکھار، اسلام کی پاسبانی، | ۱۲۱ |
| پانچویں صدی سلاطین کی حکمرانی شریعت سے روگردانی، | ۱۲۳ |
| پانچویں صدی ہجری کی مادی ترقی کی زبانی شہر غزنی کی تاریخ، | ۱۲۵ |
| سلطان محمود غزنوی کی فتوحات، سلاطین کی عیش و عشرت، | ۱۳۵ |
| تعلیمات ہجویری، پانچویں صدی اور علمائے اسلامیہ۔ | ۱۳۹ |
| آزاد منش صوفیوں کی حقیقت، وحدت الوجود یا حق آمریت، اسلامی کا تقدس، | ۱۴۱ |
| [illegible] سے بیزاری، علائیت سے فرار۔ | ۱۴۴ |

| عنوانات | صفحہ نمبر |
| --- | --- |
| **آٹھواں باب** | |
| غلط روایات کی تحقیق و ازالہ | ۱۳۲ |
| حضرت علی ہجویریؒ اور حضرت میراں حسین زنجانیؒ | ۱۳۴ |
| کیا ہمعصر بزرگ اور پیر بھائی تھے۔ تاریخی اوراق سے شواہد | ۱۳۶ |
| خواجہ معین الدین چشتی کی لاہور آمد، میر میراں جی و دوراں کے القاب | ۱۳۸ |
| فوائد الفواد کی روایت، چار اہم نکات کی وضاحت و تحقیق | ۱۵۳ |
| مُرشد ہجویریؒ کے پند و نصائح اور اقوال، کشف المحجوب کی تصنیف | ۱۵۵ |
| شیخ زنجانی کا جنازہ اور تدفین، فصیل شہر لاہور کی تاریخ | ۱۶۱ |
| حضرت عزیز الدین معروف بہ پیر مکی کیا استاد گنج بخشؒ تھے | ۱۶۳ |
| تحقیق مزارات بیبیاں پاک دامن | ۱۶۷ |
| مزارات کی حیثیت سرکاری ریکارڈ میں | ۱۷۳ |
| شیخ ہجویریؒ کا حاضری دینا یا اعتکاف کرنا۔ | ۱۷۴ |
| **نواں باب** | |
| خلیفہ و سجادہ نشین | ۱۷۶ |
| حضرت شیخ ہندی، رائے راجو کا خاندانی پس منظر | ۱۷۹ |
| نائب حاکم پنجاب تقرری، وصال شیخ ہندی، سنہ ۳۹۱ھ کی حقیقت | ۱۸۱ |
| احمد حماد سرخسی اور ابوسعید ہجویری، مشائخ طریقت کا دستور بیعت | ۱۸۵ |
| حقیقی مرشد کی پہچان۔ | ۱۹۱ |
| **دسواں باب** | |
| تبرکات گنج بخشؒ اور شیخ ہندی، نوادرات درگاہ اور تحفات متولیاں | ۱۹۳ |
| تبرکات و نوادرات کا ضیاع کیوں؟ | ۲۰۰ |

| عنوانات | صفحہ نمبر |
|---|---|
| **گیارہواں باب** | |
| آئینہ اعمال توجہ طلب امور | ۲۰۳ |
| محبت و عقیدت کا تقاضہ، حاضری میں افتخار، حضور قلب، | ۲۰۳ |
| حق تعالیٰ و خود ستائی کے شوقین لوگ، | ۲۰۶ |
| نام و نسبت کا ناجائز استعمال، | ۲۰۷ |
| [illegible] لوگ، | ۲۰۷ |
| بالادست طبقہ کی جی حضوری، | ۲۰۸ |
| صاحبان اقتدار و اختیار کیلئے آئینہ، | ۲۱۰ |
| وقف املاک اور آمدن کا ناجائز استعمال، | ۲۱۱ |
| خلافت یا گدی کے نام پر لوٹ کھسوٹ، | ۲۱۲ |
| زائرین کے حقوق کا تحفظ، بیعت یا توسل، | ۲۱۴ |
| گنج بخش یونیورسٹی کا سہانا خواب، امور مذہبیہ کمیٹی، | ۲۱۵ |
| مزار شریف پر نقد نذرانہ جات گننے کا فرسودہ طریقہ، | ۲۱۷ |
| گزارش خاص | ۲۱۸ |
| مناقب | ۲۲۱ |


☆☆☆

# عرض مؤلف

شیخ المشائخ، سردارِ اہلِ حقائق حضرت سید علی ہجویری جلابی غزنوی معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری ادام اللہ فیوضہم کی کیاں قدر ومنزلت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی شان میں بے شمار مناقب اور احوال و آثار کے تذکرے لکھے جا چکے ہیں اور آئندہ بھی رقم ہوتے رہیں گے۔ تذکروں میں مزید ایک تذکرے کا اضافہ راقم کا مقصود نہیں، بندہ کی عاجزانہ کوشش ہے مخلوق خدا بالخصوص حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کے عقیدتمندوں کو اپنے رُوحانی پیشوا رحمۃ اللہ کی ہستی سے متعلق جو بھی علم ہو [illegible] اور زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچانے کیلئے آپ کے احوال و آثار کے ساتھ ساتھ آپ کی سیرت و کردار کے وہ گوشے بھی نہایت آسان، عام فہم اور سلیس انداز میں شائع اور اُجاگر کئے جائیں جن کے مطالعہ سے عوام و خواص بالخصوص عقیدتمندان گنج بخش بھرپور استفادہ کرسکیں اور ذوق و شوق سے آپ کے نقش قدم پر چل کر اپنی اصلاح و فلاح کرسکیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کی ذات ۲۲۰ صفات کے ایمان و ایقان، عرفان و فرقان، تصوف و طریقت، ارادت و خلافت عبادات و ریاضت، کشف و کرامت، حکایت و روایت، لطافت، نفاست، ذہانت، فطانت، بلاغت، فصاحت، صداقت، ثقاہت، صولت، عظمت، معرفت، حکمت، صحابت و سیادت، امامت، قیادت، محبت والفت، رفاقت، رقابت، سعادت، سیادت، خلوت، جلوت، مشاہدہ، مجاہدہ، مراقبہ، محاسبہ، تحقیق، تعمیق، جرح، تعدیل، تقلید، تنقید، جوش، ہوش، عزم [illegible]

و تعلم، صوم و صلوٰۃ، کلام و پیام، مہمانی و میزبانی، سفر و حضر، فقر و فکر، علم و عمل، تعلیم
و تفہیم، ترتیب و ترغیب، تصنیف و تالیف، ظرف و شرف، زہد و تقویٰ، مہر و وفا، فیوض و
برکات، اخلاق و محاسن اور تبلیغ و تلقین وہ پہلو ہیں جن پر میدانِ قلم و کلام میں وہ کام
کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کی جملہ خوبیاں اور اوصاف یقیناً ہم سب کیلئے
مشعلِ راہ اور ہدایت کا باعث ہیں۔ اس مشعلِ ہدایت کی روشنی عام کرنے اور
حقیقت سے نا آشنا نفس کی طلب و تشنگی دور کرنے کیلئے اہل افراد یا اداروں کو اپنے
اپنے علم و قلم اور وسائل کو استعمال میں لانا چاہیے۔

اس طور پر محکمہ اوقاف کا یہ فرضِ اولین ہے کہ وہ مزار داتا گنج بخش رحمۃ اللہ
کی دیدہ زیبائی، وسعت و خوبصورتی کے ساتھ ساتھ داتا حضور رحمۃ اللہ کے عقیدتمند
زائرین و ملاقاتیوں کی نوع بہ نوع ضروریات کو ظاہری سہولیات بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ
باطنی ترقی کیلئے بھی بھرپور شعوری جدوجہد کرے۔ حضرت علی ہجویری پیر کامل رحمۃ اللہ
کے نقشِ قدم پر چلنے کی ترغیب اور اظہارِ عقیدتمندی کے اعلیٰ شعور کیلئے کشف المحجوب
میں درج رشد و ہدایت کے ہر پہلو کی آسان اور عام فہم انداز میں وسیع پیمانے پر نشر و
اشاعت اور تقسیم کا بندوبست کرے۔ اس کام کو مبسوط اور جامعیت سے مستقلاً انجام
دینے کی اشد ضرورت ہے۔ چونکہ محکمہ اوقاف حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کے مزار
شریف کا بلاواسطہ متولی ہے اور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے کبھی نہ ختم ہونے والے بیش
بہا خزانہ سے مستفید ہو رہا ہے اس لئے اس پر سب سے زیادہ فرض اور قرض ہے کہ اس
خزانہ کو محض دولت کا ذریعہ بنانے کی بجائے زیادہ سے زیادہ انسانوں کو روحانی غذا
مہیا کرنے کیلئے استعمال کرے اور مخلوقِ خدا کو فیضِ عالم رحمۃ اللہ کے ہر پہلو سے فیضیاب
ہونے کا موقع فراہم کرے۔

الحمدللہ وصالِ مبارک سے آج تک بفضلِ ربِ تعالیٰ آپ کے فیض و عطا کا

چرچا ہے، ان شاء اللہ آئندہ بھی شمس و قمر کی طرح آپ کے فیوض و برکات جاری، ساری رہیں گے۔ کروڑوں عقیدتمندوں کی اکثریت زیادہ تر محض فیض و عطا کے حوالے سے ہی آپ کو جانتی مانتی اور داتا گنج بخش پکارتی ہے حالانکہ اللہ ﷻ کے فضل و کرم سے آپ کا داتا گنج بخش ہونا آپ کی بے شمار صفات میں سے ایک صفت، ایک مقام، ایک مرتبہ ہے۔ آپ کی حیاتِ جاودانہ کا ہر پہلو ہر گوشہ زیورِ شریعت سے مرصع ہے اور عقیدتمندوں کیلئے رشد و ہدایت کا مرقع ہے۔

حضرت سید علی ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخش رحمہ اللہ ایک صاحبِ تصنیف صوفی ہیں، کشف المحجوب آپ کی باطل شکن، ایمان افروز، گنجینہ رشد و ہدایت کتاب ہے جس کا اگر گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف حضرت کی ذات بابرکات

WWW.NAFSEISLAM.COM

ساتھ ساتھ ان کے قلب و ذہن کی تاریک وادیوں کو نور اسلام کی کہکشاں سے جگمگایا، اس نورانی کہکشاں کا سفر آج تک جاری اور قیامت تک رواں دواں رہے گا۔ ارضی و فرشی، ظاہری و فرضی فتوحات کرنے والوں کا نام صرف تاریخ کے صفحات پر لکھا ہم تک پہنچتا ہے لیکن حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ اور ان جیسی ہستیوں کے اسماء گرامی نہ صرف تاریخ بلکہ نسل در نسل اور پشت در پشت سے لوگوں کے قلوب پر بھی نقش چلے آرہے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ برصغیر میں آباد مخلوق خدا کے حقیقی حکمران اور فاتح قلوب ہیں۔

لاہور کو داتا کی نگری بھی کہتے ہیں۔ اس قدیم شہر کے جنوب مغربی جانب بھاٹی دروازہ کے باہر آپ رحمہ اللہ کا مزار اقدس صدیوں سے مرجع خلائق ہے لیکن تاج و تخت کے مالک بادشاہوں کے مقبروں کی ویرانیوں پر ویرانے بھی ماتم کناں ہیں۔ مزارات اولیاء خصوصاً مزار گنج بخش رحمہ اللہ پر حصول فیض کیلئے عوام و خواص، شاہ و گدا، صدور و وزراء، امراء و فقراء کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

**صباح ہجویری**

ہجویری ہاؤس ۱۳۔ افضل پارک

ابدالی چوک اسلام پورہ لاہور

# پیش گفتار

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور جسم کے تمام واپسی اعضاء و جوارح سے ظاہر ہونے والا عمل اگر اس اقرار، تصدیق کے عین مطابق ہو جائے تو ایک انسان الذین امنوا و کانوا یتقون کے مبارک زمرے میں آ جاتا ہے اور غم و خوف سے نجات پانے والوں میں اس کا نام لکھا جاتا ہے۔ ایسے نیک نفس انسان اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ اسلام، ایمان اور احسان تینوں اصطلاحات حدیث جبریل علیہ السلام میں موجود ہیں۔ تقاضہ تو یہی ہے کہ بندہ ہر کام کرتے وقت یوں سرانجام دے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ ہو پائے تو کم از کم یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اپنے ہر معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا اور یہ یقین رکھنا کہ وہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے تفویض کہلاتا ہے۔

جو پاک ہستیاں اتباع رسول اکرم ﷺ میں پورے صدق دل سے مصروف رہیں انہیں ولایت نصیب ہوئی اور انہوں نے اس منصب کا حق ادا کیا۔ بھٹکی انسانیت کو سیدھی راہ دکھائی، دکھی لوگوں کے درد و غم میں شریک ہوئے، مخلوق کی توجہ خالق و مالک اور رازقِ حقیقی کی طرف موڑ دی۔ رضائے الٰہی اور حب رسول ﷺ کے تحت خلق خدا کی اصلاح و فلاح پر بھرپور توجہ دی۔ جدھر سے گزرے برکات کا نزول ہوا، خیر و فلاح پھیل گئی۔ ہر طرف اللہ اللہ اور صلی علی سیدنا و مولانا محمد ﷺ کی گونج نے ساری فضا کو نور علیٰ نور کر دیا۔

نفرتیں مٹنے لگیں، محبتیں بڑھنے لگیں، معاشرے میں استحکام آ گیا۔ دھوکہ فریب کی جگہ امانت و دیانت، منافقت کی جگہ اخلاص، اسراف و تبذیر کی جگہ اقتصاد و اعتدال

جہل کی جگہ ثقافت، کام چوری، جہل انگاری کی جگہ بھرپور محنت، حرام کی جگہ حلال محنت، اندھیر نگری کی جگہ عدل و احسان آ گئے۔ ادب بڑھا، احترام آدمیت قائم ہوا۔ فضلِ خداوندی نے ہر طرف بہار کر دی۔ یہ تبدیلی بھرپور کاوش، راتوں کی آہ و زاری، دن بھر محنت، مشیت اللہ ﷻ اور سید المرسلین ﷺ کے احکامات پر پورے اور مکمل نیت کے ساتھ عمل کرنے کا نتیجہ تھی۔ دُنیا دیکھ رہی ہے کہ باوجود مخالفانہ تیروں کے اولیائے کرام کے فیوض و برکات جاری و ساری ہیں۔

عزت مآب فاضل صد احترام جناب میاں محمد سلیم حمّاد ہجویری قادری صاحب حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین و خلیفہ حضرت عبداللہ ملتجب۔ شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد اور مستقیم اخلاف میں سے ہیں۔ میاں حماد صاحب ظاہری و باطنی خوبیوں کے مالک اور اپنے قلم و کلام کو ہر طرح سے پاکیزہ رکھنے والے ہیں۔ حق گوئی و بے باکی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ تاریخ کے ہدایت حق اور اہل اللہ کے سچے معتقد ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات سے محبت و ان کی تعلیمات سے انتہائی لگاؤ رکھنے والی شخصیت ہیں۔ آستانہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر موجود امور مذہبیہ کمیٹی کے رُکن بھی ہیں۔ اللہ ﷻ ان کے درجات میں مزید ترقی اور لمبی زندگی عطا فرمائے، صحت و تندرستی اور ہر طرح کی سلامتی سے نوازے رکھے۔

محترم میاں حماد صاحب کی بہت سی علمی کاوشیں زیرِ نظر آ چکی ہیں۔

'' مخزن قلوب حضرت داتا گنج بخش'' ان کی تازہ قابل قدر کاوش ہے۔ اس کتاب کے گیارہ ابواب ہیں جو اپنی اپنی جگہ بہت اہم اور تحقیقی ہیں۔ آخری باب العدل کے احوال سے تعلق رکھتا ہے۔ میاں صاحب نے جو دیکھا برملا لکھ دیا۔ اختلاف کی گنجائش سے انکار نہیں ہو سکتا، ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جسے وہ حق سمجھتا ہے اسے دوسروں کے سامنے لائے۔ بعض اوقات ایک چیز بظاہر کچھ نظر آتی ہے مگر غور کرنے

ے بات کچھ اور نکل آتی ہے۔ بہرحال حق کا بول بالا ہو کر رہتا ہے۔ نصیحت ہر حال میں بہتری کیلئے ہوتی ہے۔ جناب میاں صاحب نے نصیحت بھرے انداز میں ہر گوشہ خبر لی ہے۔ خدا کرے ان کی باتیں اصلاح احوال کا سبب بن جائیں۔ بلکہ اس میں سب کو اپنا اپنا رول ادا کرنا چاہیے۔

ہجویری یونیورسٹی کا شایان شان قیام جلد از جلد ہونا چاہیے اور بعد از قیام اس کے انتظامی و تعلیمی شعبوں میں اہل افراد کا تقرر ہونا از بس ضروری ہے کہ ساری دنیا میں اس کا نام اور کام ہوگا۔

# تقدیم

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی ذات گرامی اور آپ کی تعلیمات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ انتہائی ممتاز، ارفع و اعلیٰ اور گوناگوں شخصیت تھے۔ آپ نے مساعی، درویشی، فقر، استغنا اور حکیمانہ انداز تبلیغ سے وہ ان مٹ انقلابی نقوش اس خطے کے باسیوں کے دلوں پر ثبت کئے جنہیں ہزار سالہ تاریخی حادثات کجلا نہ سکے۔ آپ کی معروف کتاب کشف المحجوب، اصحاب معرفت اور ارباب طریقت کیلئے ایک ایسا ارمغان ہے جسے انہوں نے ہر دور میں حرزِ جان بنائے رکھا، اس کتاب میں ایک طرف شریعت و سنت کی حکمرانی کا عنصر موجود ہے تو دوسری طرف تزکیہ نفس، اصلاح باطن اور معرفت خداوندی کی راہیں تحسین کی گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض مشائخ و صوفیاء نے اس کتاب کو مرشد کی حیثیت دی ہے۔

صوفیاء کرام کی تعلیمات جہاں ہمارے لئے انفرادی، اجتماعی زندگی کی اصلاح کیلئے بہت ضروری ہیں وہاں ان کی ذات، صفات اور احوال و آثار زبردست تاریخی اہمیت کے حامل ہیں اس لئے ان کے متعلق غلط روایات اور بے سروپا خلاف تحقیق باتوں کا بروقت نوٹس لینا اور تدارک کرنا از حد ضروری ہے تا کہ کوئی فرد یا گروہ شعوری یا لاشعوری طور پر تاریخ کو دھندلا نہ سکے۔

محترم میاں محمد سلیم حماد ہجویری قادری صاحب ایک صاحب علم، ذہین، متفکر اور اعتدال پسند شخصیت اور خوش ذوق و حکیمانہ انداز کے مالک ہیں۔

ذوق شعر ان کا فطری شعور ہے۔ شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اصناف سخن میں نعت گوئی اور مناقب اولیاء پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ مخصوص محافل و مجالس اور

یا معمولی کی نشست و برخواست ہر موقع پر ادنیٰ و اعلیٰ سے آپ کا رویہ عاجزانہ ہوتا ہے۔ خودنمائی، خودستائی اور شہرت سے اجتناب کرتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کی ذات اور احوال و آثار کے بارے میں درست معلومات مہیا کرنے، من گھڑت روایات اور غلط فہمیاں جو تقریروں اور تحریروں میں جاری ہیں ان کا تحقیقی انداز میں موثر ازالہ کرنے کیلئے آپ سے زیادہ کون اس کام کا اہل ہو سکتا ہے۔ یہ آپ کا فرض تھا جو آپ نے حسن و خوبی سے ادا کیا۔ عام طور پر آپ کی قلمی کاوشوں میں اصلاحی پہلو اور تحقیق کا عنصر غالب ہوتا ہے جس سے قارئین بہتر طور پر استفادہ کرتے ہیں۔

کتاب میں معلومات سے بھرپور دس ابواب ہیں جو عقیدت مندانِ حضرت داتا گنج بخشؒ کیلئے ہیں اور سنجیدہ قارئین کیلئے خاص تحفہ ہیں۔ گیارھواں باب اصلاحِ احوال کیلئے ہے جو عقیدتمندوں اور واقفِ حال ارادتمندوں کی ترجمانی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ محترم میاں حماد ہجویری صاحب کو صحت و تندرستی سے سلامت رکھے۔ آمین!

**سید محمد فاروق القادری**
ایم۔ اے عربی، اسلامیات گولڈ میڈلسٹ پنجاب یونیورسٹی لاہور
سجادہ نشین آستانہ عالیہ شاہ آباد شریف پنجاب پاکستان

# تعارفی اقتباس

”صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد اہل علم و دانش میں سے ہیں۔ وہ بلند پایہ محقق اور جید عالم ہونے کے علاوہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ مزید براں وہ ماہنامہ ”گنج بخش“ کے مدیر بھی ہیں۔ صاحبزادہ موصوف سید علی ہجویریؒ کے مرید حضرت [illegible] الملقب بہ شیخ ہندی کی اولاد میں سے ہیں جنہیں حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنا جانشین و خلیفہ قرار دیا تھا۔ محترم حماد صاحب کو نہ صرف اپنے عظیم خانوادے کی تاریخ اور شجرہ نسب سے مکمل آگاہی حاصل ہے بلکہ وہ حضور داتا گنج بخشؒ کے صحیح معنوں میں سجادہ نشین بھی ہیں۔

مزار مبارک حضرت داتا گنج بخشؒ کا انتظام و انصرام اگرچہ گذشتہ کئی برسوں سے محکمہ اوقاف کے سپرد ہے لیکن صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد صاحب گوشہ نشینی میں رہ کر بھی سید ہجویریؒ کی حیات مبارکہ اور تعلیمات کے متعلق متعدد مضامین اور کتابیں تخلیق کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل سید محمد فاروق القادری کی ترجمہ شدہ اردو کشف المحجوب شائع ہوئی ہے جس کا مبسوط مقدمہ میاں محمد سلیم حماد صاحب نے تحریر کیا ہے۔ قارئین کی درخواست پر صاحبزادہ موصوف نے حضرت داتا گنج بخشؒ کے بارے میں پیدا کی جانے والی بعض غلط فہمیوں کے ازالے کیلئے گراں قدر مقالہ تحریر فرمایا ہے جس میں انہوں نے تاریخ و تحقیق کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ یہ غلط فہمیاں بعض کوتاہ اندیشوں اور بعض مخصوص فکر کے متعلق چند لوگوں نے مخصوص مقاصد کیلئے پیدا کی ہیں۔“

**مدیر**

ماہنامہ قومی ڈائجسٹ مئی ۲۰۰۱ء (سید علی ہجویری نمبر)۔

پہلا باب

## نام، کنیت، القاب اور نسبتوں کی وضاحت

حضرت ابوالحسن سید علی ہجویری جلابی غزنوی ملقب بہ داتا گنج بخش لاہوری جنیدی حنفی یہ وہ نام والقاب اور نسبتیں ہیں جن سے آپ کو لکھا، پکارا اور یاد کیا جاتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ یہاں ان نام والقاب اور نسبتوں کے متعلق بالترتیب وضاحت کر دی جائے تاکہ قارئین عقیدتمندوں کو اس بارے مکمل آگاہی ہو جائے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا نام نامی اسم گرامی علی ہے۔ آپ کی آخری تصنیف "کشف المحجوب" کے آغاز میں آپ کا خود نوشتہ مقدمہ ہے جس میں حمد و ثناء اور درود و سلام کے بعد آپ نے شروعات یوں فرمائی۔

"ابوالحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ثم الہجویری عرض پرداز ہے کہ میں نے استخارہ کیا اور دل میں پیدا ہونیوالی ہر خواہش سے منہ موڑ لیا۔ اللہ تجھے (ابوسعید ہجویری) نیک بخت بنائے۔ تیری درخواست پر میں نے کتاب تصنیف کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور اس کا نام کشف المحجوب رکھا ہے۔"

کشف المحجوب میں اٹھائیس مختلف مقامات پر حضرت نے اپنا اسم مبارک "علی بن عثمان الجلابی" تحریر کیا ہے۔ کتاب کے سرورق پر "الہجویری" اور ابوالحسن بھی لکھا ہے، کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات پر اپنا نام تحریر کرنے کا سبب حضرت نے خود اپنی تصنیف کے آغاز میں واضح کیا ہے۔

"جاہل اور جھوٹے لوگ جب ایسی کتاب دیکھتے ہیں جس میں مصنف نے متعدد مقامات پر اپنے نام کا حوالہ نہ دیا ہو تو یہ لوگ حقیقی مصنف کا نام اصل [illegible] سے

مدعا کر اس کتاب کو اپنی تصنیف بتانے لگتے ہیں۔۔ میری دو کتابوں دیوان (اشعار کا مجموعہ) اور منہاج الدین کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔"

## کنیت ابوالحسن

وہ نام جس سے نسب یا وصف کا اظہار ہو کنیت کہلاتا ہے۔ کنیت اسم خاص سے پہلے لکھی بھی اور بولی جاتی ہے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی کنیت "ابوالحسن" ہے جو یقیناً صفاتی ہے۔ اس لئے کہ آپ کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی۔ اوائل عمر میں شادی ہوئی اہلیہ محترمہ جلد وفات پا گئیں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے کوئی شادی نہ کی اور مجردانہ زندگی گزاردی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ خود بھی والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کو نیکیوں اور خوبیوں کے باوصف ابو الحسن کہا گیا۔ آج بھی آپ کی یہی کنیت معروف ہے۔ خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ کے افراد پشت در پشت سے اس بات کی تصدیق کرتے چلے آ رہے ہیں۔

کشف المحجوب میں حضرت فرماتے ہیں کہ "میں (علی بن عثمان) ایک دفعہ سخت مشکل میں گرفتار ہو گیا تو ان سے بچنے حضرت ابو احمد بن حمدان رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے فرمایا اے ابوالحسن مجھے اپنے حال کی کیفیت بتاؤ؟"

یہ تحریر اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو ابوالحسن کہا جاتا تھا اور آپ نے خود بھی اپنے لئے اس کنیت کو اختیار فرمایا۔ عرب معاشرے میں عموماً لوگ اپنے نام کے ساتھ کنیت اختیار کرتے تھے، بعد ازاں غیر عرب لوگ بھی کنیت اختیار کرنے لگے۔ کنیت اولاد کے نام پر یا مختلف اوصاف کے ساتھ خصوصی محبت اور تعلق کی بنا پر اختیار کی جاتی تھی۔ ابوالحسن، ابوالبرکات، ابوالحسنات اور ابوالخیر وغیرہ قسم کی کنیتوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ بزرگ اپنے آپ کو ان صفات کے مظہر سمجھ کر خیر، خوبی اور نیکی کا پیکر خیال کرتے تھے بلکہ اس سے مقصود نیکی و خیر کا جذبہ اس سے لگاؤ اور محبت کا اظہار ہوتا تھا۔

## سید

سید (عربی) حاکم، سردار، مالک، آقا۔ ذاتی اوصاف یا املاک یا پیدائش کے لحاظ سے ممتاز اور اعلیٰ مقام کی حامل شخصیات کو سید یا سیدی کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ پیدائش اور اوصاف کے حوالے سے یہ الفاظ تمام عالم اسلام میں بلا شرکت غیرے حضور ﷺ کی اولاد کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ خاص طور پر جن کا حسب و نسب حضرت بی بی فاطمہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضوان اللہ علیہما سے ملتا ہو ان کو سید کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں سید صرف دو بار استعمال ہوا ہے۔ اول سورۃ آل عمران ۳۹ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کیلئے اور دوئم سورۃ یوسف ۲۵ میں زلیخا کے شوہر کیلئے آیا ہے۔

حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کا اسم گرامی سید عثمان اور دادا صاحب کا نام نامی سید ابی علی رحمۃ اللہ ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد چونکہ حسنی سادات ہیں اس لئے آپ نسباً حسنی سید ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ رحمۃ اللہ حسنی سیدہ ہیں اسلئے حسباً حسینی سید ہیں۔ گویا نجیب الطرفین سید ہیں اس لئے آپ کیلئے سید لکھا جاتا ہے۔

## علی

اللہ تعالیٰ کا ایک نام علی ہے جو انتہائی بلند، بلند تر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے چچیرے بھائی، داماد اور خلفائے راشدین میں سے چوتھے خلیفہ کا اسم گرامی بھی علی ہے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی سید عثمان جلابی رحمۃ اللہ نے اپنے بیٹے کا بابرکت نام علی رکھا۔

## ہجویری

ہجویری آپ کے نام کا حصہ ہے جو ہجویر سے منسوب ہے۔ ہجویر غزنی کا ایک محلہ ہے، جہاں آپ کا ننھیال آباد تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ کی پیدائش، تعلیم، تربیت، شادی اور رخصتی اسی مقام سے ہوئی۔ محترمہ نیک نام اور پارسائی کا پیکر تھیں۔ آپ کے ماموں علم و عرفان اور عبادت و ریاضت میں یکتا تھے "تاج الاولیاء ہجویری

" کے لقب سے معروف تھے۔ کشف المحجوب میں صرف ایک جگہ سرورق پر آپ کے نام گرامی کے ساتھ ہجویر کی نسبت سے الہجویری رقم ہے۔

## جلابی

جلابی جو جلاب سے منسوب ہے اور جلاب غزنی کی ایک آبادی تھی جس میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کا ددھیال آباد تھا، یہیں آپ کی پیدائش ہوئی اور بچپن و لڑکپن کا بڑا حصہ یہیں گزرا۔ اس مقام کی قدر دانی اور اپنی اقامتی پہچان کیلئے آپ اپنے اسم مبارک کے ساتھ زیادہ تر جلاب کی نسبت سے الجلابی لکھتے تھے۔ کشف المحجوب میں اکثر مقام پر اپنا نام "علی بن عثمان جلابی" رقم فرمایا ہے۔

## غزنوی

غزنہ اور غزنین کا نام سلاطین غزنہ کے جاری کردہ سکوں اور عربی وقائع اور کشف المحجوب میں ملتا ہے۔ طبقات ناصری از منہاج سراج اور تاریخ فرشتہ از ابو القاسم فرشتہ میں غزنہ کو غزنین کے نام سے لکھا گیا ہے۔ ماضی قریب کی تواریخ میں آخری نون کو گرا کر صرف غزنی لکھا گیا ہے اور آج بھی یہی نام لکھا پڑھا بولا جاتا ہے۔

غزنوی، غزنی کی نسبت سے حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کو غزنوی کہا جاتا ہے۔ غزنی آپ کا آبائی شہر ہے جو اسوقت پاکستان کے مغربی ہمسایہ ملک افغانستان کا ایک شہر ہے۔ کشف المحجوب میں حضرت نے درج ذیل تین موقعوں پر غزنین (غزنی) کا ذکر فرمایا ہے۔

"میرے مرشد کے پاس آپ (حبیب بن سلیم الراعی) کی بے شمار روایات تھیں اس وقت مزید بیان ممکن نہیں، کیونکہ میری اکثر کتب غزنین اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے میں رہ گئی ہیں اور میں ملتان کے مضافات۔ لہانور (لاہور) میں ہوں۔"

"غزنین اللہ تعالیٰ اسے محفوظ رکھے، کے ایک مدعی علم و امامت نے مجھ سے کہا کہ گدڑی پہننا بدعت ہے، میں نے جواباً کہا ابریشم و اطلس سے بنی خلعت جو

مردوں کیلئے قطعاً حرام ہے ظالمین (ظالم سلاطین و حاکمین) جن کی ملکیت بھی اپنی جگہ حرام ہے ان کی خوشامد و چاپلوسی سے حاصل کر کے خلعت فاخرہ سمجھ کر پہنی جاتی ہے جبکہ گدڑی جو خود حلال شے ہے حلال طریقہ سے بنتی ہے اور جائز طریقے سے حاصل کی جاتی ہے کس طرح بدعت ہوگئی۔"

"اس شہر (غزنی) کے لوگوں اور علماء سے اچھی توقعات کی بنا پر امید ہے کہ آئندہ بھی یہاں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اچھے عقائد و اعتقادات پر بہتر طریقے سے عمل پیرا ہوں گے اور غزنین کو اس نامعقول گروہ سے نجات مل جائے گی جن سے طریقت بدنام ہو رہی ہے۔ یہ شہر دوبارہ اولیائے اللہ اور بزرگان دین کی قیام گاہ بن جائے گا۔"

دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں "آپ غزنی کے رہنے والے تھے جلاب

جاتی ہے جبکہ ... منتقل ہو گئے۔

سے حاصل کی جاتی ہے کس طرح بدعت ہوگئی

"اس شہر (غزنی) کے لوگوں اور علماء سے اچھی توقعات کی بنا پر امید ہے کہ

آئندہ بھی یہاں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اچھے عقائد و اعتقادات پر بہتر طریقے

سے عمل پیرا ہوں گے اور غزنین کو اس نامعقول گروہ سے نجات مل جائے گی جن سے

طریقت بدنام ہو رہی ہے۔ یہ شہر دوبارہ اولیائے اللہ اور بزرگان دین کی قیام گاہ بن

جائے گا۔"

دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں "آپ غزنی کے رہنے والے تھے جلاب

اور ہجویر غزنی کے دو محلے تھے پہلے جلاب میں قیام پذیر تھے پھر ہجویر میں منتقل ہو گئے۔

ان کے والدین کی قبریں پیر علی ہجویری کے ... ماموں تاج الاولیاء کے مزار سے متصل غزنی

میں ہیں۔ آپ کا خانوادہ زہد و تقویٰ کیلئے ... مشہور تھا۔ ۔۔۔ یہ عاجز (دارا شکوہ) بھی آپ

کے روضہ (لاہور) اور آپ کے والدین او... ماموں کے مزارات (غزنی) پر حاضری

دے چکا ہے۔"

شہر غزنی کے بارے میں مزید تفصیل... ت باب نمبر سات میں ملاحظہ فرمائیں۔

...ری

کے ساتھ ساتھ لاہوری بھی کہا جاتا ہے۔

## القاب وخطابات

**داتا:** جس دور میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ لاہور تشریف لائے اور یہاں سکونت اختیار کی، اُس وقت یہاں پر عوام وخواص کی زبان ہندی تھی ''داتا'' ہندی زبان کا ایک اہم صفت ہے جو صاحبان فیض وعطا اور کرم گستر عظیم ہستیوں کے بارے میں بولا جاتا ہے۔ اردو اور پنجابی زبانوں میں بھی انہیں معنوں میں مستعمل ہے۔ اللہ کے رسُل وانبیاء علیہم السلام اور اولیائے عظام رضوان اللہ علیہم تو مجازی طور پر ''داتا'' کہلانے کا استحقاق رکھتے ہی ہیں۔ ان کے علاوہ خصوصی وصف کی حامل مقربان بارگاہ الٰہی، وہ ہستیاں جو محض اللہ کے اذن اور اُس کی رضا کیلئے مخلوق کی حاجت روائی کرتی ہیں وہ بھی عام طور پر ایسے ناموں سے لکھی، پڑھی اور بولی جاتی ہیں جیسے پیر، فقیر، صوفی، درویش، ولی، سرور، غریب پرور، غریب نواز، دستگیر، مُرشد، مُعلم، معاون، مشکل کشا، مددگار، سائیں، سرکار، مالک، آقا اور مخدوم وغیرہ۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ خصوصی طور پر ''**داتا**'' کے نام سے معروف ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ نفوس قدسیہ صفاتی ناموں القاب وخطابات کو بذات خود اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی خود ان اسماء کو اپنے قلم و کلام میں استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے فیض یافتگان میں سے ہی مقام ومرتبہ کے حامل افراد وقتاً فوقتاً موقع بہ موقع شایان شان القاب وخطابات سے خراج تحسین پیش کرتے رہتے ہیں۔

## وصف حاجت روائی

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی ذات میں حاجت روائی کا وصف ان کی زندگی اور بعد از وصال بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ جو لوگ اسے محض خوش عقیدگی یا قیاس قرار دیتے ہیں ان کیلئے کشف المحجوب میں ''آداب اقامت کے آداب'' کے آخری پیرا کی عبارت کا آئینہ حاضر ہے۔

"مجھے جو ضرورت پیش آتی میرے (علی بن عثمان) پاس چلا آتا ہے اور میں انکی ضروریات پورا کرنے میں تکالیف اٹھاتا ہوں۔"

تکلیفیں اٹھانا بندے کی مجبوری ہے اس لئے کہ اُسے ضعیف بنایا گیا ہے جبکہ حقیقی حاجت روا اللہ تعالیٰ تکالیف سے آزاد اور منزہ ہے۔ اس کے فضل و کرم سے اُس کی مخلوق کی حاجت روائی کرنا ایک وصف ہے۔ قادرِ مطلق جسے چاہتا ہے یہ وصف بخش دیتا ہے۔ اس وصف کے حامل اللہ کے خاص بندوں کو ہی داتا کہا جاتا ہے۔ یہ بات کسی طرح سے بھی نہ غلو ہے نہ شرک کے زمرے میں آتی ہے۔

## صاحبِ مزار سے استمداد

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ دانشمندانِ دین کے مزارات میں سے کسی ایک مزار مبارک پر مقیم ہو جاتے اور صاحبِ مزار سے مشکل حل کرنے میں مدد کی درخواست کرتے۔ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ

"اس سے قبل بھی مجھے ایسی ہی مشکل پیش آئی تھی تو میں حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے مزار پر مقیم رہا تھا یہاں تک کہ میری وہ مشکل آسان ہو گئی اس دفعہ پھر مشکل میں وہاں مقیم ہونے کا ارادہ کیا ہے۔"

جو لوگ اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات میں اور بعد از وصال تصرفات کے قائل ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ فیض و عطا کے حوالے سے کل بھی داتا تھے اور آج بھی داتا ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کے فیوض و برکات کا تعلق چونکہ ظاہر و باطن سے ہے اس لئے ان کو کاملاً بیان کرنا ممکن نہیں، جو ظاہری آنکھ سے دیکھے جا سکتے ہیں ان کو احاطہ تحریر میں لانا بھی کچھ آسان نہیں۔ اگر اس بارے میں اختصار سے لکھا جائے تو بھی ایک ضخیم کتاب وجود میں آجائے گی لیکن شاید پھر بھی اس موضوع سے انصاف نہ ہو سکے۔ داتا حضور رحمہ اللہ نے اگر اجازت مرحمت فرمائی تو [illegible] یہ خدمت بھی بجا لانے کا شرف حاصل کرنے کا متمنی ہے۔

## داتا کب، کہاں اور کس نے کہا؟

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کے فیض، عطا کا چرچا کرنے اور سب سے پہلے حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ کو داتا کہنے والی ہستی، حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی تھی جنہیں اللہ نے فضل و کرم سے حضرت داتا صفات سید علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ کی خصوصی نگاہ کرم سے صاحبِ ایمان ہونے کی سعادت، آپ کے دست مبارک پر بیعت ہونے کا شرف، ہند میں اولین شاگردِ رشید ہونے کا فخر، خادم خاص ہونے کی سعادت اور خلیفہ مجاز ہونے کا اعزاز عطا ہوا۔ داتا حضور رحمۃ اللہ نے آپ کو مرید بنایا تو اسم عبداللہ اور لقب شیخ ہندی سے سرفراز فرمایا۔ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز نے جب اپنے مرشد سے ایمان و عرفان کی بے گراں دولت پائی تو وہ بے ساختہ داتا داتا پکار اٹھے۔ یہ مقدس ہستیاں جب باہم ہمکلام ہوتیں تو حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ، حضرت عبداللہ کو شیخ ہندی اور حضرت عبداللہ اپنے مرشد و مخدوم کو داتا کے لقب سے مخاطب فرماتے۔

حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز دیارِ ہند میں آپ کے اولین فیض یافتگان میں سے تھے۔ آخری دم تک آپ اپنے مرشد کو داتا کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ جب سے اب تک لاہور کی مقامی آبادی خصوصاً اور دیگر عقیدتمندان گنج بخش رحمۃ اللہ، حضرت کو داتا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہند میں عام طور پر بزرگ ہستیوں، عمر میں بڑے دوستوں، رشتہ داروں اور دیگر صاحبانِ علم و فن کو احتراماً نام کی بجائے القاب خطابات یا عرفیات سے لکھا بولا جاتا تھا۔ آج بھی ہمارے معاشرہ میں یہ قدر رائج ہے۔ جیسا کہ حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ کو ان کی کنیت ابو الحسن اور القاب، خطابات اور عرفیات حضرت داتا، گنج بخش، فیض عالم، پیر کامل اور مخدوم امم، وغیرہ سے اور حضرت عبداللہ کو لقب شیخ ہندی یا شیخ الہند اور ان کی کنیت [illegible] سے لکھا بولا جاتا ہے۔

## داتا کی نگری

حضرت سیدنا علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کی نسبت سے شہر لاہور کو داتا کی نگری بھی کہا جاتا ہے۔ ۲۰۰۱ء میں پاکستان میں ضلعی حکومتوں کا نظام رائج کیا گیا جس کے تحت لاہور کے اب چھ ٹاؤن ہیں ان میں سے ایک کا نام "داتا گنج بخش ٹاؤن" رکھا گیا ہے یہ نہ صرف لاہور بلکہ پاکستان بھر میں سب سے بڑا ٹاؤن ہے۔

## وجہ تسمیہ گنج بخش

گنج: فارسی زبان کا لفظ ہے اور اردو زبان میں بھی مستعمل ہے۔ یہ لغت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ خزانہ، خزینہ، دفینہ، مخزن، ذخیرہ، ڈھیر، انبار، اناج کی منڈی بازار، وہ دستہ جس میں چاقو، قینچی وغیرہ، تیز اوزار رکھے گئے ہوتے ہیں اور زمین کا وہ ٹکڑا جو لوگوں کیلئے استعمال اور آبادی کے قابل بنا دیا گیا ہو۔

بخش: فارسی زبان کا لفظ ہے جو اردو زبان میں بھی مستعمل ہے۔ یہ حصہ، بخرہ اور بانٹ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہ "بخشش" کا مخفف و علامتی بھی ہے جو اسم کے بعد آ کر اُسے اسم فاعل بنا دیتا ہے اور دینے والا، عطا کرنے والا اور معاف کرنے والا کے معنی دیتا ہے مثلاً شفا بخش، حیات بخش، فیض بخش، انعام بخش اور گنج بخش وغیرہ۔

## گنج بخش کب، کہاں اور کس نے کہا؟

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کو سب سے پہلے گنج بخش کب، کہاں اور کس نے کہا؟ اس کے متعلق دو روایات وہ ہیں جو ہم بزرگان خانوادہ حضرت شیخ جلال قدس سرہ العزیز سے سنتے آئے ہیں اور تیسری روایت وہ ہے جو "کشف الاسرار" کے حوالے سے بعض لوگ بیان کرتے ہیں۔

روایت اول: یہ کہ مزار و مسجد حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ جس جگہ پر واقع ہے اس کے مغربی جانب چند قدموں پر دریائے راوی بہتا تھا۔ ایک مرتبہ دریائے

وہاں سے دریا کا رخ مشرق کی طرف ہو گیا۔ مشرقی کنارے کی زمین کٹاؤ کی زد میں آ گئی اور یہ کٹاؤ مسلسل ٹیلے کی جانب بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ کٹاؤ ٹیلے کے قدموں تک آ گیا اور دریا راوی کی موجیں ٹیلے کو متاثر کرنے لگیں۔ مزار، مسجد اور [illegible] اس خطرے سے بچنے کیلئے بہت سی تدابیر کی گئیں لیکن کوئی کارگر ثابت نہ ہوئی۔

آخر کار ایک جمعۃ المبارک کو عقیدت مندان داتا ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا اجتماع ہوا۔ آستانہ عالیہ حضرت داتا ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے متولی و سجادہ نشین حضرت شیخ عنایت اللہ بن حضرت شیخ لطف اللہ [illegible] بن حضرت شیخ [illegible] رحمۃ اللہ علیہم نے مزار داتا پر حضور میں [illegible] کی کہ "یا اللہ [illegible] اپنے پیارے بندے سید علی ہجویری داتا رحمۃ اللہ کے صدقے [illegible] اس آفت سے نجات دے۔" اس کے بعد اپنے روحانی پیشوا سے عرض [illegible] "اے داتا! آپ اللہ کے ولی ہیں، اپنے تصرف سے دریا کا رخ موڑ دیں [illegible] آفت کا [illegible]۔"

اللہ تعالیٰ نے [illegible] طفیل داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ کی دعا قبول فرمائی۔ زمین کا کٹاؤ بند ہو گیا اور دریا کے بہاؤ کا رخ مغرب کی طرف پلٹ گیا۔ اس آفت کے ٹل جانے کے بعد آج تک دریا [illegible] اس ٹیلے [illegible] مسلسل مغرب کی جانب بہا رہا ہے۔ داتا حضور رحمۃ اللہ کے اس تصرف و کرامت کے بعد ایک شایان شان [illegible] منعقد ہوئی جس میں حضرت شیخ عنایت اللہ قدس سرہ نے داتا حضور رحمۃ اللہ کے مقام و مرتبہ، شان ولایت اور تصرف پر روشنی ڈالی۔ آپ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے حضور سید ہجویری رحمۃ اللہ کو اس تصرف کے حوالے سے "گنج بخش" یعنی خزانے عطا کرنے والا کہا اور پھر داتا کے ساتھ گنج بخش کا لقب بھی مشہور ہو گیا۔

[illegible] جب [illegible] رحمۃ اللہ کے مغربی جانب آبادیاں قائم ہو گئیں تو [illegible] سے [illegible] حضرت شیخ [illegible] رحمۃ اللہ کی کرامت کی نسبت سے [illegible]

جیسے بلال گنج، کمال گنج، اسلام گنج، توحید گنج، گنج کلاں اور گنج خورد وغیرہ وغیرہ۔

روایت دوم: حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ جب لاہور تشریف فرما ہوئے اور مزار گنج بخش پر اعتکاف فرمایا۔ بے پناہ باطنی فیوض و برکات کے حصول کے بعد اس لقب "گنج بخش" کو اپنے عطا کردہ دیگر القاب کے ساتھ ملا کر منظوم صورت میں بیان فرمایا اور ملتان کو روانگی کا اعلان کیا۔ جس کی وضاحت خالد... حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کے مطابق یوں ہے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ جب لاہور تشریف لائے تو وہ دس ماہ حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے آستانہ پر مقیم رہے اور آستانہ کے سجادہ نشین و متولی حضرت شیخ عنایت اللہ رحمۃ اللہ کو آپ کے میزبان ہونے کا

روایت دوم: حضرت خواجہ معین الدین چشتی ...
ہوئے اور مزار گنج بخش پر اعتکاف فرمایا ...
بعد اس لقب "گنج بخش" کو اپنے عطا ...
میں بیان فرمایا اور ملتان کو روانگی کا اعلان ...
ہندی قدس سرہ العزیز کے مطابق یوں ...
لائے تو وہ دس ماہ حضور داتا گنج بخش ...
نشین و متولی حضرت شیخ عنایت اللہ ...
اعزاز حاصل ہوا۔ حضرت میراں حسین ...
سے بھی باہم ملاقاتیں رہیں۔ قیام ...
ہندی قدس سرہ العزیز کے حجرہ و تعریف ...
اعزاز ... حضرت میراں حسین زنجانی ...
سے بھی باہم ملاقاتیں رہیں۔ قیام لاہور ...
ہندی قدس سرہ العزیز کے حجرہ و تعریف جو حضرت ...
موجود تھا میں حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ ...
اعتکاف بطور یادگار آج بھی موجود ہے ...

... الدین چشتی رحمۃ اللہ جب لاہور تشریف ...
... فرمایا۔ بے پناہ باطنی فیوض و برکات کے حصول کے
... کردہ دیگر القاب کے ساتھ ملا کر منظوم صورت
... اعلان کیا۔ جس کی وضاحت خالد... حضرت شیخ
... ہے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ جب لاہور تشریف
... رحمۃ اللہ کے آستانہ پر مقیم رہے اور آستانہ کے سجادہ
... رحمۃ اللہ کو آپ کے میزبان ہونے کا ...
... زنجانی اور حضرت عزیز الدین ... 
... لاہور کے دوران آخری چالیس دن حضرت شیخ
... حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے قدموں میں
... فرمایا ...
... کے دوران آخری چالیس دن حضرت شیخ
... حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے قدموں میں
... مزار داتا پر اعتکاف فرمایا۔ یہ مقام
... اعتکاف کے بعد حضرت خواجہ رحمۃ اللہ کی
...

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اب یہ شعر شہرہ آفاق ہے۔ اس شعر کی تشریح کا یہ موقع نہیں البتہ بندہ اس شعر میں بیان کردہ القاب اور اوصاف کا مفہوم کم از کم الفاظ میں پیش کرنے کی سعی کرتا ہے۔ گنج بخش یعنی علم، عرفان، زمین و زمان، سکون و اطمینان کا خزانہ لٹانے والا مردِ سخا ☆ فیض عالم یعنی جہاں میں محتاجوں کی مرادیں برلانے اور فیضان پہنچانے والا مردِ مشکل کشا ☆ مظہر نورِ خدا یعنی کفر کے اندھیروں اور گناہوں کی سیاہی کو نورِ ہدایت سے روشن کرنے والا مردِ پُر نور ☆ ناقصاں را پیر کامل یعنی دُنیا داروں کو رشد و ہدایت اور طالبین راہِ حق کو منزل دکھانے والا مردِ حق آگاہ ☆ کاملاں را رہنما یعنی نفوسِ قدسیہ کو درجات و مراتب کی بلندیوں کی جانب راہبری کرنے والا شہبازِ ولایت ☆ یہ خطابات والقاب حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے مقام و مرتبہ کی شان اور فیض و عطا میں کاملیت کے اعتراف میں ہیں جو خواجہ ہند رحمہ اللہ نے اپنی بصارت و بصیرت کی روشنی میں عطا فرمائے

## الہامی اشارات و ارشادات

ڈاکٹر ظہیر احمد اظہر "مجلہ معارف اولیا" شمارہ ۴ میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے روحانی اشارات اور الہامی ارشادات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"حضرت خواجہ اجمیری رحمہ اللہ جب سرزمین ہند میں وارد ہوئے تو مرشد لاہور حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور خاک پنجاب کو اپنے قدوم میمنت لزوم چومنے کا شرف بخشا۔ قدوم اُمم کے مزار مقدس کے قریب ایک حجرے (قبر شیخ حسّامی) میں چلہ کشی کیلئے فروکش ہوئے۔ یہ چلہ کشی خواجہ اجمیری رحمہ اللہ کیلئے روحانی رہنمائی کا ذریعہ بنی اور آنے والے وقتوں کیلئے مفید اقدامات القا ہوئے۔ مثلاً یہ کہ آپ نے لاہور یا دہلی کو اپنا مستقر بنانے کے بجائے اجمیر کو اپنا دارالہجرت

قرار دیا، اس میں ایک حکمت تھی جو مرشد لاہور کے مزار شریف کے قریب خواب میں سامنے آئی، خواب میں سید ہجویری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر راجپوتوں میں دعوت حق کو عام کرنا ہے تو پھر وہاں کے باشندوں کی بولی پہلے سیکھ لو یہی مرتبت داعی حق [illegible] کا یہی حکم ہے۔ ملتان، بہاولپور کے علاقے چونکہ سندھ اور راجپوتانہ کے متصل ہیں اس لئے ملتان میں ایسے معلم اور ایسی درس گاہیں میسر ہیں جہاں نہ صرف راجپوتوں کی بولی سیکھی جا سکے گی بلکہ وہاں کا جغرافیہ، تاریخ اور ثقافت بھی معلوم ہو جائے گی ایسے ہی رہنما اشارات اور الہامی ارشادات کے باعث خواجہ اجمیر رحمہ اللہ اپنا چلہ پورا کر چکے تو سید ہجویر رحمہ اللہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے گویا ہوئے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

خواجہ اجمیر رحمہ اللہ کی زبانی سید ہجویر رحمہ اللہ کی عظمت کا یہ جامع معنی خیز اور پُر مغز اعتراف تھا، اس میں "کشف المحجوب" کے مقام علم و معرفت کا بھی اعتراف ہے جو ہر ناقص و کامل کیلئے رہنمائی کا سامان ہے، ساتھ ہی صاحب کشف المحجوب کی عظمت، تمکنت اور بت کدہ ہند میں نور خدا دین اسلام کی اشاعت کی پیشین گوئی بھی ہے جو خاکِ لاہور میں ۱۹۴۰ء میں مسلمانانِ ہند کی قرارداد پاکستان کی شکل میں پوری ہوئی اور خواجہ اجمیر رحمہ اللہ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ "گنج بخش فیض عالم" میں فیوضِ حق کی اشاعت کے جو خزانے پوشیدہ ہیں ان کی تحقیق ابھی باقی ہے۔"

روایت سوئم: حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ اپنی زندگی میں "گنج بخش" مشہور تھے۔ بعض لوگ اس کی سند حضرت رحمہ اللہ سے منسوب ایک رسالہ "کشف الاسرار" سے دیتے ہیں جو یوں ہے۔

"اے علی! لوگ تجھے گنج بخش کہتے ہیں۔"

"کشف الاسرار" یہ آٹھ صفحے کا رسالہ با تحقیق و تدقیق حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے وصال کے صدیوں بعد غالباً مغلیہ دور کے

دفتر میں کسی شخص نے یہ رسالہ لکھ کر آپ سے منسوب کر دیا اور یہ ۱۸۷۰ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوا۔ ''کشف الاسرار'' پر مفصل تحقیق اگلے صفحات پر آپ کو دعوت مطالعہ دے رہی ہے۔

تحقیق کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ وردِ لاہور کے بعد زندگی میں ہی ''داتا'' کے لقب سے مشہور و معروف ہو چکے تھے لیکن ''گنج بخش'' کا لقب بعد از وصال معروف ہوا۔

بندے کے نزدیک تو حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ اس وقت سے داتا و گنج بخش اور فیضِ عالم کے منصب پر فائز ہیں جب ظاہر بین آپ کو سلوک کی ابتدائی منازل طے کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ آپ زندگی کے سفر و حضر میں اور بعد از حجاب خاکی مزارِ اقدس میں عطائے الٰہی سے اُس کی مخلوق کی حاجت روائی کرتے آ رہے ہیں۔

یاد رہے کہ فیض و عطا پر مشتمل جملہ القاب کی مستحق وہ ہستیاں ہوتی ہیں جن کا فیض و عطا فی سبیل اللہ ہو، نہ کہ ذاتی اغراض و مقاصد، لالچ و طمع، حرص و ہوس اور کسی طرح کے معاوضہ کے لیے ہو۔ خلاف حقیقت ایسے غیر معمولی القاب و خطابات سے اگر وقتی و ہنگامی طور پر خوشامدیوں کے زمرہ پر کسی زندہ یا مردہ غیر مستحق شخص کو پکارا جانے لگے تو ایسے شخص کا لوگوں کے قلوب پر نہیں تھا اور نہ ہی اذہان میں نقش ہوتا ہے۔ اس لئے وہ تمام ایسے شخصوں کے باوجود تھوڑے ہی عرصہ میں قدرتی طور پر لوگوں کے ذہنوں سے خود بخود محو ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے القابات کی اہل ہستیاں ہزار ہا برس گزرنے پر بھی اپنے اپنے القابات و خطابات سے لکھی پڑھی اور پکاری جاتی ہیں جیسا کہ انبیا علیہم السلام، اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اور دیگر نفوسِ قدسیہ۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ اور دیگر اولیائے کرام رحمہم اللہ کے القاب محض عقیدت مندانہ یا خوش اعتقادی کا اظہار نہیں اور نہ ہی یہ شرک و بدعت ہے بلکہ حقدار حضرات اسم با مسمّیٰ ہوتی ہیں۔ یہ کلام قدرت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ان

اپنا کردار نباہ رہی ہوتی ہیں۔ بالکل اُس طرح جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے اپنی اپنی ڈیوٹی نباہ رہے ہیں۔ صاحب بصیرت اللہ کے بندوں پر جب ان مقبولان بارگاہِ الٰہی کا راز منکشف ہوتا ہے یا ان سے فیض یاب ہوتے ہیں تو ان کرم گستر ہستیوں کے بارے میں حسب حال اپنے اپنے انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ بعض اوقات اس کا اظہار القاب و خطابات کی صورت میں بھی ہوتا ہے جو معنی و مفہوم میں آفاقیت و حقیقت سے لبریز ہوتے ہیں جیسا کہ متذکرہ بالا شعر سے ظاہر ہے۔

## رُوحانی نسبتیں

### جُنیدی

حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت تھے جو سلسلہ طریقت جُنیدیہ کے مشائخ کرام میں سے تھے۔ اس سلسلہ کے بانی شیخ المشائخ حضرت جُنید بغدادی رحمہ اللہ (م ۲۹۵ھ) تھے۔ اس لئے آپ کو جُنیدی کہا اور لکھا جاتا ہے۔ حضرت شیخ ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں سُکر و صحو کے بیان میں رقم فرمایا ہے کہ ”جماعت جُنیدیہ حضرت ابوالقاسم جُنید بن محمد رحمہ اللہ کی پیروکار ہے، آپ کو اپنے زمانہ میں طاؤس العلماء کہا جاتا تھا، آپ اہل معرفت کے سیّد الطائفہ اور امام الائمہ تھے، آپ کا مسلک صحو پر مبنی ہے اور تمام مسالک میں معروف ترین اور مشہور ہے۔ میرے (علی بن عثمان) تمام مشائخ جُنیدی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔“

اس اقتباس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ کشف المحجوب کی تکمیل سے قبل ہی حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کے مُرشد پاک کا وصال ہو چکا تھا۔

### حنفی

حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ فقہ میں حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کے پیروکار تھے اس لئے آپ کو حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نسبت سے حنفی کہا اور رقم کیا

جاتا ہے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ذکر خاص میں اُن کی شان میں فرمایا!

"میں علی بن عثمان جلابی ایک دفعہ شام میں موذن رسول اللہ حضرت بلال حبشی کے مزار پر محو خواب تھا، دیکھا کہ میں مکہ معظمہ (بیعت اللہ شریف) میں ہوں اور آنحضور ایک بزرگ کو اپنی آغوش میں بچے کی طرح لئے ہوئے باب شیبہ سے اندر تشریف لا رہے ہیں، میں فرط محبت سے حضور کی طرف بڑھا اور آپ کے قدم مبارک کو چوما، میں حیران تھا کہ آغوش میں یہ بزرگ کون ہیں اور یہ کیا صورت ہے؟ حضور معجزانہ شان سے میرے دل کی کیفیت جان گئے اور فرمایا! یہ تمہارا امام ہے اور تیرے ہی علاقے کا رہنے والا ہے (اُن دنوں سید علی ہجویری ملک شام میں مقیم تھے) مجھے اپنے علاقے کے اعزاز پر بڑی خوشی ہوئی اور خواب سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ اُن لوگوں میں سے تھے جو اپنے طبعی اوصاف سے فانی اور احکام شرع کے اعتبار سے باقی اور قائم ہوتے ہیں، اسی لئے حضور آپ کو اٹھا کر لائے، اگر وہ خود چل کر آتے تو باقی الصفۃ ہوتے، باقی الصفۃ کبھی حصول مقصود تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی نہیں، چونکہ آپ کو اُٹھا کر لانے والے حضور ہیں اور حضور صفت بقا کے ساتھ قائم ہیں، اس لئے جس طرح حضور خطا سے پاک ہیں، اسی طرح اُن سے بھی خطا سرزد نہیں ہو سکتی جو کہ حضور کی صفت کے ساتھ قائم ہوں، یہ ایک باریک نقطہ ہے۔"

اس خواب سے ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ زیارت کعبہ سے مشرف ہو چکے تھے۔ خواب اس طرح بیان فرمایا ہے جیسے خانہ کعبہ اور اس کے ارد گرد عمارت کا بغور مشاہدہ کر چکے ہوں۔ باب شیبہ کی نشان دہی اس بات کی وضاحت بخوبی ہوتی ہے کہ آپ حج کی ادائیگی کیلئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے اور کچھ وقت وہاں گزارا۔ غالباً حضرت شیخ ختلی قدس سرہ

العزیز کی روایات میں یہ بات شامل ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ لاہور تشریف لانے سے قبل حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔

## شجرۂ نسب

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کا شجرہ نسب مبارک خانوادہ حضرت شیخ جندی قدس سرہ العزیز کی روایت کے مطابق درج ذیل ہے۔ اکثر محققین اور تذکرہ نگاروں نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

"حضرت سید علی ہجویریؒ بن حضرت سید عثمانؒ بن حضرت سید علیؒ بن حضرت سید عبد الرحمٰنؒ بن حضرت سید عبد اللہؒ (شاہ شجاع) بن حضرت سید ابو الحسن علیؒ بن حضرت سید حسنؒ (اصغر) بن حضرت سید زید رحمہم اللہ بن حضرت سید حسنؓ بن حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ۔

## شجرۂ نسب منظوم

شکر پر بھی شکر ہے ہر دم خدا کے واسطے ۔۔۔ دم بدم شاکر رہو ہر دم خدا کے واسطے
دو جہاں میں تو ہی تو ہے لا الٰہ کچھ نہیں ۔۔۔ بھید الا اللہ سمجھو نور خدا کے واسطے
یہ نماز و روزہ ساری بندگی سجدہ سجود ۔۔۔ کفر ہے ہرگز نہ کر تو جو خدا کے واسطے
بعد ہر بندگی کے پڑھ درود و نعت تو ۔۔۔ فرض ہے یہ فرض پڑھ خیر الوریٰ کے واسطے
دیکھیے قرآن میں خدا نے فرمایا جا بجا ۔۔۔ کس قدر رتبہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے
خدا کے یار کے جو یار ہیں اُن پر سلام ۔۔۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ با صفا کے واسطے
محبت دل میں رکھ اُن کی جو ہیں اولیاء ۔۔۔ پیر و مُرشد علی ہجویریؒ ہادی خدا کے واسطے
معتمد شجرۂ نسب داتا ہجویری کا اب سنو ۔۔۔ جان و دل سے تم پڑھو ہر جز کے واسطے
یاالٰہی دو جہاں کی کر مجھے قوت عطا ۔۔۔ حیدر کرار علیؓ شیر خدا کے واسطے
یاالٰہی دم بدم قربان ہو میرا جان و دل ۔۔۔ اُس حسنؓ خستہ جگر صاحب لوا کے واسطے
یاالٰہی دو جہاں میں شاد اور آباد رکھ ۔۔۔ سید زیدؓ حلم اہل بلا کے واسطے

یاالٰہی کفر و شرک و غیرہ سے دل پاک کر
اُس حسین اصغرؒ سراسر باصفا کے واسطے

یاالٰہی فرض و سنت پر مجھے تو قائم رکھ
ابو الحسن پیارے علیؒ رہنما کے واسطے

یاالٰہی دے توفیق عشق احمد ﷺ کی مجھے
اُس شاہ شجاع یوسف لقا کے واسطے

یاالٰہی ذاتِ واحد کا مجھے تو عبد رکھ
عبد الرحمٰنؒ باصفا و باوفا کے واسطے

یاالٰہی تقویٰ کی نعمت سے دل معمور کر
بادشاہ سید علیؒ ہر دوسرا کے واسطے

یاالٰہی کر نہ تو محتاج مجھ کو غیر کا
زیر دامن اپنے رکھ عثمانؒ حیا کے واسطے

یاالٰہی تو خدائے دو جہاں کا گنج بخشؒ
گنج بخشؒ مخدوم علیؒ صاحب سخا کے واسطے

یاالٰہی کر عطا مجھ کو غلامی اپنے دربار کی
مُرید روشن شیخِ ہندیؒ با خدا کے واسطے

یاالٰہی اب مصنف کو تو وہ انعام بخش
شمسؔ کی خواہش جو ہے داتا خدا کے واسطے

## شجرۂ طریقت

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ طریقت میں مسلک جنیدیہ کے متبع تھے۔ آپ کا شجرۂ طریقت دس واسطوں سے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ تک پہنچتا ہے۔

حضرت سید علی ہجویری کی بیعت وخلافت شیخ ابو الفضل محمد بن حسن ختلی سے، آپ کی شیخ ابو الحسن علی ابراہیم حصری سے آپ کی شیخ ابو بکر بن دُلف بن حجد ر شبلی سے، آپ کی شیخ ابو القاسم جنید بن محمد الجنید القواریری بغدادی (م ۲۹۵ھ) سے، آپ کی شیخ ابو الحسن سری بن مغلس سقطی (م ۲۵۳ھ) سے، آپ کی شیخ ابو محفوظ معروف فیروز الکرخی (م ۲۰۰ھ) سے، آپ کی شیخ ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی (م ۱۶۵ھ) سے، آپ کی شیخ حبیب عجمی (م ۱۵۶ھ) سے، آپ کی شیخ ابو علی الحسن بن ابی الحسین البصری (م ۱۱۰ھ) سے، آپ کی شیخ المشائخ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور آپ کی بیعت وخلافت خواجہ کون ومکان، سید الرسل حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے تھی۔

### شجرۂ طریقت منظوم

طے کیا ہجویر سے لاہور کا مشکل سفر
آپ کو مقصود تھی رب کی رضا یا گنج بخش

ہو رقم کس سے تمہارا مرتبہ یا گنج بخش
ہیں ثنا خواں آپ کے شاہ و گدا یا گنج بخش

بحرِ غم میں ہوتی ہے زیر و زبر کشتی میری
لو خبر بہرِ محمد مصطفےٰ یا گنج بخش

مہرباں ہو کر ہماری مشکلیں آساں کرو
صدقہ حضرت علی امر تضےٰ یا گنج بخش

از پئے خواجہ حسن بصریؒ مجھے ہونے نہ دو
پھندۂ حرص و ہوا میں مبتلا یا گنج بخش

از برائے طاعت حضرت حبیب عجمیؒ کرو
نورِ ایماں سے منور دل میرا یا گنج بخش

حضرت داود طائیؒ پیر کامل کی طفیل
کیجئے حاجتیں سب کی روا یا گنج بخش

از پئے معروف کرخیؒ خواب میں آ کر مجھے
چہرۂ پُر انور دکھا دو دلربا یا گنج بخش

از برائے سری سقطیؒ رہے لب پر میرے
اسمِ اعظم آپ کا جاں دل صدا یا گنج بخش

از پئے الطاف و تکریم و فیوضاتِ جنیدؒ
ہو ہمارے حال پر نظرِ عطا یا گنج بخش

از برائے حضرت ابو بکر شبلیؒ سرکار نامدار
ہو ہمارے دل کا حاصل مدعا یا گنج بخش

از پئے حضرت علی حصریؒ مجھے کر دو رہا
ہوں گرفتارِ غم و رنج و بلا یا گنج بخش

از برائے حضرت ابو الفضل ختلیؒ جلوہ نما
ہر گھڑی دل میں تصور آپ کا یا گنج بخش

یا علی مخدوم ہجویریؒ برائے ذاتِ خویش
غیر کا ہونے نہ دو مجھ کو گدا یا گنج بخش

شیخ ہندیؒ پر پڑی لطف و کرم کی جب نظر
کر دیا قطرے سے دریا آپ نے یا گنج بخش

حضرت خواجہ معین الدینؒ فرید الدینؒ کو
گنجِ عرفاں آپ کے در سے ملا یا گنج بخش

اس بشر کے ہو گئے فوراً سبھی مطلب روا
صدق دل سے جس نے پڑھا یا گنج بخش

آپ کے دربار عالی میں کیا جس نے سوال
آپ نے بخشا اسے گنجِ بے بہا یا گنج بخش

کس کے در پر ظہور الدین کرے جا کر سوال
آپ کے دربار عالی کے سوا یا گنج بخش

☆☆☆

دوسرا باب

# ولادت و وصال

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ غزنی کے خانوادہ سادات جو علم و عرفاں کے سبب معروف و محترم تھا کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی ولادت ۴۰۰ھ میں اس وقت کے عروس البلاد غزنی کی ایک آبادی جلاب میں ہوئی۔

## تحقیق سن ولادت

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے سال ولادت کے بارے میں آرا مختلف ہیں۔ خانوادہ حضرت شیخ ہندی کی روایت کے مطابق آپ رحمہ اللہ ۹ محرم الحرام ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ جن تذکرہ نگاروں نے سال ولادت ۴۰۰ھ قرار دیا ہے درج ذیل ہیں۔

محمد دین فوق "داتا گنج بخش"۔ صباح الدین عبدالرحمن "بزم صوفیہ"۔ بشر احمد سعدی "داتا گنج بخش سوانح حیات"۔ شیخ محمد اکرم "آب کوثر" غلام جیلانی مخدوم "سیرت گنج بخش"۔ مورخ لاہور محمد دین کلیم قادری "مدینۃ الاولیاء"۔ محمد مسعود کھدر پوش "گنج بخش"۔ عالم فقری "تذکرہ صوفیاء"۔ اعجاز الحق قدوسی "اقبال کے محبوب صوفیاء"۔ پیر محمد کرم شاہ "مقدمہ بر اردو ترجمہ کشف المحجوب"۔ شمس بریلوی "دیباچہ بر اردو ترجمہ کشف المحجوب"۔ واحد بخش سیال چشتی "شرح کشف المحجوب"۔ محمد شریف صابر "جانکاری بر پنجابی ترجمہ کشف المحجوب"۔ محمد نصیب "صاحب وقت"۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی "انوار الاولیاء"۔ محمد منیر قریشی "پیر کامل"۔ سلیم حسن مرزا "حضرت داتا گنج بخش"۔ پروفیسر محمد طفیل سالک "داتا گنج بخش"۔ پروفیسر غلام سرور رانا "حضرت داتا گنج بخش"۔ خالد محمود "داتا گنج بخش اور ان کا عہد"۔ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی "لاہور میں اسلام کے سفیر"۔ علامہ ضیاء اللہ قادری "حکایات اولیاء"۔ اے جی عکندر شیخ "مقام فقر حضرت

داتا گنج بخش''۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم شاہ'' مقالہ علی ہجویری اور علامہ اقبال مجلہ معارف اولیاء'' سعیدہ وحید'' سوانح حیات حضرت علی ہجویری'' سید محمود احمد رضوی 'مجلہ [illegible] رضوان داتا گنج بخش نمبر اکتوبر ۱۹۵۲ء''۔ ابو العاصم حماد ہجویری قادری'' حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش / تذکرہ سرتاج اولیاءؒ''۔

☆ ''آپ کی ولادت ۴۰۰ھ / ۱۰۱۰ء میں ہوئی۔''

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۹ ص ۹۱ جامعہ پنجاب لاہور)

☆ ''آپ ۴۰۰ھ کے نواح یعنی پانچویں صدی کے عین آغاز میں پیدا ہوئے۔''

سید ہاشمی فرید آبادی (تاریخ لاہور ص ۱۹)

☆ ''حضرت کا سال ولادت ۴۰۰ھ کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے''

حضرت حکیم محمد موسیٰ (دیباچہ کشف المحجوب ص ۱۲)

☆ ''یہ کہا جا سکتا ہے کہ داتا صاحب ۴۰۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہوں گے''

خالد محمود (داتا گنج بخش اور ان کا عہد)

☆ اس کے علاوہ دیگر سینکڑوں اہل قلم سن ولادت ۴۰۰ھ پر متفق ہیں۔

چند ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی اختلافی رائے ظاہر کی ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

''آپ کی پیدائش دسویں صدی عیسوی کے آخر یا گیارھویں صدی کے ابتدائی عشرے میں ہوئی۔''

☆ رینالڈ اے نکلسن (انگریزی ترجمہ کشف المحجوب ص ۱۱ دیباچہ)

☆ ''شیخ علی ہجویری جو داتا گنج بخش کے نام سے زیادہ مشہور ہیں وہ ۱۰۰۹ء کے قریب پیدا ہوئے۔'' ''آپکی ولادت پانچویں صدی کے شروع میں ہوئی ہوگی۔''

ڈاکٹر محمد شفیع مولوی (مقالات دینی و علمی جلد اول ص ۲۲۳)

☆ ''بعض لوگوں نے انکا سال پیدائش ۴۰۰ھ لکھا ہے لیکن یہ یقینی نہیں کہا جا سکتا''

(ڈاکٹر محسن الحق (علامہ زین العابدین) تاریخ ص ۲۱)

☆ ''آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول ۳۷۳ھ میں ہوئی۔''

حافظ عبداللہ فاروقی، مصباالحق صدیقی

(حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش (انگریزی) ص ۱/ ۱۳۸)

☆ ''اندازاً آپکا زمانہ ولادت ۳۸۱ھ تا ۴۰۱ھ کے درمیان متعین کیا جا سکتا ہے''

مولانا محمد متین ہاشمی (سید ہجویر ص ۱۳۰)

## تحقیق سنِ وصال

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کا وصال مبارک خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی روایت کے مطابق ۹ محرم الحرام ۴۶۵ھ بعد از نمازِ ظہر ہوا، نمازِ عصر سے قبل آپ کے جسم اطہر کو حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، تکفین فرمائی اور نماز مغرب کے بعد نمازِ جنازہ پڑھا کر آپ ہی کے حُجرہ شریف میں دفن فرمایا۔ حضرت کے مزار مبارک پر نصب سنگ مرمر کی تختی پر بھی تاریخِ وصال ۴۶۵ھ کندہ ہے۔ اس سن وصال پر جمہور کا اتفاق ہے۔ عُرس مبارک چالیس دن بعد ۱۹ صفر کو ہر سال ہوتا ہے۔

جن محققین اور تذکرہ نگار حضرات نے سن وصال ۴۶۵ھ سے اتفاق کیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ مولانا جامی لاہوری قطعہ تاریخ ۴۶۵ھ نظم کیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے ''مآثر الکرام میں''۔ گنیش داس وڈیرا نے ''چار باغ پنجاب''۔ سامی بیگ نے ''قاموس الاعلام''۔ صباح الدین عبدالرحمٰن نے ''بزمِ صوفیہ''۔ امام بخش نے ''حدیقۃ الاسرار فی اخبارالابرار''۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے ''تاریخ مخزن پنجاب / خزینۃ الاصفیا''۔ محمد دین فوق نے ''سوانح عمری حضرت داتا گنج بخش''۔ نور احمد چشتی نے ''تحقیقات چشتی''۔ شمس العلماء سیّد محمد لطیف نے ''تاریخ لاہور''۔ رائے بہادر کنہیا لال نے ''تاریخ لاہور''۔ شمس العلماء مولوی سید احمد دہلوی نے ''فرہنگ آصفیہ''۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے ''تصوف اسلام''۔ اسماعیل پاشا بغدادی نے ''اسماء المصنفین''۔

ملک الشعرا بہار نے ''سبک شناسی'' میں۔ رحمان علی نے ''تذکرہ علمائے ہند''۔ شیخ حامد کشمیری نے ''شرح نفحات الانس''۔ ہدایت حسین نے ''دائرۃ المعارف''۔ فقیہ محمد جہلمی نے ''حدائق الحنفیہ''۔ سید عبدالحئی حسنی نے ''نزہۃ الخواطر''۔ شیخ محمد اکرام نے ''آبِ کوثر'' میں۔ پیر غلام دستگیر نامی نے ''بزرگانِ لاہور''۔ مورخ لاہور میاں محمد دین کلیم قادری نے ''مدینۃ الاولیاء''۔ سید محمد متین ہاشمی نے ''سید ہجویر''۔ پیر محمد کرم شاہ نے مقدمہ اُردو ترجمہ کشف المحجوب''۔ میاں طفیل محمد نے ''حالات زندگی ... اردو ترجمہ کشف المحجوب''۔ مولانا شمس بریلوی نے ''دیباچہ اُردو ترجمہ کشف المحجوب''۔ سید رئیس احمد جعفری ندوی نے ''انوار الاولیاء''۔ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی نے ''لاہور میں اسلام کے سفیر''۔ محمد شریف صابر نے ''پنجابی ترجمہ کشف المحجوب''۔ اعجاز الحق قدوسی نے ''اقبال کے محبوب صوفیاء''۔ علامہ محمود احمد رضوی نے ''تذکرہ مخدوم علی ہجویری''۔ ابوالعاصم حماد نے ''حیات وتعلیمات حضرت داتا گنج بخش / تذکرہ سرتاج اولیاء'' میں اور نواز رومانی نے ''بزرگ'' میں، ڈاکٹر طاہر رضا بُخاری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے ''مجلہ معارفِ اولیاء'' شمارہ ۴ میں آپ کا سن وصال ۴۶۵ء ھ لکھا ہے۔

ندوی نے ''انوار الاولیاء''۔ ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی نے ''لاہور میں اسلام کے سفیر''۔ محمد شریف صابر نے ''پنجابی ترجمہ کشف المحجوب''۔ اعجاز الحق قدوسی نے ''اقبال کے محبوب صوفیاء''۔ علامہ محمود احمد رضوی نے ''تذکرہ مخدوم علی ہجویری''۔ ابوالعاصم حماد نے ''حیات وتعلیمات حضرت داتا گنج بخش / تذکرہ سرتاج اولیاء'' میں اور نواز رومانی نے ''بزرگ'' میں، ڈاکٹر طاہر رضا بُخاری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی نے ''مجلہ معارفِ اولیاء'' شمارہ ۴ میں آپ کا سن وصال ۴۶۵ء ھ لکھا ہے۔

دارا شکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں ۴۵۶ھ اور ۴۶۴ھ۔ لعل بیگ لعلی نے ''ثمرات القدس'' میں ۴۵۶ھ۔ ڈاکٹر قاسم غنی نے ''تاریخ تصوف در اسلام جلد دوم'' میں ۴۷۰ھ اور نکلسن نے ''دیباچہ کشف المحجوب انگریزی ترجمہ'' میں ۴۶۵ھ یا ۴۶۹ھ کو سال وفات قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع نے مقالات دینی و علمی میں کشف المحجوب

حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے اپنے تحقیقی دیباچہ کشف المحجوب میں رقم فرمایا ہے

کہ حضرت کا وصال ۴۵۶ھ یا ۴۸۱ھ سے ۵۰۰ھ کے درمیان

قیاس غالب ہے، ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ قرین صحت سمجھا جا سکتا ہے۔"

کشف المحجوب کے چند مختلف ایڈیشنوں کی درج بالا شہادت کی بنیاد پر حتمی رائے قائم کرنا مناسب نہیں۔ ایسی بات اس وقت حق الیقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے جب صاحب کتاب کے اپنے ہاتھ کا لکھا قلمی نسخہ میسر ہو۔ کاتبوں کے حک و اضافہ کی بنیاد پر تحقیقی رائے کو حتمی قرار دینا اور اس پر اصرار کرنا باعث حیرت ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کے سال ولادت اور وصال میں اختلاف کے باوجود یہ بات یقینی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ کا دور پانچویں صدی ہجری پر محیط ہے۔

☆☆☆

ارشاد گنج بخش رحمہ اللہ

"جو لوگ دنیاوی عزت و شہرت اور جاہ و منصب کی خاطر علم حاصل کرتے ہیں۔ اور انہیں نفس علم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہ لوگ یقیناً علم سے بے بہرہ اور جاہل ہیں۔ درحقیقت ایسے لوگ عالم کہلانے کے مستحق ہی نہیں اس لئے کہ جاہ و منصب کی خواہش و طلب جہالت کی باتیں ہیں۔ علم سے بلند تر درجہ و مرتبہ اور کوئی ہے ہی نہیں علم وہ نعمت ہے جس کے ذریعے انسان بلند مقام تک پہنچتا ہے۔ جو لوگ علم کے ظاہری مرتبے سے ناواقف ہیں بھلا وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے اسرار کو کیسے جان سکیں گے"۔

☆☆☆

## تیسرا باب

# تحقیق مزار گنج بخش

اللہ کی کائنات میں ارضِ خاکی پر گمراہ اور تاریک راستوں پر کھڑے انسانوں کو راہِ نجات دکھانے، گناہوں کے سمندر میں چلتی کشتیوں اور غیر یقینی سے دلدل میں دھنسی زندگیوں کو نکالنے، نیک و صالح لوگوں کو اللہ ﷻ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی جانب راغب اور رہنمائی کرنے کیلئے نفوسِ قدسیہ کا ایک طائفہ ہمیشہ اللہ ﷻ کے اشارے کا منتظر پھرتا ہے، خواہشات و مکروہات کے اس جہاں کی گلیوں میں یہ طائفہ اپنے قلوب کو غیر اللہ سے خالی اور ذکرِ الٰہی سے آراستہ رکھتا ہے۔ اللہ ﷻ کے یہ دوست اپنی خواہشوں اور چاہتوں کو مٹا کر صرف اللہ ﷻ کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ ﷻ اُن کو بطورِ انعام اپنا نمائندہ مقرر کر دیتا ہے۔ اللہ ﷻ اپنے ان بندوں کے ذریعے سُنتا، بولتا، پکڑتا اور عطا کرتا ہے۔ یہ اولیائے اللہ ازل سے موجود ہیں اور ابد تک رہیں گے۔

یہی وہ بوریا نشیں صاحبانِ فیض و عطا ہیں جن کے در پر کیا بڑے بڑے شہنشاہ گداگر بنے پھرتے ہیں اور عوام و خواص کیا امراء سے اپنی اپنی جھولیاں بھرتے نظر آتے ہیں۔ یہ گلِ توحید کی مہک ہیں یہ روشنی کے مینار ہیں جس سے چمنستانِ دہر کی روشیں مہکتی اور جگمگاتی ہیں۔ روتوں کو ہنسانا اور بلکتوں کو ابدی مسرتوں سے ہمکنار کرنے کی سعادت انہی کو نصیب ہے۔ ان کی آفاقی نگاہوں سے ظاہر بیں کی بے نور آنکھیں بار بار ٹکراتی ہیں۔ ان کے بے داغ دامنوں پر دنیا پرستوں نے اپنے گناہوں کی کالک تھوپنے کی بار بار کوشش کی مگر ان جلیل القدر ہستیوں کے تقدس کو داغدار نہ کر

سکے، ان مردانِ حقیقت کے نوشوں کے سہرے نوچنے کی بارہا جسارت کی گئی مگر یہ زخصتی سے پہلے اور زخصتی کے بعد بھی دُلہا بنے خلق کی بارات میں عقیدتوں کے نذرانے وصول کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ یہ اعلیٰ و ارفع ہستیاں ایسا بلند و بالا رُتبہ کیوں نہ پاتیں کہ آخر دوستی کس ذات سے لگائی ہے۔ خالق ارض و سماں نے مکانِ دُنیا میں خود بخشش اپنے حبیب ﷺ کے نام مکتوب وضابطہ کائنات ﷺ ارسال فرمایا، جس میں جا بجا اپنے محبوب بندوں کے نام سلام و پیام بھیجے، رسوخ علم کی تاج پوشیاں انہی کو ارزانی فرمائیں، انہیں اپنے راز کا محرم اور ناز کا حریم بنایا، کثرتوں کے جھمیلوں میں بھی انہیں اپنی واحدت کا پھول سنگھایا، ان کے دلوں کو اپنے خرام حسن کی گزرگاہ بنایا، ایسی سعادت و سیادت کے حامل انسانوں میں ایک فاتح قلوب ہستی حضرت سیّد علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمہ اللہ کی ہے۔

بادشاہوں کی تاریخ لکھنے والے اکثر مال و زر اور جاہ و منصب کے غلام مورخین اور شعراء نے اپنے اپنے زمانے کے بادشاہوں کی تعریف و توصیف میں تو دفتر کے دفتر رقم کئے لیکن گدڑی پوش بوریا نشین صاحبانِ وقت، حقیقی بادشاہوں میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی اور نہ ہی نفوسِ قدسیہ کی عظمت و شان اور مقام و مرتبہ کو شایان شان بیان کرنے کیلئے اپنے قلموں کو زحمت دی۔ شاید ان کی چشم بصیرت پر دُنیاوی منفعت کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی کاوشوں کے باوجود آج تاج و تخت کے بادشاہوں کے مقبروں کی ویرانی پہ ویرانے بھی ماتم کناں ہیں اور اس کے برعکس اولیائے کرام کے مزارات پر ہر دور اور ہر حالت میں عوام و خواص اور شاہ و گدا کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ تلاوت کلام پاک اور فاتحہ خوانی چوبیس گھنٹے جاری رہتی ہے، ملاقات کی حاضری بھی جاری رہتی ہے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کی تصنیف کشف المحجوب کا ورق ورق یہ بتا رہا ہے کہ صاحب کشف المحجوب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر

کامزن وہ مسافر تھے جن کے قول و عمل اور طریقت میں شریعت کی خوشبو رچی بسی تھی۔ آپ کا لمحہ لمحہ حصول علم اور فروغ علم میں گزرا۔ رسم و رواج سے بے نیاز سادہ زندگی بسر کی، کفرستان ہند میں تبلیغ اسلام کا وہ کارنامہ سرانجام دیا جسے تاج و تخت کے مالک شہنشاہوں کی قوت و ہیبت اور شمشیر و سناں بھی انجام نہ دے سکی۔ چونکہ جبر سے محض تن بدن پر قابو پایا جا سکتا ہے اس لئے صوفی کامل حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ نے اپنے اسلامی کردار و اخلاق سے لوگوں کے دل مسخر کئے اور تن بدن کے ساتھ ساتھ ان کے اذہان و قلوب پر بھی اسلام کی مہر لگا دی۔ گویا کہ حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تب سے اب تک اس برصغیر میں آباد مسلمانوں کے حقیقی سلطان اور قطب ہوئے۔ آپ کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے۔ فیض یافتگان گنج بخش رحمۃ اللہ کا شمار کسی حد و حساب میں نہیں۔ قدیم شہر لاہور جسے داتا کی نگری بھی کہتے ہیں کے جنوب مغربی سمت، بھاٹی دروازہ کے باہر آپ کا مزار اقدس صدیوں سے مرجع خلائق ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ زندگی کے آخری تین عشرے لاہور ہی میں مقیم رہے، سوائے چند روز کے جب آپ اپنے مرشد کی علالت کی خبر پا کر بیت الجن تشریف لے گئے۔ جہاں مرشد کی زندگی کے آخری ایام میں ان کی وفات تک بیت الجن میں گزارے۔ حضرت داتا گنج بخش نے لاہور میں اپنے حجرے میں وفات پائی جہاں آپ کا مزار پرانوار مرجع خلائق ہے۔

## کیا تربت گنج بخش تہ خانہ میں ہے؟

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کی حقیقی قبر موجودہ مزار شریف کے نیچے تہ خانہ میں ہے۔ یہ بات یہ قیاس قطعاً غلط نادرست اور خلاف حقیقت ہے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے شہر کے جنوب مغرب میں دریائے راوی کے شرقی کنارے ایک ٹیلہ پر حجرہ بنا کر مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ آپ کا وصال ۹ محرم ۴۶۵ھ کو ہوا۔ غسل میت نماز جنازہ کی

ادائیگی، تجہیز و تکفین اور تدفین کے مراحل آپ رحمہ اللہ کے شاگرد، مرید و خلیفہ حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی قدس سرہ العزیز (راقم کے جد اعلیٰ) نے اپنے دست مبارک سے انجام دیئے، حجرہ شریف کے اندر چوکور چبوترہ اور اُس پر تعویز پختہ بنایا۔ بعد ازاں سلطان ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی نے قدیم حُجرہ گرا کر چبوترہ کو وسیع کیا اور اس پر چار دیواری اور لکڑی کی چھت بنوائی۔

اکبر بادشاہ کے عہد میں چوکور چبوترے کو ہشت پہلو مقبرہ کی صورت دی گئی، ہر پہلو کی چوڑائی آٹھ فٹ رکھی گئی اور ہر پہلو میں ایک چوکھٹ بنائی گئی۔ بعد ازاں مزار گنج بخش رحمہ اللہ کا چار دیواری سے احاطہ وسیع کر لیا گیا۔ اس احاطہ کے اندرون اور بیرون چاروں اطراف میں حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمہ اللہ، ان کے خانوادہ کے افراد اور دیگر خاص خاص عقیدتمندان گنج بخش رحمہ اللہ کی تدفین ۱۹۶۰ء تک جاری رہی۔

خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز اپنے رُوحانی پیشوا حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی وفات سے لے کر آج تک مزار شریف کی تعمیر و توسیع، تغیر و تبدل اور حقائق کا پشت در پشت امین چلا آ رہا ہے۔ اس خانوادہ کی روایت کے مطابق، حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا مرقد منورہ تہ خانہ یا کسی دوسرے مقام پر موجود نہیں موجودہ تربت، مزار حقیقی ہے۔ غلام گردش کے فرش سے ہشت پہلو چبوترہ کی اونچائی دو فٹ چار انچ اور اس پر چھوٹے مستطیل چبوترے کی بلندی ایک فٹ تین انچ ہے جس پر تعویز قبر موجود ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ لحد سے تعویز تک کوئی خلاء موجود نہیں ہے۔

تحقیقات چشتی: نور احمد چشتی نے ۱۸۶۴ء میں اپنی کتاب "تحقیقات چشتی" کے صفحہ ۲۶۵، ۲۶۶ پر مزار شریف حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے بارے میں اپنی تحقیق یوں بیان کی ہے کہ

''مزار گوہر بار حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ چبوترہ سنگ مرمر سفید پر واقع ہے۔ مزار کے ۱۰ در ہیں۔ ایک چبوترہ ۲ فٹ اونچا اور اس پر دوسرا ایک فٹ بلند جس پر تعویذ ہے۔ بڑے چبوترے پر دو اور چھوٹے چھوٹے مزار حضرت ابوسعید ہجویری اور احمد حماد سرخسی واقع ہیں۔''

محکمہ اوقاف کا ریکارڈ: حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کا مزار شریف اور اس کا انتظام ۱۱ جنوری ۱۹۶۰ء سے محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ ان تینتالیس سالوں میں گنبد، ہشت پہلو آستانہ اور غلام گردش کے علاوہ مزار پاک کے چاروں اطراف کی تمام قدیم عمارات کی جگہ نئی عمارات بنائی گئی ہے۔ اس تعمیر و توسیع اور تجدید کے مراحل سے گزرنے والے افراد اور محکمہ اوقاف کا ریکارڈ اس بات کا گواہ ہے کہ قدیم عمارات یا احاطہ دربار کے کسی حصے میں کوئی غار، تہ خانہ، زمین دوز راستہ یا کوئی دوسری قبر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ دریافت نہ ہوئی ہے۔ البتہ خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کے بزرگوں کی قبور ضرور ملی جنہیں بادل نخواستہ دوسری جگہ دفن کر دیا گیا۔

تاج و تخت کے محتاج بادشاہوں کی طرح حقیقی بادشاہ صوفیائے کرام قطعاً پسند نہیں کرتے کہ ان کی حقیقی قبر کے علاوہ کوئی دوسری نمائشی قبر ہو۔ اگر کہیں ایسا ہے تو یہ کسی مجبوری یا خصوصی وجوہات کی بنا پر ہے۔ قدیم و جدید تاریخ نویسوں، تذکرہ نگاروں اور محققین میں سے کسی نے آج تک اس بات کی نشان دہی یا تائید و تصدیق نہ کی ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کی لحد مبارک زمین دوز تہ خانے میں یا کہیں اور واقع ہے۔

راقم کے نزدیک یہ غلط فہمی اس وقت پیدا ہوئی جب عمارات بننے سے پہلے کا وجود غیر واضح ہوا۔ تربت شریف کے گرد مغربی جانب جامع مسجد ہجویری تھی اور مشرقی، شمالی و جنوبی تینوں اطراف میں دالان نما عمارات نے احاطہ کیا ہوا تھا جن کے در مزار مبارک کی جانب تھے۔ ان دالانوں کے پیچھے سر بام حجرے تھے جن کے در احاطہ مزار سے باہر کھلتے تھے اور ان کی عقبی دیواریں نیچے کی ڈھلوانوں پر تھیں اور اکثر

[illegible] کی سطح پر قلم کے اعتراف خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز
کے [illegible] سلسلہ میں زیادہ تر درگاہ شریف کے درویش
[illegible] رہائش پذیر تھے۔ اتفاق سے بعض زائرین عقیدت مندوں کو وقتاً فوقتاً ان
[illegible] داخل ہونے کا موقع ملا ان میں سے کچھ لوگ اپنی کم فہمی اور ناواقفیت کی
[illegible] کسی ایک قبر کی زیارت کرنے پر غلط فہمی کا شکار ہونے یا کسی
[illegible] کی خاطر جھوٹ بول کر شکار بنا لیا اور یہ لوگ بلا تحقیق سمجھ
بیٹھے کہ یہ تربت حضرت داتا گنج بخش [illegible] کی ہے۔ اس قیاس اور غلط فہمی کو پھیلانے
میں [illegible] لوگوں کا [illegible] سکتا ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ جب لاہور تشریف لائے تو اس کی حالت کیا
تھی، جس جگہ پر آپ نے سکونت اختیار کی وہ کہاں واقع تھا اور اُس کا محل وقوع کیا
تھا اور بیت الاولیٰ کہاں بنتا تھا، اس کے متعلق خانوادہ حضرت شیخ ہندی کی روایت
کے مطابق نکات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆

ارشاد گنج بخش رحمہ اللہ

"راہِ حق میں خود پسندی، غرور اور تکبر سے بڑھ کر کوئی حجاب،
آفت اور مشکل مقام نہیں ہے۔ غرور تکبر دو چیزوں سے پیدا ہوتا
ہے۔ مخلوق میں جاہ و مرتبہ اور ان کی طرف سے مدح و ستائش
سے چونکہ انسان جب اپنے کسی کردار کو لوگوں میں پسندیدہ دیکھتا
ہے تو خود کو [illegible] سمجھتا اور خود ستائی کا شکار ہو کر غرور و تکبر میں

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ جب لاہور تشریف لائے
تھی، جس جگہ پر آپ نے سکونت اختیار کی وہ کہاں واقع تھا اور اُس کا محل وقوع کیا
تھا اور بیت الاولیٰ کہاں بنتا تھا، اس کے متعلق خانوادہ حضرت شیخ ہندی کی روایت
کے مطابق نکات اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔
☆☆☆
ارشاد گنج بخش رحمہ اللہ
"راہِ حق میں خود پسندی، غرور اور تکبر سے بڑھ کر کوئی حجاب،

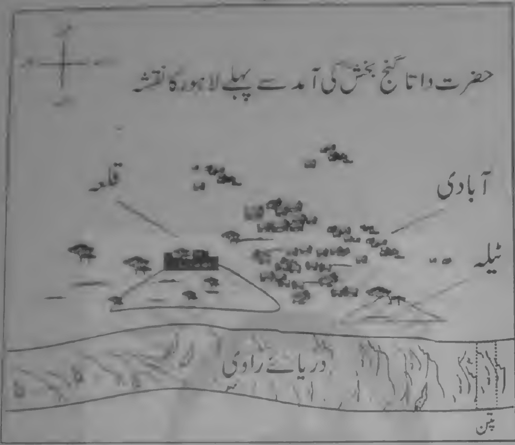
حضرت داتا گنج بخش کی آمد سے پہلے لاہور کا نقشہ
قلعہ
آبادی
ٹیلہ
دریائے راوی

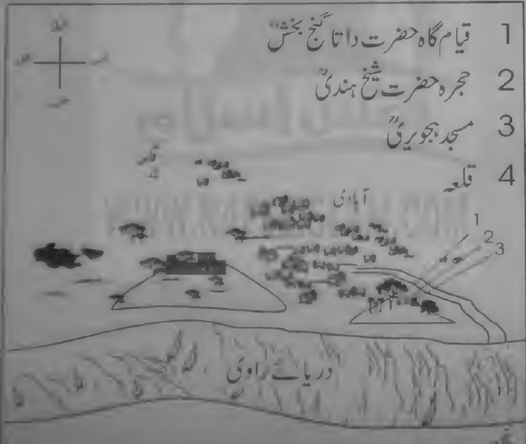
1 قیام گاہ حضرت داتا گنج بخشؒ
2 حجرہ حضرت شیخ ہندیؒ
3 مسجد ہجویریؒ
4 قلعہ
آبادی
1
2
3
دریائے راوی

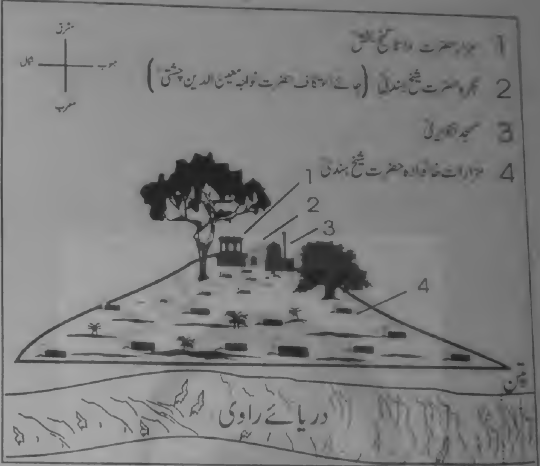
مشرق
شمال
جنوب
مغرب
1 مزار حضرت داتا گنج بخش
2 حجرہ حضرت شیخ ہندی (جائے اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتی)
3 مسجد قدیمی
4 مزارات خانوادہ حضرت شیخ ہندی
دریائے راوی

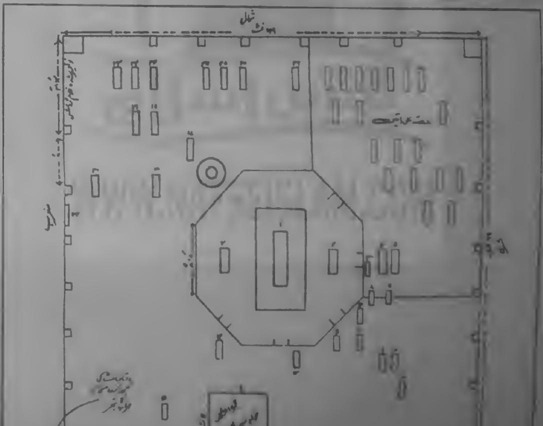

مسجد اور روضہ مبارک حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

تصویر ۱۸۹۰ء

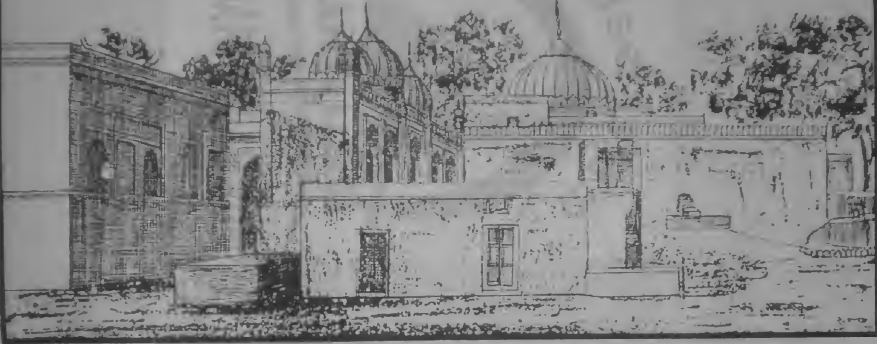

## مدفنِ گنج بخشؒ پر اعتراضات

مزارات اولیاء کو شرک اور بدعت کا مرکز سمجھنے والے چند مخصوص فکر و نظر کے حامل افراد جب اپنی تقریری تحریری کوششوں سے مزاراتِ مقدسہ پر جانے والی غالب اکثریت کو نہ روک سکے تو اُنہوں نے خلافِ تحقیق، خود ساختہ، بے سروپا باتوں، ظن و قیاس اور اپنے اپنے انداز میں مزارات اور اُن میں مدفن بزرگوں کے بارے میں تدفین کے حوالے سے تشکیک پیدا کرنے کی شعوری کوششیں شروع کر دیں۔ برصغیر پاک و ہند میں ان کا پہلا ہدف حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا مزار شریف بنا، دوسرا ہدف حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ کے مزار کو بنایا گیا۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کی وفات کے تقریباً ساڑھے نو سو برس بعد ایک مخصوص مکتبہ فکر کے افراد جنہوں نے اوّلاً جنوری ۱۹۵۹ء روزنامہ وفاق لاہور اور ثانیاً ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ء روزنامہ پاکستان ٹائمز (انگریزی) لاہور میں حقائق کو مسخ کرنے کی شعوری کاوشیں کیں جو درج ذیل ہیں۔

پہلے معترض نے دارا شکوہ کی تصنیف سفینۃ الاولیاء کی محض اس عبارت "قبر درمیان شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ" کو کشف کا رنگ دے کر روزنامہ وفاق لاہور میں شوشہ چھوڑا کہ

"سیّد علی ہجویری کا موجودہ مزار (بیرون بھاٹی دروازہ) کسی اور بزرگ کا مدفن ہے۔ اصل مزار کا مجھے علم ہے لیکن میں بتاتا اس لئے نہیں کیونکہ لوگ اس جگہ کی بھی پرستش شروع کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نورِ قلب اور کشف بخشا ہے، بصیرت سے میں سیّد علی ہجویری کے انوار قلعہ لاہور میں دیکھتا ہوں، انگلی رکھ کر بتا سکتا ہوں کہ علی ہجویری کا سر کہاں اور پاؤں کہاں ہیں"۔

دوسرے معترض نے روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور میں ایک مضمون نگار کی حیثیت سے حضرت امام گنج بخش لاہوری اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ

علیہما کے مزارات کو محض نمائشی اور جعلی قرار دیتے ہوئے لکھا کہ

''سید علی ہجویری کی جائے تدفین کے بارے میں وثوق سے نہیں کہا جا سکتا، لاکھوں لوگ موجودہ جگہ کو ان کا مزار سمجھ کر زیارت کرتے ہیں جبکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور جگہ اکبری قلعہ کے کونے میں مدفون ہوں، گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ نقطہ بھی اتنا نتیجہ خیز نہیں، کیونکہ جعلی قبر جو ان کی قطعاً نہ ہو اس کو غسل دینا، چادریں چڑھانا اور پھول نچھاور کرنا بت پرستی کی ایک قسم ہے۔ اکبر بادشاہ نے اجمیر میں بھی یہی کام کیا تھا، جہاں معین الدین چشتی ایک قریبی پہاڑی پر مدفون ہیں، جبکہ ان کی درگاہ اور دربار شہر کے ایک بازار میں ہے، ایسا محض زائرین کی سہولت کیلئے کیا گیا تھا۔''

## معترضین کے یکساں نظریات

پہلے معترض کا یہ نظریہ کہ ''اصل مزار کا مجھے علم ہے لیکن میں بتاؤں گا نہیں کیونکہ لوگ اس جگہ کی پرستش شروع کر دیں گے''۔ اور دوسرے معترض کی یہ بات کہ ''قبر کو غسل دینا، چادریں چڑھانا، اور پھول نچھاور کرنا بت پرستی کی ایک قسم ہے'' ۔معترضین کی ان تحریروں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان کے فکر و نظر اور مقاصد یکساں تھے۔ یہ لوگ مزارات مقدسہ کی زیارت کرنا، ان پر گل پاشی کرنا، چادر چڑھانا، نذر و نیاز پیش کرنا، منت مانگنا اور عقیدت کے دیگر پہلوؤں کو پرستش کے زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ معترض نے مغل شہزادہ دارا شکوہ کی تصنیف سفینۃ الاولیاء کا سہارا لیا جو اولیائے کرام اور صوفیائے عظام سے عقیدت، ان کے مزارات کی عظمت و احترام کے تذکار سے بھرپور کتاب ہے۔ اور معترضین کے نقطۂ نظر کی مکمل نفی بھی کرتی ہے۔ مگر مقصد برآری کیلئے اس کتاب میں شامل حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے تذکرہ میں آپ کے مزار اقدس کے محل وقوع کے بارے میں محض ایک فقرے ''قبر درمیان شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ'' میں معترضین کو تمام سچائیاں نظر آنے لگیں، باقی بقیہ مضمون اور کتاب کا دیگر مواد شرک و بدعت کی نذر۔

آج سے تین صدیاں قبل ملا محمد داراشکوہ اپنی تصنیف سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ "سید علی ہجویری رحمۃ اللہ نے مسجد خود تعمیر کی تھی۔۔۔ آپ کی قبر اسی مسجد کے جنوبی سمت میں ہے۔ آپ نے بڑی سیر و سیاحت کے بعد دارالسلطنت لاہور میں آ کر سکونت اختیار کی۔ اس اطراف کے تمام باشندے آپ کے معتقد ہیں۔ قبر لاہور شہر کے درمیان مغربی قلعہ میں ہے۔ ہر جمعرات کو آپ کے روضہ اطہر پر ہزاروں افراد حاضر ہوتے ہیں اور مشہور ہے کہ جو شخص چالیس جمعرات یا چالیس دن روضہ پر حاضری دے تو اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ یہ بندہ عاجز بھی آپ کے روضہ پر حاضری دے آیا ہے۔"

## کتابت کی غلطی کے امکانات

محل وقوع میں ابہام کی وجہ کتابت کی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ ماضی میں کسی بھی کتاب کی ایک سے زیادہ مطلوبہ تعداد کیلئے کاتب یا کاتبوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں جو کتاب کی نقول تیار کرتے تھے غالب امکان ہے کہ محل وقوع کا یہ ابہام دارا شکوہ کی زندگی میں کسی شاہی کاتب یا بعد کے ادوار میں کسی کاتب کی غلطی کا نتیجہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جدید پریس کی ایجاد کے بعد کتابت و طباعت کا مرحلہ طے کرتے وقت غلطی ہو گئی ہو۔ آج بھی کاتبین اور کمپوزر حضرات سے ایسی ایسی شعوری و لاشعوری غلطیاں سرزد ہو جانا معمول کی بات ہے۔

غالباً محققین، مورخین، تذکرہ نگاروں اور مضمون نویسوں نے سفینۃ الاولیاء میں تحریر کردہ محل وقوع سے یہی اخذ کیا ہے کہ حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کا مزار مبارک قدیم شہر و قلعہ لاہور سے باہر جنوب مغرب میں واقع ہے۔

دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ کا مزار مسجد کی جنوبی سمت ہے۔ اس پہلو پر غور کیا جائے تو یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ لاہور کا شاہی قلعہ ہمیشہ شاہان وقت یا کسی سلطنت کی قیام گاہ رہا ہے۔ ماضی میں حکومتی،

فوجی نظم و نسق چلانے کیلئے نوکر شاہی اور ان کے دفاتر، دوام وقت کیلئے خادمین کی فوج ظفر موج اور قلعہ کے محافظین کا قیام بھی قلعہ میں ہوتا تھا۔ اس لئے تحفظات کے پیش نظر سینکڑوں عقیدت مند افراد کا بلا روک ٹوک قلعہ میں آنا جانا ممکن نہ تھا۔ سکھ، انگریز اور موجودہ جمہوری ادوار میں بھی قلعہ لاہور میں بلا روک ٹوک داخل ہونے کی اجازت نہ تھی اور نہ اب ہے۔ یہ بات ابھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ مغلوں کے زوال کے بعد جب لاہور پر سکھوں کا قبضہ تھا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ (م ۱۸۳۹ء) کی قیامگاہ شاہی قلعہ لاہور میں تھی۔ وہ پا پیادہ قلعہ سے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے موجودہ مزارِ اقدس پر حاضری دیا کرتا تھا اور ہر سال عرس کے موقع پر ایک ہزار روپیہ نذرانہ راقم کے بزرگ سجادہ نشین درگاہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کو پیش کرتا تھا۔ اس کے علاوہ رنجیت سنگھ کی رانی جنداں اور بیٹے دلیپ سنگھ نے بھی دربار شریف پر برآمدے تعمیر کروائے۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی بیوی اور نونہال سنگھ کی ماں چند کور نے بھی یہاں ایک محرابی چھت والا کمرہ تعمیر کیا۔ رنجیت سنگھ خود بھی وقتاً فوقتاً مزار شریف کی مرمت کراتا رہتا تھا۔ ان تاریخی حقائق کا ذکر راقم الحروف اپنے بزرگوں سے بھی سنتا رہا ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ بات حق الیقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کا مزار اقدس کسی قلعہ میں یا کسی دوسری جگہ واقع نہیں بلکہ بیرون بھاٹی دروازہ، موجودہ مزار ہی حقیقی مزار ہے۔

## مزار گنج بخش پر حاضرین کی سالانہ تعداد؟

مرجع خلائق ہونے کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ بات بھی موجودہ مزار گنج بخش پر ہی صادق آتی ہے۔ اللہ ﷻ کے دوستوں سے مخلوق خدا کی عقیدت کوئی وقتی جذبہ نہیں کہ زمانہ ماضی، حال یا مستقبل ان کی شان میں کمی کر سکے، اس لئے کہ اللہ ﷻ کے ولی زمانے کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ زمانہ ان کا محتاج ہوتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے عقیدت مندوں کی

وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اور آج بھی ہزاروں عقیدت مند نہ صرف جمعرات یا جمعہ بلکہ دیگر ایام میں بھی شب و روز، مزار گنج بخش رحمہ اللہ پر حاضر رہتے ہیں۔ یہ بات محض قیاس آرائی نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مزار گنج بخش مرجع خلائق تھا اور اب بھی ہے۔

حکومت پاکستان نے مزار شریف حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ اور اسکے انتظامات ۱۹۶۰ء سے محکمہ اوقاف کے سپرد کئے ہیں تب سے زائرین و زائرات کے جوتوں کی حفاظت کیلئے اجرت مقرر کر دی گئی ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے اُجرت فی جوڑا جوتی ایک روپیہ کے حساب سے ٹھیکہ نیلام کیا جاتا ہے۔ امسال ۲۰۰۳/ ۲۰۰۴ کا سالانہ ٹھیکہ ایک کروڑ ستر لاکھ میں ایک ٹھیکیدار نے نیلامی میں حاصل کیا ہے، ٹھیکیدار کے حفاظت پاپوش کے متعلق دیگر اخراجات جن میں پاپوش کی حفاظت پر معمور عملہ جو دو تین شفٹوں یعنی دن و رات کام کرتا ہے کا تخمینہ لگایا جائے تو یہ رقم تقریباً چالیس لاکھ روپے سالانہ بنتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹھیکیدار کا اس کاروبار میں خالص منافع سالانہ دس لاکھ روپے قیاس کر لیا جائے تو یہ کل رقم دو کروڑ انیس لاکھ روپے سالانہ بنتی ہے۔ اس تخمینہ کے مطابق، ایک روپیہ فی جوڑا کے حساب سے اگر حاضرین و زائرین کی تعداد نکالی جائے تو یہ تعداد سالانہ دو کروڑ انیس لاکھ بنتی ہے اس کے علاوہ خاصی تعداد میں وہ حاضرین جو اپنے جوتے حفاظت پاپوش کے ٹھیکیدار کے پاس جمع نہیں کراتے اگر ان کو بھی حساب میں شامل کر لیا جائے تو حاضرین کی سالانہ تعداد تقریباً دو کروڑ پچاس لاکھ اور روزانہ تعداد ستر ہزار ہو جاتی ہے جو مزار گنج بخش رحمہ اللہ پر حاضری دیتے ہیں اور یہ تعداد روز افزوں ہے۔ محکمہ اوقاف کے ریکارڈ سے مزار گنج بخش رحمہ اللہ پر مخلوق خدا کی حاضری اور مرجع خلائق ہونے کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ تاریخی شواہد کے مطابق آج بھی

دو کروڑ انیس لاکھ بنتی ہے اس کے علاوہ خاصی تعداد میں وہ حاضرین جو
حفاظت پاپوش کے ٹھیکیدار کے پاس جمع نہیں کراتے اگر ان کو بھی حساب
لیا جائے تو حاضرین کی سالانہ تعداد تقریباً دو کروڑ پچاس لاکھ اور روزانہ
ہو جاتی ہے جو مزار گنج بخش رحمہ اللہ پر حاضری دیتے ہیں اور یہ تعداد روز

ہر واقف حال جانتا ہے کہ آج بھی دارا شکوہ کا بیان کردہ محل وقوع لاہور میں موجود تمام مزارات میں سے صرف اور صرف حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے موجودہ مزار پر ہی صادق آتا ہے جہاں دارا شکوہ کی بیان کردہ مسجد علی ہجویری بھی مزار کے موافق موجود ہے۔ اب اس مسجد کے محراب کی جگہ چوکور سنگ مرمر کا پتھر آج بھی بطور یادگار مزار شریف کی غلام گردش کے جنوب مغربی ستون کے ساتھ فرش میں نصب ہے اور نئی تعمیر کردہ وسیع مسجد اسی نسبت سے آج بھی موجود ہے۔ شاہی قلعہ لاہور میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک نہ پہلے تھی اور نہ ہی آپ کے نام کی نسبت سے وہاں کبھی کوئی مسجد تھی اور نہ اب ہے۔

سفینۃ الاولیاء کی یہ عبارت " قبر در میان شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ " ایک مبہم عبارت ہے، اس لئے کہ شہر لاہور کے درمیان مغربی قلعہ کا وجود کسی دور میں نہیں رہا، لاہور میں ایک ہی قدیم قلعہ ہے جو مختلف ادوار میں تعمیر و توسیع کے مراحل سے گزرتا ہوا شاہی قلعہ کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ اگر اس محل وقوع کو درست مان لیا جائے تو پھر مزار کے متعلق دارا شکوہ کے بیان کردہ دیگر جملہ مشاہدات نادرست قرار پائیں گے جو محال ہے، اس لئے کہ مضمون کے جز کو کل پر فوقیت دینا نادانی ہے۔

## شاہی قلعہ لاہور کی مختصر تاریخ

جسٹس سید محمد لطیف اپنی تصنیف تاریخ لاہور (انگریزی) کے باب اول میں لکھتے ہیں کہ " ٦١٣ ھ بمطابق ١٣١٠ء میں رشید الدین کی تحریر کردہ کتاب " جامع التواریخ " میں لاہور کے متعلق لکھا ہے۔ کہ " یہاں کوئی بھی مضبوط و پختہ قلعہ موجود نہیں ہے۔"

باب چہارم کے آغاز میں مزید لکھا ہے کہ " خلاصۃ التواریخ کے مطابق محمود غزنوی کے حملے کے وقت شہر فصیل کے بغیر تھا۔ شہر کے گرد فصیل اکبر نے تعمیر کروائی۔"

انگریز دور میں ایگزیکٹو انجینئر لاہور رائے بہادر کنہیا لال مصنف " تاریخ

لاہور ۔ طبع اول ۱۸۸۴ء صفحہ ۳۴ پر تحریر کرتا ہے کہ "پہلے لاہور شہر کھلی آبادی تھی فصیل شہر پناہ نہ تھی ۔ اکبر بادشاہ نے اس کے گرد پختہ حصار بنوایا ۔ فصیل کی دیوار بہت بلند اور چوڑی تعمیر کی ۔ ایک ایک دروازے کے درمیان اس دس برج کلاں بنوائے دروازے پختہ تعمیر کئے قلعہ بھی پختہ بنوایا۔ اس شہر کے بارہ دروازے اور ایک چھوٹا دروازہ ہے۔" کنہیا لال نے دور اکبر میں لاہور کی تعمیر و توسیع کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ایک بہت بڑے قلعے کا نظارہ پیش کرتا ہے فصیل کے اندر شاہی محل، چھاؤنی یا شہری آبادی ہو گئی وہ قلعے کا اندرونی حصہ مانا جاتا ہے ۔ اس انداز سے دیکھا جائے تو اس کی تشریح یوں ہو گی کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کا مزار اقدس قلعہ سے باہر جانب مغرب واقع ہے ۔ اگر جنوب مغرب کی جانب کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

## اعتراضات پر رد و کد

حضرت سید علی ہجویری اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہما کے مزارات کے محل وقوع کے بارے میں جملہ اعتراضات، شبہات اور قیاس آرائیاں محض جھوٹ و بدنیتی پر مبنی ہیں ۔ راقم ظن و قیاس کی بجائے زندہ شہادتوں اور تاریخی حقائق سے ثابت کرتا ہے کہ بیرون بھاٹی دروازہ جانب جنوب مغرب حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کا موجودہ مزار ہی حقیقی اور اصل مدفن ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ ( اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ) زیر اہتمام پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد ۹ کے صفحہ ۹۳ پر درج ہے۔

"حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے مزار کے متعلق دارا شکوہ نے لکھا ہے کہ یہ لاہور شہر میں قلعے سے مغرب کی طرف ہے۔"

یہ بیانات اس معتبر ترین ادارہ کی طرف سے شائع ہوئی ہے، جس کے اپنے رسائل اور قابل کتب اتنے بڑے ہیں کہ محققین کو اپنی ضرورت کا مواد حاصل کرنے کیلئے تاریخ کی دوسری طرف دیکھنا پڑتا ہے ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے منتظمین

مرتبین اور محققین انتہائی ثقہ اور مستند لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی رسائی اور تحقیق بہت دور تک ہوتی ہے یہ کوئی اٹکل پچو بات ریکارڈ پر نہیں لاتے بلکہ حقائق پیش کرتا اور غلط ریکارڈ کو درست کرنا ان کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ یقیناً انہوں نے "سفینۃ الاولیاء" کے بہت سارے اور مختلف ادوار کے قلمی و مطبوعہ نسخے دیکھے ہوں گے۔ ان کی شخصی تحقیق بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ مزار گنج بخش رحمۃ اللہ کا محل وقوع "لاہور شہر میں قلعے سے (باہر) مغرب کی طرف ہے۔"

## تاریخی شواہد

کوہِ نور ہیرا۔ خان بہادر شمس العلماء سید محمد لطیف جج نے ۱۸۹۱ء میں اپنی تصنیف کردہ کتاب "تاریخ پنجاب" کے حصہ چہارم باب نمبر ۲ میں درانی خاندان کے چشم و چراغ کا کوہِ نور ہیرے سے محروم ہونے اور بعد ازاں لاہور سے فرار ہونے کے واقعات لکھتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے مزار اقدس کا تذکرہ کیا ہے کہ "شاہ شجاع الملک درانی سابق بادشاہ کابل نے گراں قدر کوہ نور ہیرے اور کسی زمانے میں درانی خاندان کے شاہی تخت کو مزین کرنے والے خزانوں کے (رنجیت سنگھ کے ہاتھوں) چھن جانے کے بعد یہ سوچا کہ اگر اب بھی وہ سکھ دارالحکومت لاہور میں مقیم رہا تو میزبان (رنجیت سنگھ) کوئی بہانہ بنا کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ شاہ نے فرار ہونے کا فیصلہ کیا... ایک رات شاہ کی بیگمات کو ہندو عورتوں کے بھیس میں بیلوں والے چھکڑے میں بیٹھا کر بالک رام کی مدد سے لدھیانہ پہنچا دیا گیا ...خود شاہ بھی اپریل ۱۸۱۵ء کی ایک اندھیری رات میں بھیس بدل کر فراش خانہ کی دیوار میں سوراخ کر کے اپنے دونوں بیٹوں اور دو غلاموں کے ہمراہ نکلا۔ فصیل شہر لاہور کے دروازے بند پا کر لاہوری دروازہ کی گندی نالی کے ذریعے شہر سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد وہ بھاٹی دروازہ کے باہر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے مزار مبارک پر گئے، وہاں اپنے آلودہ لباس اتارے اور غسل کر کے صاف

[illegible] پہنچے۔ حضرت کے مزار اقدس پر دعا مانگنے کے بعد اسی دن تقریباً ۲ بجے دریائے راوی کو پار کیا۔''

راقم الحروف کے بزرگوں نے شاہ شجاع کی درخواست پر اُسے اور اُس کے ہمراہیوں کو پناہ دی، لباس و خوراک مہیا کیا اور دریائے راوی کو پتن کی بجائے دوسرے قریبی محفوظ مقام سے بحفاظت عبور کروایا۔ اس طرح شاہ شجاع لاہور اور رنجیت سنگھ کے شکنجہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔

## شہزادہ ابراہیم کی لاہور آمد

''تاریخ پنجاب'' حصہ چہارم کے آخر میں لکھا ہے کہ

''بادشاہ احمد شاہ درانی کے جانشین بیٹے تیمور شاہ کا بیٹا شہزادہ ابراہیم جب لاہور آیا تو اس کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ استقبالیہ خیمے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے مزار اقدس کے قریب نصب کیے گئے۔''

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی کسی اہم شخصیت کا استقبال کیا جاتا تھا تو قلعہ اور فصیل شہر سے باہر نکل کر کیا جاتا تھا۔ اس لئے استقبالیہ خیمے بھی شہر سے باہر نصب ہوتے تھے۔ آج بھی یہ بات ہمارے معمولات میں شامل ہے کہ خاص مہمان کا استقبال گھر کے دروازہ پر یا باہر نکل کر کرتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ مزارِ گنج بخش رحمۃ اللہ فصیل شہر کے باہر تھا اور اب بھی ہے۔

## محلہ شیش محل

تاریخ لاہور مصنفہ سید محمد لطیف کے باب دوم میں مزارِ گنج بخش رحمۃ اللہ کے محل وقوع کے بارے میں بہت واضح نشان دہی موجود ہے جو درج ذیل ہے۔

''لاہور شہر کے بھاٹی دروازہ کے باہر مغرب کی طرف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کا مشہور و معروف مقبرہ ہے۔ آپ کا اصلی نام علی مخدوم ہجویری غزنوی رحمۃ اللہ ہے۔ اس مزار کے ساتھ ایک محلہ ہے جس کو شیش محل کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

کیونکہ مسلمان بادشاہوں کے دور میں یہاں شیشوں کا محل موجود تھا۔"

موجودہ مزارِ گنج بخش رحمۃ اللہ کے احاطہ کے شمالی جانب چند قدموں کے فاصلے پر بیان کردہ شیش محل کے نام سے محلہ آج بھی موجود ہے۔ ان تاریخی واقعات کی روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ موجودہ مزار گنج بخش رحمۃ اللہ ہی حقیقی مزار ہے۔

## قرآن پاک کے قدیم نسخے

تاریخ لاہور مصنفہ کنھیا لال ہندی میں تحریر ہے۔

کہ "بادشاہانِ سلف بھی کمال ادب اس مزار کا کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم غزنوی (م ۱۰۹۸ء) اور سلطان شمس الدین التمش (م ۱۲۳۵ء) وغیرہ بادشاہوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف اس مزار پر موجود ہیں"۔

تحقیقاتِ چشتی مصنفہ نور احمد چشتی اوّل ایڈیشن کے صفحہ ۱۴۴ پر درج ہے۔

کہ "مزار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ پر ایک قرآن پاک نواب دکن (نظام حیدر آباد) علاء الدولہ جعفر خان نصیری کا نذر کردہ موجود ہے جس کے ہر سیپارہ کے آخر میں درج تحریر سے معلوم ہوا کہ مزار شریف پر جو قرآن بھیجا اس کے پڑھنے کیلئے تین قاری بھی مقرر کئے اور یہ قرآن پاک ۱۱۳۷ھ میں رئیس مقام و مجاور روضہ قدوۃ الاولیاء مخدوم علی ہجویریؒ کی تولیت میں دیا گیا"

نور احمد چشتی نے اوّل ایڈیشن ۱۸۶۴ء کے صفحہ ۱۴۰ پر حسبِ ذیل یوں لکھا ہے۔

"حال اس مقبرہ عالیہ کا کتب ہیں نے کتاب سفینۃ الاولیاء وغیرہ سے لکھا ہے۔ واضح ہو کہ یہ خانقاہ باہر دروازہ بھاٹی کے بغرب رویہ مکان عالیشان مشہور و معروف ہے۔"

تاریخ لاہور مصنفہ سید محمد لطیف میں لکھا ہے

"مزار گنج بخش رحمہ اللہ کی انتہائی نادر و نایاب اشیاء میں ہندوستان کے مختلف بادشاہوں اور نوابوں کے پیش کردہ قرآن پاک کے قدیم نسخہ جات بھی ہیں۔ جو مزار کے متولیوں کے قبضہ میں آج بھی محفوظ ہیں۔ ان میں زیادہ تر فنی خطاطی کے اعلیٰ

شمار ہوتے ہیں۔

زمانہ قدیم سے یہ رواج تھا کہ کاتبین قرآن و احادیث اور دینی کُتب کے مصحف و مخطوطے ایک نقل اظہار عقیدت اور حصول برکت و ثواب کیلئے مزار گنج بخش پر نذر پیش کرتے تھے۔ اس لئے قرآن، احادیث، تصوف اور دیگر دینی کُتب کے مخطوطات اور مطبوعہ نسخوں کا ایک خزانہ یہاں موجود تھا۔ اس کے علاوہ حضرت داتا گنج بخش اور حضرت شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خانوادے کے صدیوں سے جمع شدہ نادر و نایاب تبرکات درگاہ شریف کے ایک وسیع و عریض کمرے میں محفوظ تھے جسے توشہ خانہ کہا جاتا تھا۔ راقم الحروف کو ان تبرکات اور انمول خزانے کی جزوی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ یہ نوادرات و تبرکات کس طرح ضائع ہوئے اس کی تفصیلات باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کوثر ماضی قریب کے ایک معروف مؤرخ و محقق شیخ محمد اکرام اپنی تصنیف "آبِ کوثر" (طبع جولائی ۱۹۶۱ء) کے دیباچہ میں تاریخ نویسی اور اولیاء و مشائخ کے حالات و واقعات رقم کرنے میں مشکلات اور تحقیق و جستجو کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم ان مشکلات پر غالب آ سکے ہیں لیکن اپنی بساط کے مطابق ہم نے ان پر عبور پانے کی پوری کوشش کی ہے۔ قدیم تصانیف (بشمول سفینۃ الاولیاء) میں سے جو چھپ چکی ہیں انہیں اور جو غیر مطبوعہ اور کمیاب ہیں ان سے متعلق مطبوعہ مقالات و مضامین پڑھے ہیں، طالب کا دامن دُور دُور تک پھیلایا ہے۔ اردو فارسی تذکروں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک ایک ضلع کا سرکاری گزیٹیئر دیکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اس مواد کی بنا پر قوم کی مذہبی، علمی تاریخ واضح اور کافی مکمل صورت میں مرتب ہو۔"

آبِ کوثر کے صفحہ [illegible] پر تحریر ہے۔

"حضرت ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے

زیادہ مشہور ہیں۔ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے دورِ حکومت کے آخر میں دو ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ یہاں آپ نے ایک مسجد تعمیر کی۔ کئی لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، جس میں رائے راجو جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا نائب حاکم تھا خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسے مسلمان کرنے کے بعد آپ نے اس کا (نام عبداللہ) عرف شیخ ہندی رکھا اور ان کی نسل کے لوگ اب تک آپ کے مزار کے خدام و مجاور ہیں"۔

سیر پنجاب کامل: (دو جلد) جلد اول ۱۸۷۶ء مصنفہ ٹھاکر داس اکسٹرا اسسٹنٹ ضلع انبالہ، رئیس قصبہ سلطان پور۔ جلد دوم مصنفہ و مرتبہ لالہ رام دیال تحصیل بال جلگانہ ضلع سہارن پور قوم اگروال۔ مطبع منشی نول کشور واقع چھاؤنی ۱۸۷۲ء میں طبع ہو کر محمود علی کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اس کتاب میں یہ تحریر ہے۔

"نام فریق، مسلمان۔ نام اولیاء، حضرت پیر علی ہجویری مشہور داتا گنج بخش رحمہ اللہ کیفیت، بیرون بھاٹی دروازہ ۴۶۵ھ میں اس ولی نے وفات پائی۔"

درج بالا اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محققین اور تذکرہ نگاروں نے سفینۃ الاولیاء میں مزار گنج بخش کے محل وقوع کے بارے میں درج عبارت سے یہی اخذ کیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا مزار مبارک قلعہ لاہور کے مغرب میں واقع ہے نہ کہ شاہی قلعہ میں۔

عین التصوف: ماہنامہ "فکر و نظر" اسلام آباد شمارہ ۳ جلد ۱۵ ماہ ستمبر ۱۹۷۷ء میں محقق پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب نے ایک کتاب "عین التصوف" پر مضمون بعنوان "مشائخ پنجاب کا ایک نادر تذکرہ" میں صفحہ ۱۴۳ پر شیخ ضیاء الدین چشتی سجادہ نشین درگاہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"قلمی لاہوری مصنف عین التصوف کی حضرت شیخ ضیاء الدین رحمۃ اللہ سے

عمر بیان کی گئی تھی۔ مصنف کے بیان کے مطابق حضرت نے ایک سو بیس سال عمر پائی۔ حضرت اس قدر قناعت پسند تھے کہ صرف ایک ہی جامہ میں چالیس برس گزار دیئے۔ حضرت کے غسل و جنازہ اور انہیں قبر میں داخل کرنے کی سعادت مصنف کو میسر آئی۔"

مدینۃ الاولیاء: مؤرخ لاہور محمد دین کلیم قادری نے اپنی تحقیق و تالیف "مدینۃ الاولیاء" کے صفحہ ۲۰۴ پر لکھا ہے کہ

"حضرت شیخ ضیاء الدین رحمہ اللہ کا ذکر مبین التصوف از فضلی لاہوری (جو کہ اوچ شریف کے سادات میں سے تھے) کے صفحہ ۱۳۲ پر ہے اور یہ قلمی فارسی نسخہ مولوی عبدالرشید مکتبہ رشیدیہ اردو بازار لاہور کی ملک ہے... تحقیقات چشتی صفحہ ۱۵۱ پر شجرہ نسب سجادہ نشینان حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ اور راقم کے مرتب و شائع کردہ شجرہ (۱۹۷۸ء) کے مطابق حضرت شیخ ضیاء الدین رحمہ اللہ کا سن وصال دسویں صدی ہجری کے آخری عشرہ کا دور ہے اور مبین التصوف کے متذکرہ سنوں سے بھی یہی دور ثابت ہے یعنی آپکی وفات تقریباً ۱۰۹۵ء میں ہوئی۔ آپکا مزار احاطہ درگاہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ میں ہے۔"

## اکبر بادشاہ پر الزام تراشی

ایک معترض نے اکبر بادشاہ پر یہ الزام دھرا ہے کہ اس نے سہولت کی خاطر جعلی قبریں بنوائیں۔ یہ سراسر بہتان ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اکبر بادشاہ م ۱۶۰۵ء اولیائے کرام کا عقیدتمند اور ان کے مزارات کا بے حد احترام کرتا تھا۔ اولاد نرینہ کی خواہش اسے [illegible] حضرت سلیم الدین چشتی رحمہ اللہ م ۹۷۹ھ کی خدمت میں لے گئی اور آپ کی دعا سے اکبر کی مراد پوری ہوئی۔ اکبر نے حضرت سلیم الدین چشتی رحمہ اللہ کے اسم گرامی کی نسبت سے بیٹے کا نام سلیم رکھا جو جہانگیر کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ کے مزار مبارک پر اکبر کا پا پیادہ حاضر ہونا، درگاہ شریف کے احاطہ میں مسجد بنوانا تاریخی طور پر ثابت ہے اور یہ مسجد آج

بھی اکبری مسجد کے نام سے موجود ہے۔ لہٰذا اکبر پر جعلی قبور بنوانے کا الزام بھونڈا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی ذات، حیات، وفات اور ان کے مدفن و مزار کے متعلق ماضی و حال کی جملہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ قلمی کاوشوں کے فارسی متون اور تقریباً تمام بین الاقوامی اور پاک و ہند کی مقامی زبانوں میں تراجم کے ساتھ دیا جائے میں کسی ایک جگہ بھی حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے مرقد منور کے محل وقوع پر قطعاً کوئی اعتراض یا اختلاف نہیں پایا گیا۔ یہاں تک کہ مغلیہ خاندان کے وہاں قدم شاہزادہ دارا شکوہ جس کا شاہی قلعہ لاہور میں آنا جانا تھا کی تصنیف "سفینۃ الاولیاء" میں بھی یہ بات موجود نہیں کہ حضرت رحمہ اللہ کی قبر مبارک شاہی قلعہ لاہور میں ہے۔

## قدیم قبرستان

حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز نے اپنے ہاتھوں سے اپنے مُرشد معظم اور محسن اعظم کو موجودہ جگہ پر دفن کیا۔ بعد ازاں حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز اور ان کے خانوادہ کے افراد صدیوں سے ۱۹۶۰ء تک احاطہ مزار گنج بخش رحمہ اللہ کے اندرون و بیرون دفن ہوتے رہے۔ ان کے مزارات اور بعض دیگر تاریخی شخصیات جو عقیدتمندانِ گنج بخش رحمہ اللہ میں سے تھیں ان کی قبور کی یہاں موجودگی بھی اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ موجودہ مزارِ گنج بخش رحمہ اللہ ہی حقیقی مزار ہے۔

راقم الحروف یہ بات محض قیاس و گمان کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا بلکہ اپنے روحانی پیشوا حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کی ذات، حیات، وفات اور مزار و مدفن کے بارے میں بندہ کے ذاتی ذخیرہ کُتب میں موجود قدیم و جدید کتب و رسائل، راقم کے خانوادہ کی موجودگی اور نسل در نسل روایات اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ آپ کی موجودہ مشہور و معروف آخری آرام گاہ بیرون بھاٹی دروازہ بلاشبہ داتا گنج بخش کا حقیقی مدفن ہے۔

## حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ

۵۸۷ء میں لاہور تشریف لائے حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے مزار پر معتکف

ہوئے اور اختتام اعتکاف آپ کی شان میں فرمایا۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

یہ حجرہ اعتکاف آج بھی احاطہ مزارِ گنج بخش رحمہ اللہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بابا فرید گنج شکر اور حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہما نے بھی حضرت کے مزار کے قریب کچھ فاصلے پر اعتکاف فرمائے۔ یہ حجرہ ہائے اعتکاف آج بھی بالترتیب ضلع کچہری لاہور کے ساتھ جانبِ مغرب تھہ بابا فرید پر اور پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے ساتھ بابِ مشرق موجود ہیں۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب بنام نواب قلیج خان اندجانی، میں فرمایا ہے کہ

‘‘فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطب الارشاد کا درجہ رکھتا ہے۔ اس شہر کی خیر و برکت تمام بلادِ ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے۔’’

اہلِ بصیرت فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے لاہور کو جو قطب الارشاد کا درجہ دیا ہے، دراصل قطب الاقطاب حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور ہندوستان میں اُن کے فیوض و برکات کے اثرات کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سن ۱۱۴۳ھ میں جب لاہور تشریف لائے تو حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے اسی مزار گوہر بار پر حاضر ہوئے۔ حالات، واقعات اور ملفوظات شاہ ولی اللہ پر مشتمل کتاب ‘‘القول الجلی’’ مؤلفہ حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی رحمہ اللہ میں رقم ہے کہ

‘‘جب حضرت شیخین کے سفرِ مبارک کی خواہش دامنگیر ہوئی اور عزم پختہ ہو گیا تو ۸ ربیع الآخر ۱۱۴۳ھ کو اپنے بڑے ماموں عبید اللہ رحمہ اللہ کی ہمراہی براہ لاہور روانہ ہوئے۔ سفر میں جہاں کہیں بھی کسی ولی کا مزار ہوتا وہاں رُکتے اور صاحب مزار کو

جس قسم کی نسبت حق ہوتی وہ آپ کو مکشوف ہوتی اس کو بالتفصیل بیان فرماتے۔ سرہند پہنچ کر حضرت مجدد شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے مزار پر حاضر ہوئے وہاں سے لاہور حضرت شیخ علی ہجویری قدس سرہ العزیز کے مزار پر حاضری دی پھر ملتان... تمام اہل قبور کے احوال ایک ایک کر کے بیان فرمائے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا کشف القبور زیادہ معتبر ہے اس لئے درج بالا اقتباسات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ مزار گنج بخش ہی حقیقی ہے۔

سلسلہ ہائے طریقت کے اکثر شیوخ، آپ کے خلفاء مریدین اور دیگر معروف و غیر معروف بزرگان دین، نفوس قدسیہ علمائے حق اور صاحبان کشف حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے وصال کے بعد آج تک اسی موجودہ مزار گنج بخش پر اعتکافات، مراقبات اور حصول فیوض و برکات کیلئے تشریف لاتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ تسلسل سے جاری ہے ان سب نفوس قدسیہ کے ناموں کی فہرست مرتب کرنا ممکن نہیں۔

شاعرِ اسلام علامہ محمد اقبال پر پروفیسر محمد سرور شفقت نے ماہنامہ ضیائے حرم لاہور صفحہ ۲۴ نومبر ۱۹۹۵ء میں تحریر کیا ہے کہ

''جرمن مستشرق ڈاکٹر این میری شمل لکھتی ہیں کہ علامہ اقبال حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے ماننے والوں میں تھے اور صبح کی نماز مسجد داتا دربار میں روحانی سکون اور حصولِ عرفان کیلئے ادا کرتے تھے۔''

پروفیسر مسعود الحسن نے اپنی تصنیف ''داتا گنج بخش'' میں تحریر کیا ہے کہ ''علامہ اقبال کو مسلمانوں کیلئے علیحدہ ریاست کا خیال اسی مسجد میں نماز کی ادائیگی سے حاصل ہوا''

مفکر پاکستان، شاعر اسلام حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ نے حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ اور اُن کے مزار شریف (بیرون بھاٹی دروازہ) جہاں وہ خود حاضر ہوتے رہے کی عظمت و شان میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

سید ہجویر مخدوم امم  مرقد او پیر سنجر را حرم

بندہای کوہسار آسان گسیخت  در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

عہد فاروق از جمالش تازہ شد  حق ز حرف او بلند آوازہ شد

پاسبان عزت ام الکتاب  از نگاہش خانۂ باطل خراب

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت  صبح ما از مہر او تابندہ گشت

(کلیات اقبال فارسی "اسرار و رموز" ص ۳۷ کتابخانہ سنائی، تہران)

حاصل کلام اردو میں یہ ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ امتوں کے مخدوم ہیں اور آپ کا مزار مبارک پیر سنجر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کا حرم یعنی تعظیم و تکریم کی جگہ ہے۔ کفر و شرک کے پہاڑوں کو اللہ اکبر کے نعروں سے ریزہ ریزہ کر کے اسلام کی دعوت دی اور ہندوستان کی زمین پر آباد مخلوقِ خدا کو طرح طرح کے جھوٹے خداؤں کی بجائے معبودِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود کیا، برصغیر میں اسلام کی حقانیت کا بیج بویا جس سے آج یہاں اس برصغیر میں تقریباً ساٹھ کروڑ مسلمان موجود ہیں اور یہ تعداد روز افزوں ہے۔ آپ کے اخلاق اور رُشد و ہدایت سے حق غالب اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور تازہ ہو گیا۔ آپ قرآنِ کریم کی عزت و عظمت کے پاسبان تھے، آپ کی نگاہ کرم سے لوگوں کے ظاہر و باطن، باطل کی کثافت سے آزاد ہو گئے۔ آپ کے دم قدم، شفقت اور کرم گستری سے پنجاب کی دھرتی نورِ اسلام سے منور اور ہماری زندگی میں نورانی و ایمانی سویرا ہوا۔

## دو قومی نظریہ کی بنیاد

اس خطہ ارض پر دو قومی نظریہ کی بنیاد پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کا معرض وجود میں آنا حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے۔ مولانا محمد بخش مسلم نے اپنے مقالہ مطبوعہ ماہنامہ [illegible] لاہور مارچ ۱۹۷۷ء میں لکھا ہے کہ

"قیامِ پاکستان سے قبل قائد اعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ نے بتاریخ ۸ مارچ

۱۹۴۳ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اظہار خیال کرتے ہوئے پاکستان کی بنیاد فرمایا تھا کہ

"پاکستان اُس وقت بن گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔ مسلم قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ ہند میں مسلمان ہوتے ہی پہلا فرد جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا اور ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔" اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے نومسلم (رائے راجو) شیخ ہندی تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز پنجاب میں دو قومی نظریہ کے پہلے سنگ میل اور پہلے پاکستانی ہوئے۔"

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے اس علم گڑھ لاہور میں جب قدم رکھا تو یہاں ایک بھی مسلمان آباد نہ تھا، سب سے پہلے یہاں نائب حاکم پنجاب رائے راجو کو مسلمان کیا، گویا کہ اس خطہ میں پاکستان کی بنیاد رکھ دی۔

اس بات کی تائید اُردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، جلد ۱۸ ص ۱۰۲ پر لکھی عبارت کرتی ہے۔ "اسلامی دور کے معروف تاریخی ماخذ میں لاہور کا ذکر سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری کی ایک عربی تالیف "حدود العالم" (انگریزی ترجمہ منورسکی طبع لندن، ۱۹۳۷ء ص ۸۹) میں ملتا ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کتاب میں لاہور کا ذکر یوں درج ہے۔ "لہور شہر کے متعدد اضلاع ہیں اور اس کا حاکم امیرِ مُلتان کا نائب ہے۔ اس میں بازار اور بت خانے ہیں۔ یہاں کے سب لوگ بُت پرست ہیں اور مسلمان ایک بھی نہیں۔ گویا دسویں صدی عیسوی کے اواخر تک یہاں کوئی مسلمان نہ تھا۔"

## مزار گنج بخش پر دیگر مکاتبِ فکر کے اکابرین کی حاضری

معترضین کے اپنے مکتبہ فکر کے اکابرین میں سے ایک مولانا اشرف علی تھانوی کے متعلق کتاب "سیرت اشرف" میں منشی عبدالرحمن خان نے صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے۔

"جناب مولانا اشرف علی تھانوی صاحب مئی ۱۹۳۸ء کو لاہور پہنچے۔ قیام لاہور کے دوران سب سے پہلے حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے (صوفی) و مزار پر

بغرض فاتحہ مزار شریف لے گئے۔ آپ وہاں صبح کو ایسے وقت پہنچے جبکہ زائرین کی کثرت تھی۔ آپ حسبِ معمول صاحبِ مزار کی پائینتی کی طرف قدرے پیچھے ہٹ کر فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب میں مشغول ہو گئے۔ حضرت کو اس حالت میں کھڑے دیکھ کر ایک قوی ہیکل مجاور نے زور دار اور ہیبت ناک آواز سے پکارا کہ ہاتھ آگے باندھو لیکن حضرت بدستور ادھر (مزار شریف کی طرف) متوجہ رہے۔ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا! بہت بڑی شخصیت ہیں، عجیب رعب ہے، وفات کے بعد بھی سلطنت کر رہے ہیں۔''

اسی طرح ''معالم بلاغ'' از قاری محمد طیب ص ۱۲۴\ ''سفرنامہ لاہور و لکھنو'' از مقبول حسین بلگرامی ص ۵۰ پر بھی مولانا مذکور کا حضور داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی عظمت و تصرفات پر یہ اعترافی بیان موجود ہے کہ

''داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے مزار سے لوٹتے ہوئے فرمایا! بہت بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں، میں (مولانا اشرف علی تھانوی) نے ہزارہا ملائکہ کو ان کے سامنے صف بستہ دیکھا، عجیب رعب ہے کہ وفات کے بعد بھی سلطنت کر رہے ہیں۔''

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے اس بیان کے مطابق موجودہ مزارِ گنج بخش رحمہ اللہ پر ہزاروں ملائکہ کی موجودگی پائی جاتی ہے، جہاں شب و روز ہزارہا فرشتے موجود رہتے ہوں اس مقام کا تقدس، احترام اور وہاں پر موجود عقیدتمندوں کیلئے انعام و اکرام کی بارش کا کیا عالم ہو گا۔ مولانا تھانوی صاحب کے بیان کے بعد معترضین کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے دوران مفتی محمود اور معترضِ اوّل کے جانشین فرزند نے مختلف اوقات میں ہزاروں عقیدتمندانِ گنج بخش اور راقم کی موجودگی میں حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے موجودہ مزار پر حاضری دی اور حضرت رحمہ اللہ کے قدموں کی طرف کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی کی۔ راقم کے پاس ان کی حاضری کے فوٹو

گراف بھی موجود ہیں۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم مولانا عبدالرحمن اشرفی دیوبندی کی مزار گنج بخش پر بارہا حاضری کا راقم خود بھی شاہد ہے۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے مزار داتا گنج بخش پر اپنی حاضری اور صاحب مزار کے زندہ و پائندہ ولی ہونے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''حضرت داتا صاحب کو میرے ساتھ پیار ہے اس لئے میں مہینے میں ایک مرتبہ لازمی دربار شریف (موجودہ مزار) پر حاضر ہوتا ہوں۔ جب حاضری میں دیر لگاتا ہوں تو حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ خود مجھے بلا لیتے ہیں۔'' (ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور مئی ۱۹۹۹ء ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور ۴ تا ۱۰ جون ۱۹۹۹ء)۔

اس کے علاوہ مختلف مذاہب و مسالک کے بہت سے عام و خاص افراد کی حاضری کا راقم الحروف عینی شاہد ہے۔

عطاء الحق قاسمی جو ایک مشہور کالم نگار ہیں ۲۵ دسمبر ۱۹۹۹ء کو روزنامہ نوائے وقت کے اپنے کالم میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ اور ان کے مزار شریف کے بارے میں اُن کی عقیدتمندانہ تحریر پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

''میں اپنے فیملی فرینڈ مہمانوں ڈاکٹر غزالہ آفاق اور ان کی تیرہ سالہ بچی سمیعہ جو گیارہ برس بعد امریکہ سے پاکستان آئے تھے کو داتا دربار لے گیا، وہاں زائرین کی ایک بہت بڑی تعداد دیکھ کر سمیعہ بہت حیران ہوئی، اس نے مجھ سے پوچھا انکل یہ داتا صاحب کون تھے؟ میں نے کہا بیٹی وہ بہت بڑے ولی اللہ تھے، سمیعہ نے پوچھا یہ ولی اللہ کیا ہوتا ہے؟ میں سوچ میں پڑ گیا بالآخر میں نے کہا بیٹی ولی اللہ سینٹ کو کہتے ہیں۔ اچھا اچھا، اسے میری بات کچھ کچھ سمجھ میں آئی، وہ بولی یہ اتنے سارے لوگ یہاں (مزار داتا پر) کیا کر رہے ہیں؟ میں نے اُسے بتایا کہ برصغیر کے لوگ ہندو مذہب کو ماننے والے تھے حضرت داتا گنج بخش اور بعض دوسرے بزرگ یہاں تبلیغ کیلئے آئے، جن کی کوششوں کے نتیجے میں آج پاکستان اور بھارت

میں کروڑوں مسلمان موجود ہیں، چنانچہ ہم سب یہاں ان کا شکریہ ادا کرنے اور انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کیلئے حاضر ہوتے ہیں... یہاں لولے لنگڑے، صحت مند اور ہر طرح کے فقیر ایک ہجوم کی صورت میں موجود تھے۔ سمیعہ ایک دفعہ پھر حیران ہو رہی تھی کہ یہ لوگوں سے کیوں مانگ رہے ہیں، اپنا حق حکومت سے کیوں نہیں مانگتے۔ میں نے عذرِ لنگ پیش کیا بیٹی یہ پروفیشنل فقیر ہیں، ہوم لیس لوگوں کیلئے لاہور میں کچھ گھر بنائے گئے ہیں جہاں ان لوگوں کو لے جایا جاتا ہے مگر یہ وہاں سے بھاگ آتے ہیں۔ یہاں (مزارِ گنج بخش) پر انہیں تین وقت کی روٹی مفت مل جاتی ہے اور کیش بھی کافی جمع ہو جاتا ہے۔ امریکہ میں بھی اس طرح کے ہوم لیس لوگ موجود ہیں۔ فاتحہ خوانی کے بعد جب ہم واپس ہوئے تو ڈاکٹر غزالہ داتا دربار کی نئی عمارت اور اسکے بدلے ہوئے گردو پیش دیکھ کر بولیں کہ یہ تو سارا علاقہ ہی بہت خوبصورت ہو گیا ہے، یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ میں نے جواب دیا صاحبِ مزار کی برکت سے ہوا..."

## شبہات کا شوشہ چھوڑنے پر ردِ عمل

۱۹۵۹ء میں جب پہلی بار یہ شوشہ چھوڑا گیا تھا، اُس وقت کے اخبارات و رسائل میں معترضِ اوّل کے کشف کے خلاف مضامین، عوام و خواص کا مخالفانہ ردِ عمل اور غم و غصے کا شدید اظہار کیا گیا۔ طوالت کے پیشِ نظر یہاں صرف چند ایک باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ چند صاحبانِ کشف بزرگوں نے معترضِ اوّل کو چیلنج کیا لیکن اُسے چیلنج کا سامنا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

شورش کاشمیری معروف دانشور و صحافی مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ "چٹان" لاہور، شورش کاشمیری نے اپنے اخبار چٹان کے اداریہ میں دو ٹوک انداز میں اسے ایک صحافتی شوشہ قرار دیتے ہوئے لکھا کہ

"ایک اخبار نے مقالوں کی تندی اور خبروں کی سرد مہری سے عاجز آ کر سوچا کوئی نیا شوشہ چھوڑنا چاہیے۔ ۱۹۵۹ء احمد علی کے حوالے سے خبر نما مضمون تیار کیا کہ حضرت داتا

گنج بخش رحمہ اللہ جہاں دفن ہیں وہاں ان کا مزار نہیں، کسی وجہ سے یہ مزار ان کے نام منسوب ہو گیا ہے۔ اس پر لاہور میں کھلبلی مچ گئی۔ ادھر ادھر ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اردو اخبارات اس معرکہ میں کود پڑے ...... دارا شکوہ کا لکھا ہوا (نقل مطابق اصل) حرف آخر نہیں اور نہ ہی تازہ واردان نقد و نظر کے نوادر تحقیق قطعی ہیں۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ کشف المحجوب کے مؤلف بالیقین اسی جگہ دفن ہیں جہاں صدیوں سے ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ سب سے بڑی دلیل تو مجاوروں کے خاندان کی موجودگی ہے جو نسلاً بعد نسل متولی چلا آ رہا ہے۔ پھر ان کے بزرگ (عبداللہ) شیخ ہندی رحمۃ اللہ کا مزار بھی اسی جگہ ہے۔ ان زندہ شہادتوں سے صرف نظر کر کے عقلی اور قیاسی شہادتوں کے ذخیرے ڈھونڈنا نہ جانے کس تاریخی اصول کی شاخ ہے۔ اب اگر دارا شکوہ سے چوک ہو گئی ہے تو اس بحث سے کیا حاصل کہ راوی کہاں بہتا ہے اور کہاں نہیں بہتا تھا یا پھر خواجہ خضر کی کشتی خضری محلے والے کدھر چھوڑتے اور کب چھوڑتے تھے۔ اس قسم کی مباحث سے قلم و دوات کی بیکار صحبتیں تو حاصل ہو سکتی ہیں مگر نتائج کی توقع عبث ہے۔ سورج خود بولتا ہے کہ میں مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف لوٹ جاتا ہوں اور یہ میرا روز مرہ ہے۔"

میاں عبدالرشید: کالم نورِ بصیرت نوائے وقت لاہور ۹ ستمبر ۱۹۹۴ء

"داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے معنی ایسا سخی ہے جو خزانے لٹا دیتا ہے۔ اس میں شرک کی کوئی بات نہیں۔ سورۃ البقرہ کے آخر میں جو دعا سکھائی اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے الفاظ "انت مولانا" آئے ہیں۔ آج کل کے ہمارے علماء مولانا کہلاتے ہیں۔ کئی برس ہوئے ایک مولانا نے یہ ہوائی چھوڑی تھی کہ سید علی ہجویری رحمہ اللہ یہاں مدفون نہیں بلکہ شاہی قلعہ لاہور کے اندر دفن ہیں۔ بعد میں انہوں نے اپنی بات سے رجوع کر لیا تھا۔ آج کل پھر کسی نے اس قسم کا مضمون لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جنہیں کشف القبور حاصل ہے۔ وہ جانتے ہیں بلکہ دیکھتے ہیں کہ حضرت رحمہ اللہ کا

آپ کی آرام گاہ یہی ہے، قلعہ میں مدفون بزرگ کوئی اور ہیں۔''

ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور ۱۰ مارچ ۲۰۰۰ء نے بھی بدیں الفاظ دربار داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی منظر کشی کی ہے۔

''سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے دربار پر دُنیا بھر سے زائرین آتے ہیں۔ پاکستان کا ہی نہیں غالباً یہ دُنیا کا واحد دربار ہے جہاں ۲۴ گھنٹے لنگر جاری رہتا ہے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ اس دربار سے کئی سفید پوش بھی لنگر لے کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ یہاں پر بے پناہ عبادت بھی ہوتی ہے۔ اس قدر قرآن خوانی شاید ہی ملک کے کسی دوسرے دربار پر ہوتی ہو۔''

حضرت حکیم محمد موسیٰ رحمہ اللہ نے اردو ترجمہ کشف المحجوب از مولانا ابو الحسنات کے پیش لفظ میں رقم فرمایا ہے کہ

''یوں تو خطہ ارباب یقین کے قلوب حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے مزار ہیں مگر جہاں بوجہ استراحت ہیں وہ مقام بوسہ گاہِ عالم، قبلہ اہل صفا اور کعبہ عشاق ہے۔ یہاں عوام کے علاوہ ہر وقت اولیائے ظاہرین و مستورین کا ہجوم رہتا ہے... یہ تبلیغ اسلام اور روحانیت کا سب سے بڑا مرکز ہے.. حضرت کا مزار زمانہ قدیم سے مرجع خواص و عوام چلا آرہا ہے۔ بڑے بڑے عارفین اور مرسلین اولیاء یہاں سے فیض یاب ہوئے اور اس خانقاہ کی دھول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا عین سعادت سمجھتے رہے۔''

ڈاکٹر [illegible] مدیر مجلہ معارف اولیاء، جون ۲۰۰۳ء ص ۲۲ پر لکھتے ہیں۔

''لاہور شہر کو جو عظمت، برکات، شہرت اور عروج حاصل ہے وہ حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری رحمہ اللہ کے وجود مسعود سے عطا ہوا ہے۔ آپ کی نسبت سے دنیا اس شہر کو ''داتا کی نگری'' سے یاد کرتی ہے۔ یہ آفتاب کچھ اس انداز سے طلوع ہوا کہ [illegible] ''مرکز تجلیات'' اور ''منبع فیوض و برکات'' ٹھہرا۔''

داتا گنج بخش ٹاؤن (داتا کی نگری) حضرت سیدنا علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمہ اللہ کی نسبت سے شہر لاہور کو داتا کی نگری بھی کہا جاتا ہے۔ سن ۲۰۰۱ء میں پاکستان میں ضلعی حکومتوں کا نظام رائج کیا گیا جس کے تحت لاہور کے چھ ٹاؤن بنا دیئے گئے، ان میں سے ایک کا نام "داتا گنج بخش ٹاؤن" رکھا گیا ہے یہ نہ صرف لاہور بلکہ پاکستان بھر میں سب سے بڑا ٹاؤن ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ سے حکام اور عوام کی عقیدت و محبت کا یہ اظہار کوئی نئی بات نہیں بلکہ صدیوں سے یہی عالم ہے صرف اظہار کے طریقے بدلتے رہتے ہیں۔

اس ارض خاکی پر ایران، افغانستان، بھارت، بنگلہ دیش، ملیشیا، انڈونیشیا، ملایا اور خصوصاً پاکستان، کے مشہور، قصبوں اور دیہاتوں کے محلوں، بازاروں، گلیوں، چوراہوں، عمارتوں، پلازوں، ہوٹلوں، سراؤں، مسجدوں، مدرسوں، سکولوں، رہائشی سکیموں، قدیم و جدید تعلیمی، تنظیمی، تکنیکی، رفاہی و فلاحی اداروں کے علاوہ ہوائی جہاز کمپنی سے لیکر چھوٹی موٹی کمپنیوں اور کاروباری اداروں تک کے نام آپ کے اسم اور القاب و خطابات سے موسوم ہیں جن کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ یہ زمینی حقائق اس بات کا ثبوت ہیں کہ ہر شعبہ ہائے زندگی کے عوام و خواص حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ سے نہ صرف بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں بلکہ آپ کے اسم مبارک کی برکات سے استفادہ کرنے میں فخر و انبساط بھی محسوس کرتے ہیں۔

## مقصدِ ہجویریؒ کی قبولیت

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کشف المحجوب کے خود نوشت مقدمہ کی پہلی فصل میں رقمطراز ہیں کہ "تصنیف و تالیف سے مصنف و مؤلف کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف و تالیف کے ذریعے لوگ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہیں۔"

صاحب کشف المحجوب کا یہ مقصد منظور، مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہوا آج بھی ہزاروں لوگ ہر روز ہر پل صبح و شام آپ کے موجودہ مزار پر حاضر ہو کر دعائے خیر کرتے

ہیں اور شب کو ایصال ثواب کیلئے مزار پر عقیدت مند [illegible] اور انواع و اقسام کی
مٹھائیاں وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں لاکھوں روپے کے نقد نذرانہ جات اکثر
عقیدت مند [illegible] مزار مبارک کے احاطہ میں رکھے صندوقوں میں ڈالتے ہیں۔

## مرکز تجلیات روحانی

ساڑھے تین سو سال سے متواتر مسلسل دنیا بھر سے عوام و خواص، شاہ و گدا،
عالم و جاہل، امیر، فقیر اور علماء و مشائخ فیوض و برکات کے حصول کیلئے بلا جبر و اکراہ،
[illegible] کے عالم میں شب و روز اس مزار مبارک پر حاضر ہوتے ہیں۔ جہاں نمازوں
[illegible] کے علاوہ قرآن خوانی، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، رسول اللہ ﷺ کی شان
[illegible] منقبت خوانی، اولیاء کرام کے ذکر و فکر کی پاکیزہ محافل ہمہ وقت برپا
[illegible] مٹھائیوں کیلئے مہکتے پھولوں کے ساتھ ساتھ عقیدت کے پھول بھی
[illegible] ہوں ایسے مقدس، محترم ہستی اور مرکز تجلیات روحانی کے متعلق ہرزہ
[illegible] قسم کے شک و شبہ کا اظہار کرنا، اسے جعلی قرار دینا نہ صرف یہ کہ
سراسر حقائق کو مسخ کرنے کی شر انگیز احمقانہ حرکت ہے جو قابل مذمت
[illegible] کیلئے ناقابل برداشت ہے۔ راقم مودبانہ عرض پرداز ہے کہ

قلم و کلام کو شر انگیزی سے پاک رکھیں
علم و عمل سے ناطہ [illegible] رکھیں

## چوتھا باب

# مُرشدِ طریقت اور اساتذۂ کرام

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی ارادت وخلافت حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمہ اللہ سے تھی۔ اپنے مرشد کے بارے میں خصوصی تعارف کشف المحجوب میں یوں رقم فرمایا ہے۔

"حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمہ اللہ صوفیائے متاخرین میں سے عابدوں کے شیخ اور اولیاء کی زینت تھے۔ علم تفسیر اور حدیث کے عالم تھے اور تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے مسلک پر تھے۔ طریقت میں میری بیعت ان سے ہے۔ حضرت حصری رحمہ اللہ کے ہمراز و مرید تھے، ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن سالبہ رحمہم اللہ کے ہمعصر تھے، ساٹھ سال تک پہاڑوں میں گوشہ نشین رہے تاکہ خلقت سے دور رہیں۔ ان کا زیادہ تر قیام کوہ لکام میں رہا۔ طویل عمر پائی۔ ان کی ولایت کی علامتیں واضح اور روشن تھیں۔ صوفیاء کی رسوم اور لباس کے پابند نہ تھے، رسم و رواج کے اسیر صوفیاء سے سختی سے پیش آتے... میں نے ان سے زیادہ بارعب اور پُروقار کوئی آدمی نہیں دیکھا"

شیخ ہجویری رحمہ اللہ کے مُرشد کے مزید اقوال اور
پند و نصائح آٹھویں باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

### ہم عصر مشائخ و صوفیاء

حضرت سید ہجویری رحمہ اللہ کشف المحجوب (تہران) کے ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷ صفحات پر رقم فرمایا ہے کہ "اہلِ رسم کو چھوڑ کر اپنے عہد کے ان صوفیاء مشائخ کے حالات لکھتا ہوں جو ارباب معانی اور محرمِ اسرار الٰہی ہیں۔"

## صوفیائے غزنی

''حضرت ابو الفضل بن اسد، حضرت اسماعیل الشاشی، حضرت شیخ سالار طبری، حضرۃ ابوعبداللہ محمد بن الحکیم المعروف بہ مرید حضرۃ سعید بن ابی سعید العیار، حضرۃ ابو العلاء عبدالرحیم ابن احمد سعدی، حضرۃ اوحد قسورہ بن محمد گردیزی رحمہم اللہ۔''

## صوفیائے فارس

''حضرت ابوالحسن صالبہ، حضرت ابو طالب، حضرت ابواسحاق رحمہم اللہ۔''

## صوفیائے خراسان

''حضرت ابو العباس سرمغانی، حضرت ابو جعفر محمد بن علی الجوینی (الجواری) حضرت ابوجعفر ترشیزی، خواجہ محمود نیشاپوری، حضرت محمد معشوق، حضرت سید مظفر ابن شیخ ابوسعید، حضرت احمد حماد سرخسی، حضرت احمد بخار سمرقندی، حضرۃ ابوالحسن علی ابنِ علی الاسود رحمہم اللہ۔ حضرۃ ہجویریؒ نے خراسان میں تین صد مشائخ وصوفیاء سے ملاقات فرمائی۔

## صوفیائے ماوراالنہر

''حضرت ابوجعفر محمد بن الحسین الحرمی، حضرت ابو محمد باثغری، حضرت محمد ایلاقی، حضرت خواجہ عارف، حضرت علی ابن اسحاق رحمہم اللہ۔''

## صوفیائے کرمان

''شیخ علی ابن الحسین السیر کانی، حضرت محمد بن سلمہ رحمہم اللہ۔''

## صوفیائے شام وعراق

حضرت زکی بن علاء، حضرت ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی، حضرت ابو القاسم سدی رحمہم اللہ۔''

## صوفیائے قہستان، آذربائیجان، طبرستان اور کمش

''حضرت ابو طاہر مشوف، حضرت خواجہ حسین سمنانی، حضرت شیخ سہلکی، احمد شیخ خرقانی، حضرت ادیب کمندی، حضرت شیخ ابو عبداللہ جنید، حضرت بادشاہ تائب، حضرت شیخ شفیق فرخ معروف بہ اخی زنجانی رحمہم اللہ''

کشف المحجوب میں مختلف جگہوں پر متذکرہ بالا بزرگوں سے ملاقاتیں اور زیارات قبور کا ذکر موجود ہے۔

## اساتذہ کرام

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے دور میں عصر حاضر کی طرح علم و ہنر کی تعلیم و تربیت کیلئے باقاعدہ نصاب، مکاتب اور ادارے عام نہ تھے اور نہ ہی پیشہ ورانہ تدریس کا کوئی رواج تھا۔ عام طور پر مساجد میں قرآن ناظرہ پڑھایا جاتا تھا۔ وسائل و مسائل کے اعتبار سے دور حاضر کی طرح ہر کہ و مہ کیلئے علم حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ طالب علم خود اپنی سعی و کوشش سے دور و نزدیک کے فاضل اہل علم و فن کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پیاس بجھاتا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت غزنی میں اپنے نامور علمی گھرانے میں ہوئی۔ بعد از وفات امیہ محترمہ آپ نے علم و عرفان کے حصول کیلئے وطن سے دور عالم اسلام کے دیگر شہروں میں معروف و غیر معروف سینکڑوں علماء و مشائخ سے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے تقریباً بیس برس بلاد اسلامیہ میں علمی، عرفانی اور روحانی منازل طے کیں اور پھر واپس اپنے وطن غزنی تشریف لے آئے تھوڑا عرصہ یہاں گزارا۔ ۴۳۱ھ میں رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام کیلئے لاہور تشریف لے آئے، جہاں پر لوگوں کو توحید آشنا کرنے کی سخت ضرورت تھی۔

آپ نے اپنی عمر کا پہلا نصف حصہ حصول علم و عرفان میں گزارا۔ سینکڑوں اہل علم اور صاحب طریقت افراد سے استفادہ فرمایا جن کا فرداً فرداً نام لکھنا ممکن نہیں البتہ آپ کے چند معروف اساتذہ کرام کے اسماء مبارک درج ذیل ہیں۔

حضرت ابو سعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمد المہنی م ۴۴۰ھ اور حضرت ابوالفضل محمد

بن الحسن الختلی م ۴۶۰ھ ☆ حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی م ۴۶۴ھ ☆ حضرت عبدالکریم ابوالقاسم بن ہوازن القشیری م ۴۶۵ھ ☆ حضرت ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی ☆ حضرت ابو عبداللہ محمد بن علی الداغستانی ☆ حضرت ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدان ☆ حضرت ابوالعباس بن محمد شقانی (اشتانی) م ۴۷۹ھ رحمہم اللہ

## ارشادِ گنج بخشؒ

"حقیقت یہ ہے کہ وہ اہل طریقت جو محض رسم و رواج کے پابند ہوں بالآخر تباہ ہو جاتے ہیں۔ مگر سچے اہل طریقت کبھی تباہ نہیں ہوتے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ گمراہ و بے ہودہ لوگ خواہ وہ اپنے لہو و لعب کو پوشیدہ رکھنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں وہ کسی صورت پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔"

☆☆☆☆

## پانچواں باب

# ازدواجی زندگی

حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کے خاندان کی سینہ بسینہ روایت کے مطابق حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کا نکاح اوائل عمر میں والدین کی منشا اور خواہش کے مطابق جلاب میں قریبی عزیزوں میں ہوا۔ شادی کے تھوڑے عرصہ بعد قضائے الٰہی سے اہلیہ محترمہ کا وصال ہو گیا ان سے آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے بعد آپ نے ساری زندگی عقد ثانی نہ کیا۔

کشف المحجوب میں آداب نکاح و تجرد میں حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ نے فرمایا۔

"ایک جماعت مجرد اور سبک بار رہنے کو زیادہ پسند کرتی ہے۔
یہ لوگ اس حدیث سے اپنے لئے رعایت پیدا کرتے ہیں"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"آخرت میں خفیف الحال (سبک بار) شخص فائدے میں رہے گا، پوچھا یا رسول اللہ ﷺ خفیف الحال سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جس کے بیوی بچے نہ ہوں۔"

شیخ ہجویری رحمۃ اللہ نے فرمایا:

"درویش کو چاہیے کہ نکاح کرنے یا مجرد رہنے کی خوبیوں اور خرابیوں پر خوب غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے جسے وہ آسانی سے نباہ سکتا ہو۔"

نیز فرمایا

"مشائخ طریقت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جنگے دل آفت سے پاک اور

طبیعت خواہشاتِ نفسانی سے آزاد ہو، اُن کا مجرد رہنا افضل و بہتر ہے۔"

نیز فرمایا" خلاصہ یہ کہ بندے کی ہلاکت نکاح کرنے میں ہے نہ مجرد رہنے میں بلکہ خواہشات نفسانی کی پیروی اور اپنے اختیار کو بروئے کار لانے میں ہے۔ اہل وعیال کی موجودگی میں ان کے دُکھ درد سے غافل نہ رہے۔ ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، رزقِ حلال مہیا کرے اور انکی ضروریات پوری کرنے میں ظالموں اور بادشاہوں کی خوشامد و حاشیہ برداری نہ کرے۔"

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی ازدواجی زندگی پر کشف المحجوب سے آداب نکاح و تجرد کی درج ذیل عبارت سے روشنی پڑتی ہے۔

"گیارہ سال تک شادی کی آزمائش سے اللہ تعالیٰ نے مجھ (علی بن عثمان) کو محفوظ رکھا مگر تقدیر الٰہی میرا ظاہر و باطن اس (ایک عورت) کی خوبیوں کا اسیر ہو گیا جو دوسروں نے مجھے بتائی تھیں اور اسے دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اُس کے خیال میں مستغرق رہا۔ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لُطف و کرم سے میرے دل کو اس کو عصمت اور اپنی رحمت سے نجات عطا فرمائی۔"

یہ عبارت وضاحت کرتی ہے کہ آپ نے ایک شادی کی، بیوی کی وفات کے گیارہ سال بعد ایک ان دیکھی عورت جو صفات و اوصاف کی پیکر بیان کی جاتی تھی، ایک سال تک موصوفہ کے خیال میں مبتلا رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کا خیال آپ کے دل سے محو فرما دیا۔ اس عبارت سے حضرت کی ازدواجی زندگی کے متعلق تذکرہ نگاروں نے اپنے اپنے فہم کے مطابق مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

## شادی کے بارے قیاس آرائیاں

پروفیسر رینالڈ اے نکلسن نے انگریزی ترجمہ کشف المحجوب کے دیباچہ ص ۱۰ پر

لکھا ہے کہ

"ازدواجی زندگی کے متعلق انکا (علی بن عثمان) تجربہ بہت مختصر اور ناخوشگوار تھا"

سید صباح الدین عبدالرحمن نے بزم صوفیا ص ۷۰ پر قیاس کیا ہے کہ

"حضرت سید علی ہجویری تعلقات زناشوئی سے پاک رہے۔"

مولانا محمد دین فوق، داتا گنج بخش ص ۱۳ پر تحریر کرتے ہیں کہ

"آپ کی پہلی شادی والدین کی موجودگی اور دوسری شادی بھی یقیناً ان کی موجودگی اور اصرار سے ہوئی ہوگی۔"

عبدالماجد دریابادی نے تصوف اسلام ص ۷۴ پر اپنی رائے دی ہے کہ

"معلوم ہوتا ہے کہ قید ازدواج سے ہمیشہ آزاد ہی رہے۔"

سیّد ہاشمی فرید آبادی نے مآثر لاہور ص ۲۰۴ پر اپنی معلومات کے مطابق بیان کیا ہے کہ

"جہاں تک معلوم ہے داتا صاحب نے شادی نہیں کی، تجرد میں زندگی گزاری۔"

ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے پاکستان میں فارسی ادب ص ۱۲۴ پر قیاس کیا ہے کہ

"حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ نے شادی نہیں کی اور ساری زندگی تجرد میں گزاری۔"

حکیم محمد موسیٰ نے دیباچہ کشف المحجوب اردو ترجمہ ص ۲۱ پر محققانہ رائے دی ہے کہ

"حضرت نے ایک شادی کی تھی ... دوسری شادی کا افسانہ محض اختراع صنع ہے۔"

میاں طفیل محمد نے اُردو ترجمہ کشف المحجوب ص ۴۲ پر لکھا ہے کہ

"آپ چونکہ اپنی عمر کا بیشتر حصہ تبلیغ اسلام اور حصولِ عرفان کیلئے سفر اور مسافرت میں رہے اسلئے آپ نے شادی نہیں کی بلکہ تجرد کی زندگی گزاری۔"

مولانا متین ہاشمی نے سید ہجویر ص ۲۰۵ پر اظہارِ خیال کیا ہے کہ

"آپ نے اپنے لئے راہ تجرید ہی منتخب فرمائی اور ساری زندگی اس پر کاربند

رہے۔"

مولانا شمس بریلوی نے دیباچہ کشف المحجوب اُردو ترجمہ ص ۱۱ پر بیان کیا ہے کہ
"آپ نے ایک شادی کی اور جب کچھ مدت بعد ان سے
مفارکت ہوگئی تو پھر آپ نے تا زیست دوسری شادی نہیں کی۔"
غلام جیلانی مخدوم نے سیرت گنج بخش ص ۱۱ پر رقم کیا ہے کہ
"قید ازدواج سے ہمیشہ آزادی رہی۔"
پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی نے داتا گنج بخش (انگریزی) میں لکھا ہے کہ
"آپ نے ایک ہی شادی کی تھی اور اہلیہ کی
وفات کے بعد آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔"
اعجاز الحق قدوسی نے اقبال کے محبوب صوفیاء میں تحریر کیا ہے کہ
"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی"
عالم فقری نے تذکرہ صوفیاء ص ۶۲ پر قیاس کیا ہے کہ
"حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ نے دو نکاح کیے۔"
ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی نے پیش گفتار بر کشف المحجوب فارسی تحریر کیا ہے کہ
"حضرت امام ہجویری کو تمام لوگ ترغیب دیتے تھے کہ وہ تجرد کی زندگی
چھوڑ کر ازدواجی زندگی کا آغاز کریں ...... اس طرح ایک مدت آپ نے
شادی کے مسئلہ پہ غور کیا لیکن پھر بھی شادی کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔"

## دوسرا نکاح نہ کرنے کا سبب

بعض لوگوں نے حضرت کی مجردانہ زندگی کا سبب، پہلی شادی کا تلخ و ناگوار تجربہ بتایا ہے۔ حالانکہ اہلیہ محترمہ کی وفات کے بعد دوسری شادی نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ آپ کا وطن سے دور علم و عرفان کے حصول کیلئے عالم اسلام کا غیر معینہ مدت کیلئے سفر اختیار کرنے کا مصمم ارادہ تھا۔ اس دور کی سفری صعوبتیں برداشت کرنا کسی

عام فرد یا خاتون کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لئے آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ دوسری شادی کر کے بیوی بچوں کو اپنا ہمسفر بنا کر امتحان میں ڈالتے یا انہیں صدمہ مفارقت دے کر خود سفر پر روانہ ہو جاتے۔ دونوں صورتوں میں اہل و عیال سے ناانصافی اور حقوق کی ادائیگی سے فرار کا خدشہ تھا۔

مجردانہ صورت میں شہوت کا ہیجان اور حرام میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے دونوں صورتوں پر غور و خوض کیا۔ چونکہ آپ کو بفضلِ تعالیٰ نفس پر قابو حاصل تھا اس لئے آپ نے ایک عظیم مقصد حصولِ علم و عرفان اور تبلیغ اسلام کی خاطر نہ صرف وطن چھوڑ کر اپنے گھر کا آرام و آسائش ترک کیا بلکہ اہل و عیال کے موجود ہونے پر اُن کے حقوق سے ناانصافی کے خدشہ کے پیش نظر دوسرا نکاح نہ کرنے اور مجردانہ زندگی اختیار کرنے کو ہی مناسب سمجھا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ عورت ہی کے خلاف تھے اس لئے شادی و نکاح کا تو سوال ہی نہیں اُٹھتا۔ اس بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ راقم الحروف کے جدِ اعلیٰ حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کو حلقہ بگوشِ اسلام کرنے کے بعد حضرت شیخ ہجویری رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ پر بیعت فرمایا اور کبر سنی کے باوجود ان کا نکاح ایک پاکیزہ صفات خاتون فاطمہ سے خود پڑھایا؛ حالانکہ حضرۃ عبداللہ (رائے راجو) قبولِ اسلام سے قبل مجردانہ زندگی گزار رہے تھے۔ حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کا اس نکاح کے بعد ہی سلسلہ نسب قائم ہوا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ اگر عورت اور شادی ہی کے خلاف ہوتے تو اپنے مُرید اور خادمِ خاص کا نکاح کرنے کی بجائے اُسے مجرد رہنے کی تلقین فرماتے۔ حضرت والاشان کی دُعا سے حضرۃ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کو واحد اولادِ نرینہ عطا ہوئی۔ اس خوش نصیب بچے کا نام خود حضرت نے لطف اللہ (لطفی) رکھا اور اُسے پدرانہ شفقت کے انداز میں لاڈ لڈاتے اور گود میں کھلاتے رہے۔ ثابت ہوا ہے کہ حضرت نے کسی خلقی جذبہ کے تحت نہیں بلکہ خاص وجوہ کی بنا پر اپنے لئے مجردانہ زندگی اختیار فرمائی۔

## حلیہ ولباس مبارک

خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی روایت کے مطابق حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا حلیہ مبارک یوں تھا۔ قد میانہ جسم سڈول اور گٹھا ہوا۔ جسم کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی تھیں۔ فراخ سینہ اور پاؤں مناسب، چہرہ زیادہ گول تھا نہ لمبا۔ سرخ و سفید چہرہ، کشادہ جبیں اور بال سیاہ و سفید گھنے، بڑی اور غلافی آنکھوں پر خمدار گھنی ابرو، ستواں ناک اور درمیانے ہونٹ، رخسار ابھرے ہوئے، ریش مبارک گھنی، مضبوط اور چوڑے شانوں پر اٹھتی ہوئی گردن، کلائیاں گول اور بھری ہوئیں اور ہاتھ پاؤں میانہ تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی جاذب نظر اور پرکشش تھی۔ (سرتاج اولیاء ص ۴۵)

### لباس

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ تن ڈھانپنے کیلئے کسی خاص وضع قطع کے لباس کا تکلف نہ فرماتے تھے بلکہ جو میسر آتا تھا پہن لیتے تھے۔ آپ نے کشف المحجوب میں فرمایا!

"ایک جماعت ایسی بھی ہے جس نے لباس کے بارے میں تکلف نہیں کیا۔ رب تعالیٰ نے انہیں گدڑی دی تو زیب تن کر لی، اگر قبا دی تو پہن لی اور اگر برہنہ رکھا تو برہنگی میں بھی صبر و شکر ادا کیا۔ میں نے اسی مسلک اعتدال کو اختیار کر رکھا ہے اور لباس کے بارے میں مجھے یہی طریقہ پسند ہے۔" (کشف المحجوب)

مزید فرمایا! "کوئی شخص فقیرانہ لباس اگر اس لئے پہنتا ہے کہ اللہ ﷻ کے حضور اس کے خاص بندوں میں اس کا شمار ہو تو اللہ ﷻ خاص لباس کے بغیر بھی اپنے بندوں کو جانتا ہے۔ اگر کوئی خاص لباس اس لئے پہنتا ہے کہ مخلوق اسے اللہ کا ولی سمجھے اس صورت میں اگر وہ واقعی اللہ کا ولی ہے تو یہ ریا ہے اور اگر وہ فی الحقیقت اللہ کا ولی نہیں تو یہ منافقت ہے۔ یہ راستہ انتہائی دشوار اور پر خطر ہے۔ اہل حق اس سے بلند و بالا ہیں کہ ان کی معرفت اور شناخت کسی قسم کے کپڑوں سے کی جائے۔" (کشف المحجوب)

مزید فرمایا! ''اگر خرقہ پہنانے والا میدانِ طریقت میں ایسی قوت کا مالک ہو کہ ایک ہی نگاہِ شفقت سے بیگانے کو آشنا کر دے تو ایسی ہستی اگر کسی گناہ گار کو خرقہ پہنا دے تو وہ اولیاء اللہ میں سے ہو جائے۔'' حضور داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے جب رائے راجو کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا تو اس کا جوگیانہ لباس اتروا کر اپنا پیرہن زیب تن کرا دیا اور اس شفقت سے رائے راجو فوراً حق آشنا ہو گیا اور شیخ ہندی کے لقب سے نامور ہو گیا۔

مزید فرمایا! ''صوفیاء کا کوئی لباس مقرر نہیں، کبھی گدڑی اوڑھ لیتے، کبھی پشم کا لباس اور کبھی سفید لباس زیب تن کرتے، غرضیکہ جیسا لباس میسر آتا پہن لیتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جلد ہی کسی چیز کا عادی ہو جاتا ہے اور اسے اس چیز سے الفت ہو جاتی ہے۔ جب کوئی عادت پختہ ہو جائے تو وہ طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اس طرح وہ بندے اور اللہ ﷻ کے درمیان حجاب بن جاتی ہے۔'' کشف المحجوب

مزید فرمایا! ''میں (علی بن عثمان جلابی) نے لباسِ صوفیاء کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے ہر سالک راہ کو چاہیے کہ وہ اس کا ایک نسخہ برائے مطالعہ اپنے پاس رکھے۔'' افسوس کہ کشف المحجوب کے سوا آپ کی کوئی کتاب دستیاب نہیں۔

☆☆☆

## ارشادِ گنج بخش رحمہ اللہ

''ملحدین کے ایک گروہ نے اس خیال سے صوفیاء کرام سے اپنا تعلق قائم کر لیا کہ صوفیاء کے معنوی حسن و جمال کی بدولت اپنے آپ کو زمانے کے مصائب سے بچائیں اور صوفیاء کے اعزاز و اکرام کے سائے میں اپنی زندگیاں بسر کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام صوفیاء کو ان پر قیاس کر لیا جائے اور ان کے متعلق بحث و مباحثہ کی جنگ چھیڑ کر حقیقی صوفیاء کی بے توقیری کی جائے۔''

چھٹا باب

# کشف المحجوب

## رُشد و ہدایت کا خزینہ

کشف المحجوب کا تصوف کی کتابوں میں کیا مقام ہے یا ایک ہزار سال سے اہلِ علم نے انسانی عقائد و اخلاق کے ضمن میں اسے کیا اہمیت دی ہے؟ اس کا جائزہ لینے کیلئے کشف المحجوب کا دوسری کتب ہائے تصوف کے ساتھ تقابلی موازنہ، تصوف کی ہزار سالہ تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنا پڑیگی جسکی یہاں گنجائش نہیں خلاصہ کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ حضرت سید علی ہجویری نے اپنی اس کتاب میں عقلی اور فلسفیانہ پیچیدہ مباحث کے برعکس انتہائی سادہ اور قرآنی انداز میں خالصتاً اسلام کی دعوت دی ہے۔ بڑے زور شور اور جوش و خروش کے ساتھ شریعت و سنت کی حاکمیت کا غلغلہ برپا کیا ہے وہ شریعت سے ہٹ کر عمل کا ایک معمولی قدم یا سوچ کا ایک ادنیٰ تصور بھی نہیں کرتے۔

### وجہ تسمیہ - کشف المحجوب

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کشف المحجوب کے خود نوشتہ مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ "میں نے اس کتاب کا نام کشف المحجوب رکھا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ کتاب کا نام کتاب کے مضامین کا تعارف کرا دے، خاص طور پر اہلِ بصیرت جونہی کتاب کا نام سنیں انہیں فوراً معلوم ہو جائے کہ یہ کتاب فلاں فن میں ہے۔ خیال ہے کہ اولیاء اللہ اور مقربین بارگاہ کے سوا باقی تمام لوگ ذات باری کے متعلق حجابات اور پردوں میں ہیں۔ چونکہ یہ کتاب راہ حقیقت کو واضح کرتی ہے کلمات الٰہی کی تشریح کرتی ہے اور بشری پردے اٹھاتی ہے اس لئے یہ نام اس کیلئے انتہائی موزوں ہے۔"

کشف المحجوب خاص طور پر حقیقت کے متلاشی اور باہمت لوگوں کی راہنمائی کیلئے لکھی گئی ہے اور اس میں شریعت و طریقت میں توازن و ہم آہنگی برقرار رکھنے والے صوفیانہ عمل کی راہیں متعین کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ کشف المحجوب کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ذاتِ باری تعالیٰ میں اس قدر فنا کردے کہ اس کا ہر فعل اور عمل اس کے اپنے ارادے اور کسب سے نہیں بلکہ منشاء ربانی سے ظہور پذیر ہو اور اس کی اپنی حیثیت اُس پُتلی کی رہ جائے جسے اس کا مالک ڈور کے ذریعے ہلا رہا ہوتا ہے۔

## کشف المحجوب کی اہمیت و افادیت

کشف المحجوب علومِ تصوف پر فارسی زبان کی وہ عظیم تصنیف ہے جسے تصوف کے آئین کا درجہ دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ تصوف کے ارتقائی منازل کی ایسی پُر تاثیر اور نادر کتاب ہے جو شریعت و طریقت کے قواعد و ضوابط عارفانہ اسرار و رموز اور صوفیانہ فکر و نظر کے متعلق ہر دور میں عظیم تخلیق قرار دی گئی ہے۔ اس گنجینۂ رشد و ہدایت سے مستفید ہونے اور حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کا تذکرہ کرنے والے چند صاحبِ تصنیف اکابرین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) کے ملفوظات فوائد الفواد مرتبہ امیر حسن علاء سجزی، دُرِ نظامی مرتبہ علی محمود جاندار ☆ حضرت شیخ فرید الدین عطار (م ۶۲۷ھ) مصنف تذکرۃ الاولیاء ☆ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری (م ۷۸۲ھ) اپنے مکتوبات میں ذکر ☆ حضرت خواجہ محمد پارسا (م ۸۲۲ھ) مصنف فصل الخطاب ☆ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۲۵ھ) ملفوظات لطائف اشرفی ☆ حضرت خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) مکاتیب میں ذکر ☆ حضرت خواجہ یعقوب چرخی مصنف رسالہ ابدالیہ ☆ حضرت سید محمد نور بخش القہستانی (م ۸۶۹ھ) مصنف مشجر الاولیاء ☆ شیخ محمد اکرم صابری (م ۱۱۵۹ھ) مصنف اقتباس الانوار۔

## کشف المحجوب کی شان میں حروفِ تحسین

حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی رحمہ اللہ (م ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کا ارشاد ہے۔ ''اگر کسی کا پیر نہ ہو تو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے اسے پیر کامل مل جائیگا''۔

در نظامی (ملفوظات) مرتبہ شیخ علی محمود جاندار

''یہ مرشد کامل ہے اور تصوف کی کتابوں میں فارسی زبان میں اس خوبی کی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔''

سفینۃ الاولیاء از دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ھ)

''یہ کتاب اس فن کی مشہور و معتبر کتابوں میں سے ہے۔''

نفحات الانس از مولانا عبدالرحمن جامی (م ۸۸۳ھ)

''کشف المحجوب میں تصوف کی جو تعلیمات بتائی گئی ہیں وہ ہندوستان کے تمام صوفیائے کرام کیلیے مشعل ہدایت بنی رہی، اسی لئے یہ کتاب تصوف کی انجیل اور قاعدہ سمجھی جاتی ہے۔''

فکر اسلامی کی تشکیل جدید از سید صباح الدین عبدالرحمن

''مولانا مودودی صاحب ہی سے سن رکھا تھا کہ اہلِ طریقت میں حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمہ اللہ ایک صحیح الخیال اور بہت بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ جنہیں اس دور کے سبھی لوگ مقتداء مانتے ہیں اور ان کی تصنیف کشف المحجوب اس فن میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر اس کتاب کو عام لوگوں کیلیے قابل فہم بنا دیا جائے تو آدمی کی کایا پلٹ دینے والی کتابوں میں سے یہ ایک نادر کتاب ہے۔''

دیباچہ کشف المحجوب (اردو) مترجم میاں طفیل محمد

''کتاب کی حیثیت محض مجموعہ روایات و حکایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف ہے۔''

تصوف اسلام از مولانا عبدالماجد دریابادی

''حضرت داتا گنج بخش کے ارشادات گرامی و افاضات عالی (کشف المحجوب) بجائے خود مرشد کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

دیباچہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری کشف المحجوب اردو ترجمہ ابوالحسنات

''اہل علم اور اہل باطن نے اس کتاب کی اہمیت و فضیلت کو تسلیم کیا ہے۔''

پاکستان میں فارسی ادب از ڈاکٹر ظہور الدین احمد

''کشف المحجوب'' ایمان افروز، روح پرور، جہالت شکن، صدیاتِ اسرار و معارف پر مبنی کتاب ہے جس سے حقیقت کے متلاشی سیراب اور شاد کام ہوتے ہیں۔ ایسا بحر رواں ہے جس میں جاہل غوطہ زن ہو تو عالم بن جاتا ہے۔ عالم اس کی گہرائی میں اُترے تو عارف ہو جاتا ہے اور اگر عارف غواصی کرے تو مقام ولایت پر پہنچ جاتا ہے مختصراً یہ کہ اس میں جو ڈوب گیا حیات جاوداں پا گیا۔ شکوک و شبہات کے پردے اُٹھا دینا تو کشف المحجوب کی عام تاثیر ہے۔ اس کی افادیت ہر دور میں رہے گی۔''

حیات و تعلیمات حضرت داتا گنج بخش از ابوالعصم حماد تبریزی

''کشف المحجوب کے بارے میں میں کوئی تبصرہ کروں میری یہ بساط نہیں تاہم میں اتنی بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ ایک ایسی تصنیف ہے جس نے اسلامی اور غیر اسلامی تصوف کے درمیان واضح حد فاصل قائم کر دی ہے۔ تصوف کو عجمیت کی پیداوار قرار دینے والوں سے گذارش ہے کہ وہ کشف المحجوب کا مطالعہ فرمائیں اور بتائیں کہ اس میں ایسی کون سی بات لکھی ہے جس سے درآمدی نظریات کا معمولی سا بھی اشارہ ملتا ہے۔ کشف المحجوب ایک عہد آفریں کتاب ہے اس کی موجودگی میں کسی چیز کی تشنگی محسوس نہیں ہوتی لیکن میرے نزدیک یہ کتاب کی خوبی نہیں بلکہ صاحب کتاب کی درویشی، دینی تڑپ، سوز اور ملت اسلامیہ کے ساتھ ان کی دردمندی کا سارا حسن سمٹ کر کتاب میں آ گیا ہے۔ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ روایتی طرز کے عالم اور

صوفی کی بجائے ایک ایسے دیدہ ور مفکر اور صائب الرائے مجتہد نظر آتے ہیں جن کی تحریر میں سطر سطر سے ان کا علمی تبحر پھوٹا پڑتا ہے۔

سید محمد فاروق القادری ایم اے عربی، اسلامیات گولڈ میڈلسٹ پنجاب یونیورسٹی

"کشف المحجوب وہ چراغِ ہدایت ہے جسکی روشنی دس صدیاں گذر جانے پر بھی ماند نہیں پڑی۔ اسلئے کہ یہ کتاب اسلامی عقائد و نظریات، شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت، عارفانہ اسرار و رموز، اولیائے متقدمین کے حالات و تعلیمات اور صوفیانہ واردات و کیفیات کا حسین مُرقع ہے۔"

مقالہ از پروفیسر بشیر احمد قادری گورنمنٹ کالج لاہور

"حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ اولیائے متقدمین میں سے جامع علوم تھے۔ انہوں نے ادبیات کی تکمیل کے بعد سلوک کی منزلیں اس ذوق اور وارفتگی سے طے کیں کہ ان کی عظمت کا نقش ہر دل پر ہویدا ہونے لگا۔ کشف المحجوب ان کے علم کی دلیل اور ذوق معرفت کا روشن حوالہ ہے جس میں مسائل تصوف کی تفہیم اور دینی راہنمائی کا ایسا دلکش اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ یہ کتاب بذاتِ خود ایک "رہنما" نشان بن گئی ہے یعنی کہ کشف المحجوب قبابات علمیہ کیلئے قندیل نور بھی ہے اور سرگرداں و متحیر انسانوں کیلئے مشعلِ راہ بھی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ کتاب آفتاب ہدایت ہے جس کی ہر کرن لو دیتی ہے اور پیشوائی کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔"

مقالہ از پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی پرنسپل محی الدین یونیورسٹی آزاد کشمیر

"ایک سالک معرفت نے تصوف کی بابت آپ سے کچھ سوالات کئے جس پر حضرت داتا صاحب نے مختصر جواب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آنے والی نسلوں کے ذہنی، روحانی اطمینان کے لیے یہ لافانی شاہکار کتاب کشف المحجوب قلم بند فرمائی جس میں آپ کے افکار و نکتے و خیالات ہیں جنہیں پڑھ کر انسان کا یقین پختہ، ایمان تازہ، ذوق پاکیزہ اور دل روشن ہو جاتا ہے یا الغرض کشف المحجوب ایک زبردست علمی خطیہ روحانی

سوغات اور انقلاب آفریں کتاب ہے''۔

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی روزنامہ پاکستان لاہور ١٧ جولائی ١٩٩٥ء۔

''کشف المحجوب فارسی نثر میں نہ صرف اسلامی تصوف بلکہ تصوف کے موضوع پر قدیم ترین اور مستند ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے''

انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا از قاسم محمود

دُنیائے تصوف و معرفت میں کشف المحجوب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور تصوف کے موضوع پر فارسی زبان میں سب سے پہلی فقید المثال دستاویز ہے جس کے مطالعہ سے کئی بھٹکی ہوئی روحیں راہ حقیقت پر گامزن ہو چکی ہیں''

سیّدنا علی بن عثمان ہجویری از فدا حسین فدا ماہنامہ مردانِ حُر لاہور

''کشف المحجوب شریعت وطریقت اور معرفت وحقیقت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے۔ کاملین کیلئے رہنما ہے تو عوام کیلئے پیر کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ اس کے مطالعہ سے دولت عرفان و ایقان حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بار بار مطالعہ سے حجابات اُٹھ کر نئے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔''

تذکرہ حضرت مخدوم علی ہجویری از علامہ سیّد محمود احمد رضوی

''حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی تصنیف کشف المحجوب نے آخر کار مستشرقین کے حجاب بھی کافور کر دیئے، اسی کے مطالعہ سے اثر پذیر ہو کر نکلسن، آربری (برطانوی) اور لوئی میسی نون (فرانسیسی) وغیرہ کو کہنا پڑا کہ تصوف کا ماخذ قرآن وحدیث ہے اور یہ اخلاقی و روحانی فکری تحریک خالص اسلامی تحریک ہے۔ حضرت داتا صاحب نے یہ گنج بخشی فرمائی کہ اس تصنیف کو قلم بند فرمایا اور اسی خزینہ معرفت کو غیر اسلامی سکول سے الگ کر کے دکھایا۔ آپ نے بتایا جو شے منافی اسلام ہے وہ زندقہ ہے الحاد ہے، جوگیا پن ہے، رہبانیت ہے اور وہ تصوف رحمانی نہیں ہے، وہ فکر یونانی ہے''

مخدوم علی ممتاز ولی از مولانا محمد بخش مسلم ماہنامہ گنج بخش لاہور مارچ ١٩٨٣

"کشف المحجوب دُنیائے تصوف میں ایک نہایت ہی بلند پایہ کتاب ہے اور اس کی روشنی میں ہزاروں کُتب مُرتب کی گئی ہیں۔ سالکینِ طریقت کی تربیت کے علاوہ اہل اللہ نے بھی اسے اپنے مطالعہ میں رکھا اور استفادہ کیا۔ اس کی وسیع پیمانے پر نشرو اشاعت کے سبب سے دُنیا کے ہر خطے کا انسان اس کے معارف وعرفان سے رہنمائی حاصل کرنے لگا ہے۔"

تصوف گنج بخش از علامہ اقبال احمد فاروقی ماہنامہ گنج بخش لاہور جون ۱۹۸۷ء

"آپ نے کشف المحجوب جیسی شاہکار تصنیف کے ذریعے رہتی دُنیا تک کیلئے سالکانِ راہ حق کو ایک نصاب عطا کر دیا، اس میں زندگی اور زندہ رہنے کی وہ راہیں ملتی ہیں جو کہ عدم آموز انسانیت کو منزل آشنا اور ارتقاء پذیر بہمیت کا سر چشمہ بن سکتی ہیں۔"

جہانِ حقیقت از پروفیسر اسرار بخاری ماہنامہ گنج بخش لاہور اکتوبر ۱۹۹۶ء

"حضرت داتا گنج بخش کے فیضان کا عظیم ذریعہ آپ کی تصنیفِ لطیف کشف المحجوب ہے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی یہ نہ صرف تعلیماتِ اسلامی کا نچوڑ ہے بلکہ صحیح اسلامی تصوف کا نصاب بھی ہے ... یہ متقدمین کی عربی تصانیف میں کئی وجوہ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کیلئے ماخذ ہے۔"

فیض سیدنا گنج بخش دُنیائے عرب میں از مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری

ماہنامہ انوار رضا جوہر آباد اپریل ۲۰۰۲ء

"کشف المحجوب اگلی اور پچھلی کُتب میں اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس کے مصنف کا تصوف کے مطالعہ میں مخصوص انداز ہے۔ وہ دوسرے مصنفین کی طرح صوفیائے کرام کے اقوال، سوانح اور ان کے اصول بیان کرنے اور مختلف آراء نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان مسائل پر تحقیقی اور تنقیدی گفتگو کرتے ہیں اور کبھی تفصیل اور وضاحت فرماتے ہیں اور ہر بحث میں ان کی شخصیت واضح نظر آتی ہے۔"

کشف المحجوب (عربی ترجمہ ومقدمہ) از ڈاکٹر اسعاد عبدالہادی قندیل ۸۴

''کشف المحجوب تصوف کی نہایت قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔ جسے فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ تصوف کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ جو ہر طرح سے اچھے انداز میں منظم و مرتب کی گئی ہے اسلامی تصوف کے بہت سے لکھنے والوں نے اسے اپنایا۔ یہ ایک ایسی تصنیف ہے کہ اس پر ہر شخص گفتگو کرتا ہے محققین نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔''

کشف المحجوب فارسی پیش گفتار از ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی ایران ہم

''مشہور مقولہ ''کلام الامام امام الکلام'' کے مطابق جس طرح امام الاصفیاء حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمہ اللہ آسمانِ تصوف کے درخشندہ آفتاب و مہتاب اور فیض رساں عالم ہیں، اسی طرح آپ کی تصنیف ''کشف المحجوب شریف'' فن تصوف کا لازوال دستور و قانون، خزینہ تصوف و معرفت اور چشمہ فیض ہے۔ جس کا ہر دور میں صالحین اور علمائے ربانی بطور وظیفہ مطالعہ کرتے، درس دیتے اور اپنے متعلقین، خلفاء کو اس کا مطالعہ کرنے کی تلقین و تاکید فرماتے رہے۔ اس کتاب جاودان سے اکتساب فیض کے بعد حضرت غوث پاک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا اگر مجھے حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کا ظاہری زمانہ میسر آتا تو میں آپ کے دست اقدس پر شرف بیعت حاصل کرتا۔''

بیاض قصوری (قلمی) از محمد یسین قصوری نقشبندی ص ۰۷

کشف المحجوب پر پی ایچ ڈی

کشف المحجوب پر فارسی مقالہ تحریر کر کے ایک ایرانی محمد حسین تسبیحی صاحب نے پنجاب یونیورسٹی شعبہ فارسی سے ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور یہ مقالہ ۲۲ جولائی ۱۹۹۸ء کو کتابی صورت میں بعنوان ''تحلیل کشف المحجوب و تحقیق در احوال و آثار حضرت داتا گنج بخش'' چھپا اور ہجویری چیئر، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ''سید علی ہجویری قومی تصوف سیمینار'' ۳۱ مئی ۱۹۹۹ء کے موقع پر شائع کیا۔

## مستشرقین

مستشرقین میں سے فرانس کے برگ ہارڈ، برطانیہ کے اے جی براؤن، آر بری اور ڈی ایم میتھسن نے کشف المحجوب سے استفادہ کیا ہے۔ مارگریٹ سمتھ نے مسٹکس آف اسلام میں کشف المحجوب کو محققانہ اور علم کے پردے چاک کرنے والی تصنیف کہا ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ مقدمہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں؟

فرمایا "اے طالب راہ حقیقت! اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں کی سعادت مندی نصیب فرمائے۔ جب تم (ابو سعید ہجویری) نے مجھے اپنے سوالات کے جواب میں کتاب تصنیف کرنے کی درخواست کی تو میں نے استخارہ کیا اور خود کو قلبی واردات اور باطنی القا کے حوالے کر دیا جب استخارہ میں اذن الٰہی حاصل ہوگیا تو میں نے تمھاری مقصد برآری کی خاطر اس کتاب کے لکھنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور اس نوشتہ کا نام "کشف المحجوب" رکھا۔ امید ہے ارباب فہم و بصیرت اس کتاب میں اپنے سوالات کا جواب اعلیٰ وجہ الکمال پائیں گے۔"

مزید فرمایا "میں (علی بن عثمان جلابی) نے یہ کتاب حجاب غینی (عارضی پردہ) میں گرفتار لوگوں کے لیے لکھی ہے تاکہ اس کے مطالعہ سے ان کے دل صیقل ہوکر صاف اور مصفا ہو جائیں۔ نور الٰہی کی جو رمق ان کے دلوں میں موجود ہے اس کتاب کی برکت سے وہ چنگاری بھڑک کر شعلہ بن جائے اور ان سے حجاب اٹھ جائیں تاکہ وہ راہ حقیقت کی جانب راہنمائی حاصل کرلیں۔"

کشف المحجوب میں صحبت اور اس کے متعلق امور کے آخر میں حضرت نے فرمایا!

"اس کتاب (کشف المحجوب) سے میرا (علی بن عثمان جلابی) مقصد یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے (ان موضوعات پر) دوسری کتابوں کی حاجت نہ ہو۔ جیسا کہ میں اس کتاب کے مقدمہ میں اور تیسرے سوال کے جواب میں لکھ چکا ہوں مدعا حاصل یہ کتاب طالب طریقت کو کافی ہے۔"

# کشف المحجوب کے قلمی نسخے

کشف المحجوب کا قدیم ترین مطبوعہ ایڈیشن وہ ہے جس کا ذکر اے جے آربری نے انڈیا آفس لائبریری کی کتابوں کی فہرست میں کیا ہے۔ ایل ایس ڈگمن نے اپنے مقالہ میں جو جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں نومبر ۱۹۳۲ء کے شمارہ میں شائع ہوا اس میں مختلف مقامات پر اکیس قلمی نسخوں کی موجودگی کی تفصیل دی ہے۔ اس کے مطابق کشف المحجوب، کے قلمی نسخے وی آنا، پیرس، برٹش میوزیم لینن گراڈ یونیورسٹی، انڈیا آفس لائبریری لندن، تاشقند پبلک لائبریری، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، برلن فرانس، ثمر قند، انڈیا اور لاہور کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

کشف المحجوب کے قدیم ترین قلمی نسخے لاہور میں بھی موجود ہیں۔ دو مختلف قلمی نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہیں جن میں سے ایک پر ۱۲۶۵ھ درج ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا ایک قلمی نسخہ بھی پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ ایک صحیح اور خوبصورت قلمی نسخہ راقم کے ماموں حضرت شیخ محمد صدیق (مرحوم) یکے از فرزندانِ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کے ذاتی ذخیرہ کتب میں محفوظ تھا جو اب آپ کے سب سے چھوٹے فرزند میاں مبارک علی صاحب کی ملک ہے۔ میاں مبارک علی صاحب اور اُن کے فرزندان میاں نعمت علی، میاں عمر اور میاں صدیق کو بزرگانِ دین کے نوادرات جمع کرنے کا بے حد ذوق و شوق ہے۔ بہت سے دیگر نوادرات کے ساتھ کشف المحجوب کا قلمی نسخہ بھی ایک شیشہ کے شوکیس میں محفوظ رکھا ہے۔ اہل افراد کو زیارت سے نوازا جاتا ہے۔ یہ وہ قدیم قلمی نسخہ ہے جس کی سب سے پہلے نول کشور لکھنوی نے نقل کروائی اور طباعت واشاعت کی۔

یہ قلمی نسخہ رحیم بخش کاتب سکنہ محلہ سید نظام الدین بخاری، کوچہ ملاں گراں متصل موتی دروازہ (اندرون لوہاری دروازہ) کٹڑہ سید بھولا شاہ مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور ۴۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ آخری صفحہ پر لکھا ہے کہ یہ [illegible]

المحرام ۵۔۱۲اھ کو مکمل ہوا۔ اس صفحہ کے آخر میں حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا شجرہ طریقت اور تاریخ وصال درج ہے۔

"گنج بخش ہجویری کہ قبر ایشاں در لاہور است،

سردار سید السادات و بادشاہ ملک ہندوستان تاریخِ وصال وی"

بود آباد جملہ ہندوستان

۴۶۵ھ

ایک قدیم نسخہ حضرت شیخ نبی بخش المعروف شیخ بڈھا (مرحوم) یکے از فرزندانِ شیخ ہندی رحمہ اللہ کے پاس موجود تھا جسے آپ کے بھتیجے میاں خوشی محمد صاحب نے ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۲ء کو رضا پبلی کیشنز لاہور سے شائع کرایا۔

ایک قلمی نسخہ جس کی کتابت و حاشیہ مولانا کمال الدین کے ہیں اس پر ۱۱۳۳ھ کی تاریخ رقم ہے، جو اس وقت مولانا فاضل عباسی کی ملکیت ہے۔

سمرقندی نسخہ کشف المحجوب کو سید عبدالمجید مفتی نے ۱۳۳۰ھ میں پریس سلیانوف سمرقند سے شائع کیا تھا۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود سمرقندی نسخہ ایل ایس ڈکن کو افغانستان سے ملا تھا۔

کشف المحجوب کا مستند نسخہ لینن گراڈ روس سے ۱۳۴۴ھ /۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔ جسے روسی پروفیسر ژوکوفسکی (م ۱۹۱۸ء) نے ۱۹۰۵ء میں ترتیب دیا تھا۔ اس میں پروفیسر ژوکوفسکی نے مفصل دیباچہ بھی شامل کیا۔ اس نسخہ کی ترتیب و تہذیب درج ذیل نسخوں سے کی۔ ۱۔ سلطنت وی آنا کی قومی لائبریری میں موجود قلمی نسخہ۔ ۲۔ یونیورسٹی سینٹ پیٹرز برگ کی لائبریری کا نسخہ۔ ۳۔ قلمی نسخہ پبلک لائبریری تاشقند محررہ ۱۱ ذوالحجہ ۱۰۳۶ھ۔ ۴۔ مدرسۃ السنہ شرقیہ وزارت امورِ خارجہ روس کا خطی نسخہ۔ ۵۔ پروفیسر ژوکوفسکی کا مملوکہ نسخہ سمرقند۔ اس کے علاوہ روسی پروفیسر نے تاشقند کی لائبریری میں گیارھویں صدی ہجری میں شائع ہونے والے ایک اور نسخے سے بھی

استفادہ کیا، اس نسخہ کی بنیاد پر ایران کے محمد لوی عباسی نے اور کتاب خانہ ظہوری تہران نے بھی قاسم انصاری کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۷۹ء کو انتہائی خوبصورت ایڈیشن شائع کیا ہے۔

## عربی تراجم

کشف المحجوب کا عربی زبان میں پہلا ترجمہ شیخ تاج الدین سنبھلی نے شہنشاہ جہانگیر کے دور میں کیا اور دوسرا جدید عربی ترجمہ ڈاکٹر اسعد عبدالہادی قندیل نے کیا ہے جو مکتبہ الاہرام التجاریہ کی طرف سے ۱۹۷۴ء میں طبع ہوا ہے۔

## اُردو تراجم

کشف المحجوب کے اس وقت تک تقریباً پچیس اردو ترجمے چھپ چکے ہیں اور بعض تراجم کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان تراجم کی تفصیلات دینے کی یہاں گنجائش نہیں۔ مختصراً تعارف پیشِ خدمت ہے۔

۱ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از محمد الدین بن میراں بخش مزنگوی لاہوری مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور، صفحات ۶۷۴، سنِ اشاعت ۱۹۱۲ء، نایاب، حوالہ "قرآن حکیم اور تصوف" از رانا عبدالحمید ص ۲۱۔

۲ کشف المحجوب اُردو ترجمہ بنام ظہیر المطلوب از ظہیر احمد ظہیری سہوانی، ناشر شیخ چراغ دین وسراج دین کشمیری بازار لاہور، صفحات ۵۴۴، اشاعت دوم ۱۹۲۵ء۔

۳ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از مولانا شمس اللہ ایزدی صوفی معنوی، ناشر شیخ الٰہی بخش وجلال الدین کشمیری بازار لاہور، صفحات ۴۸۰، سنِ اشاعت ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء، حوالہ احوال وتعلیمات علی ہجویری از ڈاکٹر محمد باقر ص ۷۵۔

۴ کشف المحجوب اُردو ترجمہ بنام بیان المطلوب از مولوی فیروز الدین باہتمام عبدالحمید خاں مینیجر و پرنٹر فیروز پرنٹنگ ورکس سرکلر روڈ لاہور، صفحات ۳۹۹ بڑی تقطیع، سن اشاعت ۱۹۴۷ء۔

۵ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از مولوی محمد حسین مناظر، تصحیح و اضافہ معہ سوانح عمری حضرت داتا گنج بخش مولانا غلام دستگیر نامی، ناشر ملک دین محمد اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور، صفحات ۵۲۴ بڑی تختی، سنِ اشاعت ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء۔

۶ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از عبدالرحمن طارق، ناشر مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور، صفحات ۳۴۸، سن اشاعت ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء۔

۷ کشف المحجوب اردو ترجمہ بنام انوار القلوب از عبدالحکیم خان نشتر، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، صفحات ۴۰۶، سنِ اشاعت ۱۹۶۲ء۔

۸ کشف المحجوب اُردو ترجمہ (اختصار) از میاں طفیل محمد، ناشر اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، صفحات ۴۳۵، سن اشاعت ۱۹۶۶ء۔

۹ کشف المحجوب اردو بنام گنج المطلوب ترجمہ از پروفیسر محمد عبدالمجید یزدانی، ناشر تاشران قرآن لمیٹڈ اُردو بازار لاہور، صفحات ۶۸۳، سن اشاعت ۱۹۶۸ء۔

۱۰ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از فضل الدین گوہر، مطبع مزدور پرنٹنگ پریس رائل پارک لاہور، صفحات ۴۰۳، سن اشاعت ۱۹۷۲ء، یہی ترجمہ ۱۹۸۹ء میں پیر کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ کے مقدمہ کیساتھ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۱ کشف المحجوب اُردو ترجمہ بنام کلام المرغوب از مولانا ابو الحسنات قادری معہ دیباچہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ناشر المعارف لاہور، صفحات ۶۳۲، اشاعت ۱۹۷۳ء۔

۱۲ کشف المحجوب اردو ترجمہ بنام الطریق المحبوب از مفتی غلام معین الدین نعیمی، ناشر نوری بک ڈپو لاہور، صفحات ۵۴۴، سن اشاعت ۱۹۷۸ء۔

۱۳ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از علامہ سید محمد فاروق القادری معہ دیباچہ صاحبزادہ میاں محمد حلیم حماد سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ، ناشر فرید بک سٹال اُردو بازار لاہور، صفحات ۷۶۵، سن اشاعت ۱۹۸۹ء۔

۱۴ کشف المحجوب اردو معہ تقاریظ و دیباچہ مترجم و ناشر مولانا محمد الطاف نیروی

نائب خطیب جامع مسجد ہجویری لاہور، صفحات ۸۳۲، سن اشاعت ۱۹۹۲ء
۱۵ کشف المحجوب اُردو ترجمہ وشرح از کپتان واحد بخش سیال، ناشر الفیصل اردو بازار لاہور، صفحات ۹۷۶، سن اشاعت ۱۹۹۵۔
۱۶ کشف المحجوب اُردو تلخیص از محمد علی چراغ، ناشر نذیر سنز اردو بازار لاہور، صفحات ۲۸۰، سن اشاعت ۱۹۹۵ء۔
۱۷ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از مولانا عبدالروف فاروقی، ناشر اسلامی کتب خانہ لاہور، صفحات ۶۱۹، سن اشاعت ندارد۔ (یہ دستیاب ترجمہ ۱۹۹۵ء میں پرنٹ ہوا)
۱۸ کشف المحجوب اُردو (آسان) تسہیل از جی آر اعوان، ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، صفحات ۶۶۷، سن اشاعت اپریل ۲۰۰۳ء۔
۱۹ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از وقار علی بن مختار علی مطبوعہ لاہور۔ بحوالہ حاجی محمد ارشد قریشی مرحوم مالک المعارف گنج بخش روڈ لاہور۔
مندرجہ ذیل اُردو تراجم کی نشان دہی فارسی متون کے تراجم بزبان پاکستانی (اردو) از اختر راہی مطبوعہ ایران / پاکستان کے صفحہ ۱۰۷/۱۰۸ سے ہوئی ہے۔
۲۰ کشف المحجوب اُردو ترجمہ بنام صحیفہ محبوب از حکیم اللہ رکھا قریشی، ناشر غلام حسین اینڈ سنز اردو بازار لاہور، صفحات ۴۸۰، سن اشاعت ندارد۔
۲۱ کشف المحجوب اُردو ترجمہ بنام مفتاح القلوب از خیال امروہی، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔
۲۲ کشف المحجوب اُردو ترجمہ از شیخ محمد اقبال صوفی، ناشر و سن اشاعت اور صفحات نامعلوم۔ حوالہ ترجمہ ہائی متون فارسی بزبان ہائی پاکستانی از اختر راہی مطبوعہ ایران، پاکستان ص ۱۰۸
۲۳ ایک اُردو ترجمہ کشف المحجوب جو خوش نویس صمصام کمالی کا لکھا ہے، بڑی تختی ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کا اول و آخری صفحہ ضائع ہو چکا ہے اس لئے

مترجم کا نام اور تاریخ طباعت معلوم نہ ہو سکی۔ یہ ترجمہ صاحبزادہ مصطفیٰ اشرف بن علامہ محمود احمد رضوی رحمہ اللہ کی ملک ہے اور اُنہوں نے بتایا کہ یہ ترجمہ تقریباً ایک صدی پرانا ہے۔

## پنجابی تراجم

کشف المحجوب پنجابی ترجمہ از پروفیسر محمد شریف صابر، ناشر قاضی پبلیکیشنز گپت روڈ لاہور، صفحات ۷۸۰، سالِ اشاعت ۱۹۹۶ء۔

کشف المحجوب کا ایک ترجمہ گورمکھی زبان ہندستانی پنجابی (ہندی) میں ڈاکٹر کلا سنگھ بیدی نے کیا جو پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ نے شائع کیا ہے۔ بحوالہ کشف المحجوب بزبان پنجابی مترجم محمد شریف صابر ص ۱۵۔

## سندھی ترجمہ

کشف المحجوب سندھی ترجمہ از حاجی طالب جی پرنٹر مشہور آفسٹ پرنٹرز کراچی سالِ اشاعت اپریل ۱۹۸۸ء

## انگریزی ترجمہ

کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ برطانوی پروفیسر رینالڈ اے نکلسن نے گب میموریل سیریز میں انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے مخطوطات کی مدد سے پہلی مرتبہ ۱۹۱۱ء میں شائع کیا اس کے بعد بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ انگریزی ترجمہ ۱۹۹۰ء میں دارالاشاعت اردو بازار کراچی پاکستان سے بھی شائع ہوا۔

## کشف المحجوب میں حوالہ جات

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ نے کشف المحجوب میں بطور سند قرآن مجید کی ۲۷ سورتوں میں سے ۲۳۱ آیاتِ کریمہ کے حوالے دیئے ہیں۔ ایک سو اڑتیس احادیث مبارکہ اور مختلف صوفیاء، مشائخ کے تین سو باون اقوال دیئے ہیں اور بیالیس عربی اشعار منتخب فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ مشائخ و صوفیاء کی تئیس تصانیف کے حوالے بھی

دیئے ہیں۔ جن صوفیاء ومشائخ کی تصنیفات سے استفادہ فرمایا درج ذیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک مروزی (م ۱۸۱ھ) بمطابق ۷۹۷ء مصنف کتاب الزہد ☆ حضرت احمد بن خضرویہ بلخی (م ۲۲۰ھ) بمطابق ۸۶۴ء مصنف الرعایہ بحقوق اللہ ☆ حضرت حارث بن اسد المحاسبی (م ۲۴۳ھ) بمطابق ۸۵۷ء کتاب التفکر والاعتبار، کتاب رعایۃ الحقوق اللہ، کتاب التواہم، رغائب ☆ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی (م ۲۵۵ھ بمطابق ۸۷۱ء) مصنف کتاب المریدین ☆ حضرت عمر بن محمد بن عبدالحکیم المعروف ابوحفص مصنف قیام اللیل والتہجد ☆ حضرت ابوالسری منصور بن عماد مصنف مجالس ☆ حضرت شاہ شجاع کرمانی (م ۲۷۰ھ بمطابق ۸۸۳ء) مصنف مرأۃ الحکماء ☆ حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز (م ۲۷۷ھ بمطابق ۸۹۹ء) مصنف کتاب الصدق ☆ ابوجعفر محمد بن حسین برجلانی مصنف کتاب الصحبت، کتاب المتمین، کتاب الوجود الکرم، کتاب البصر، کتاب الطاعتہ ☆ حضرت عبید اللہ بن محمد معروف بہ ابن الدنیا (م ۲۸۰ھ بمطابق ۹۰۲ء) مصنف مکائد الشیطان، کتاب الاخلاق، کتاب التقویٰ، کتاب المکارم الاخلاق ☆ حضرت ابوحمزہ صوفی (م ۲۸۹ھ بمطابق ۹۱۱ء) مصنف کتاب المتمین من السیاح والعباد المتصوفین ☆ حضرت ابو عبداللہ عمرو بن عثمان مکی (م ۲۹۱ھ) مصنف کتاب المحبت ☆ حضرت ابواسحاق ابرہیم بن احمد خواص (م ۲۱ھ) حضرت محمد بن یحییٰ المعروف ہشام القاضی (م ۲۹۲ھ) مصنف کتاب التوکل ☆ حضرت ابوالحسین احمد بن محمد بن عبدالصمد نوری (م ۲۹۵ھ) ☆ حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید (م ۲۹۷ھ) مصنف کتاب امثال القرآن، الرسائل، تصحیح الارادہ ☆ حضرت ابو عثمان سعید بن اسماعیل رازی (م ۲۹۸ھ) ☆ حضرت شیخ ابن جنید بغدادی مصنف کتاب الخوف، کتاب الورع، کتاب الرہبان، کتاب المحبت ☆ حضرت ابومحمد رویم بن محمد (م ۳۰۳ھ) غلط الواجدین ☆ حضرت ابو یعقوب یوسف بن حمدان سوسی ☆ حضرت ابو یعقوب اسحاق بن محمد ایوب نہر

جنید (م ۳۰۳ھ) ☆ حضرت ابو عبداللہ ہیکل القرشی ۳۰۵ھ ☆ حضرت ابو العباس احمد
بن عطا (م ۳۰۹ھ) ☆ حضرت حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ) مصنف طواسین
الازل، ہم الیقا، الفنا، کتاب الیقین، کتاب التوحید (پچاس سے زیادہ کتابیں لکھیں) ☆
حضرت ابو محمد الحسن بن محمد جریری (م ۳۱۱ھ) ☆ حضرت ابو عبداللہ محمد بن الفضل بلخی
(م ۳۱۹ھ) ☆ حضرت ابو عبداللہ محمد بن ترمذی (م ۳۱۸ھ) مصنف ختم الولایت،
کتاب نوادر الاصول، حکایاتِ عراقیاں، تاریخ المشائخ ☆ حضرت ابو علی جوزجانی
☆ حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی (م ۳۲۰ھ) ☆ حضرت ابو العباس قاسم بن مہدی
سیاری ☆ حضرت ابو علی رودباری (م ۳۲۲ھ) ☆ حضرت ابو عبداللہ محمد بن علی الکتانی
(م ۳۲۳ھ) ☆ حضرت ابو الحسن علی بن احمد مصری (م ۳۲۸ھ) مصنف کتاب الکبیر
☆ حضرت ابوبکر شبلی دلف بن جحدر (م ۳۳۴ھ) ☆ حضرت ابو عمر عبداللہ بن
محمد مکی ☆ حضرت ابو عبداللہ احمد بن عاصم انطاکی ☆ حضرت ابو حاتم بستی مصنف
روضۃ العقلاء ☆ حضرت محمد بن عبدالجبار النفری (م ۳۵۴ھ) مصنف کتاب المواقفت،
کتاب المخاطبات ☆ حضرت ابو القاسم بن اسحاق بن محمد حکیم سمرقندی ☆ حضرت
عبداللہ بن محمد بن یحییٰ ابو نصر سراج (م ۳۷۸ھ) مصنف کتاب اللمع فی تصوف
☆ حضرت سہل بن عبداللہ تستری (م ۳۸۳ھ) مصنف دقائق المحبین، مواعظ العارفین
☆ حضرت ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کلا بازی (م ۳۸۵ھ) مصنف کتاب التصرف
☆ حضرت ابو طالب مکی (م ۳۸۶ھ) مصنف قوت القلوب ☆ حضرت ابو اللیث نصر
بن محمد سمرقندی (م ۳۹۳ھ) مصنف بستان العارفین ☆ حضرت عبدالرحمٰن محمد بن
الحسین السلمی (م ۴۱۲ھ) مصنف طبقات الصوفیہ، کتاب السماع، تاریخ اہلِ صفہ
☆ حضرت ابو نعیم الاصفہانی (م ۴۳۰ھ) مصنف حلیۃ الاولیاء ☆ حضرت ابو القاسم
عبدالکریم بن ہوازن القشیری (م ۴۶۵ھ) مصنف رسالہ قشیریہ ☆ حضرت ابو جعفر
محمد بن الصباح صیدلانی۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ نے کشف المحجوب میں نفوس قدسیہ صوفیاء و مشائخ کے اسماء مبارک جن کا ذکر مختلف جگہوں پر رقم فرمایا اُن کی تعداد تقریباً تین سو اٹھاسی ہے اور اکیس شہروں کا ذکر نام کے ساتھ کیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں میں جتنے فرقے تھے اُن کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے ان کی تعداد پچاس کے لگ بھگ بتائی ہے۔

## کشف المحجوب سے استفادہ

دس صدیوں سے کشف المحجوب کو مستند تذکروں اور تصوف کی معتبر تصانیف کا ماخذ ہونے اور علماء و صوفیاء اور مشائخ کیلئے آئینی حیثیت کا مقام حاصل ہے۔ کوئی بھی قابلِ ذکر کتاب تصوف، کشف المحجوب کے ذکر سے خالی نہیں۔ جن بزرگوں نے کشف المحجوب سے تحریری استفادہ کیا یا زیر مطالعہ رکھا اُن کی تعداد یا نام کا شمار کرنا مشکل امر ہے، ان میں سے چند اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) ☆ حضرت سیّد عزیز الدین مکی لاہوری (م ۶۱۲ھ) ☆ حضرت خواجہ معین الدین چشتی (م ۶۲۷ھ) ☆ شیخ فرید الدین عطار (م ۶۲۸ھ) تذکرۃ الاولیاء ☆ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (م ۶۳۲ھ) ☆ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۱ھ) ☆ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر (م ۶۶۴ھ) ☆ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ) ملفوظات فوائد الفواد، دُر نظامی ☆ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری (م ۷۸۲ھ) مکاتیب شریفہ ☆ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند (م ۷۹۱ھ) ☆ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی (م ۸۳۲) ملفوظات لطائف اشرفیہ ☆ حضرت خواجہ محمد حسینی بندہ گیسو دراز (م ۸۲۵ھ) مکتوبات شریفہ ☆ حضرت خواجہ محمد پارسا (م ۸۲۲ھ) فصل الخطاب ☆ حضرت یعقوب چرخی غزنوی، رسالہ ابدالیہ ☆ حضرت محمد نور بخش القہستانی (م ۸۶۹ھ) مشجر الاولیاء ☆ حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ) نفحات

[illegible] ☆ حضرت شاہ ابو المعالی (م ۱۰۲۴ھ) ☆ حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) ☆ حضرت میاں میر قادری فاروقی (م ۱۰۴۵ھ) ☆ حضرت شاہ چراغ لاہوری (م ۱۰۶۸ھ) ☆ مغل شہزادہ دارہ شکوہ (م ۱۰۶۹ھ) سفینۃ الاولیاء ☆ حضرت شاہ عنایت قادری شطاری (م ۱۱۴۱ھ) ☆ حضرت شاہ محمد غوث قادری (م ۱۱۵۳ھ) ☆ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) ☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ---) ☆ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری (م ۱۳۴۷ھ) ☆ حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ) ☆ حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ (م ۱۳۵۸ھ) ☆ مفکر و دانشور، شاعر اسلام حضرت علامہ محمد اقبال (م ۱۹۳۸ء) ☆ حضرت محمد نبی بخش حلوائی (م ۱۳۶۶ھ) ☆ حضرت سیّد مغفور القادری (م ۱۳۹۰ھ) ☆ حضرت پیر غُلام قادر اشرفی [illegible] ☆ حضرت سید کیقباد شاہ المعروف پیر صاحب کوہاٹی (م ۱۹۸۸ء) اور دیگر ہزاروں صاحبان علم و طریقت رحمہم اللہ۔ اس کے علاوہ مستشرقین نے بھی استفادہ کیا جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں موجود ہے۔

## دیگر تصانیف ہجویریؒ

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی آخری تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے ان کی نو دیگر تصانیف کے نام معلوم ہوتے ہیں مگر ان نو کُتب میں سے ایک بھی دستیاب نہیں۔ کشف المحجوب میں ان کتب کا ذکر حضرت رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

۱ دیوان "ایک شخص نے مجھ (علی بن عثمان) سے میرے اشعار کا دیوان مانگا اور لے گیا۔ میرے پاس اس دیوان کا کوئی دوسرا نسخہ موجود نہ تھا۔ اُس شخص نے دیوان سے میرا نام مٹا دیا اور میری محنت ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمائے۔"

۲ منہاج الدین "اب میں (علی بن عثمان) اختصار کے ساتھ حضرت رسول اکرم ﷺ کے اصحاب صفہ کا ذکر کرتا ہوں۔ اس سے قبل بھی منہاج الدین کے نام سے ایک کتاب لکھ چکا ہوں جس میں تفصیل کے ساتھ اصحاب صفہ کے فضائل و

مناقب بیان کئے ہیں۔''

۳ اسرار الخرق والمؤنات''میں (علی بن عثمان جلابی) نے اسرار الخرق والمؤنات کے نام سے اس موضوع (گدڑی) پر ایک کتاب لکھی ہے، ہر سالک راہ کو چاہیے کہ وہ اس کا ایک نسخہ اپنے پاس رکھے۔''

۴ فنا و بقا'' جب فنا حاصل ہو جاتی ہے تو پھر فنا نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ سوائے عبارتی موشگافیوں کے اور یہ اہل زبان کی عبارت آرائی اور الفاظ پرستی کی بے فائدہ داستان ہے۔ میں (علی بن عثمان جلابی) نے اس بارے میں اپنی کتاب فنا و بقا میں کچھ بحث کی ہے لیکن یہ اُس زمانے کی تصنیف ہے جب کم عمری کی وجہ سے جوش اور تیزی کا غلبہ تھا۔ اب احتیاط کے ساتھ دوبارہ اس پر نظر ثانی کروں گا۔''

۵ شرح کلامِ منصور'' میں (علی بن عثمان جلابی) ان (حسین بن منصور حلاج) کے کلام کی شرح لکھ چکا ہوں جس میں دلائل و براہین سے ان کے کلام کی رفعت اور ان کے احوال کی صحت ثابت کی گئی ہے۔''

۶ البیان لاہل العیان ''بعض اہل زبان دقیق کلام اور مشکل عبارات کو جمع الجمع کا نام دیتے ہیں الفاظ کی حد تک اُن کا یہ کہنا درست ہے مگر معنی اور حقیقت کے اعتبار سے یہی بہتر ہے کہ اسے جمع الجمع نہ کہا جائے، اس لئے کہ پہلے تفرقہ ہو پھر اس پر جمع کا اطلاق دُرست ہوگا۔ جب جمع ہو گی تو وہ تفرقہ ہی کے نتیجہ میں ہوئی ہو گی، اس بناء پر جمع پر دوسری جمع نہیں لائی جا سکتی۔ اس بات کے مفہوم میں غلطی کا امکان ہے اس لئے کہ صاحب جمع کی نگاہ فوق، تحت بلکہ اپنے آپ سے بھی بے نیاز ہوتی ہے۔ شب معراج سید الانبیاء ﷺ کو دونوں جہان بلکہ کل جہان دکھائے گئے مگر آپ نے کسی چیز کی طرف التفات نہ فرمایا اس لئے کہ آپ مقام جمع الجمع میں تھے ...میں نے ابتدائے حال میں البیان لاہل العیان کے نام سے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی۔''

۷ نحو القلوب''اس میں بھی جمع کے بیان میں مفصل بحث کی گئی ہے۔

۸۔ "الرعایۃ بحقوق اللہ" کائنات کا خالق و فاعل ایک ہی ہے جو کامل، حیّ، علیم، عالم، قادر، مختار، اور دوسرے شرکا کی شرکت سے بے نیاز ہے۔ جب ایک فعل ایک فاعل سے مکمل نہ ہو تو اس کیلئے دوسرے فاعل کی ضرورت پڑتی ہے چونکہ دونوں ایک دوسرے کے شریک محتاج ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ محال ہے کہ نظام کائنات چل سکے۔ علم یقین کی روشنی میں بلا شک و شبہ خالق و فاعل کا واحد ہونا لازم آتا ہے۔ یہاں کچھ لوگوں نے ہمارے (اہل سُنت وجماعت) ساتھ اختلاف کیا ہے۔ ثنویوں نے نور و ظلمت دوئی کی، گبریوں نے یزداں و اہرمن کا نظریہ قائم کیا، نیچریوں نے طبع و قوت کو مدبر مانا، نجومیوں نے سات سیارے تسلیم کیے اور معتزلہ نے بے شمار صانع و خالق بنا لئے۔ میں نے سب کے رد میں مختصر اور جامع بات کہہ دی ہے۔ چونکہ یہ کتاب (کشف المحجوب) ان کی خرافات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے طالبانِ حق کو چاہیے کہ وہ اس موضوع پر میری مفصل کتاب الرعایۃ بحقوق اللہ کا مطالعہ کریں۔"

۹۔ "کتاب ایمان" ایک گروہ ایمان کو صرف قول و اقرار کہتا ہے اور دوسرا اسے صرف معرفت سے تعبیر کرتا ہے۔ متکلمین کا ایک گروہ مطلق تصدیق کو ایمان قرار دیتا ہے میں (علی بن عثمان) نے اس بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔"

## تصانیف گنج بخش کی عدم دستیابی کا سبب

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ نے درج بالا کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کشف المحجوب کے علاوہ دیگر کتابوں کی عدم موجودگی کی وضاحت آپ کے خود نوشتہ مقدمہ کشف المحجوب درج ذیل اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ "اس سے قبل میں نے اس موضوع (تصوف و طریقت) پر کئی کتابیں لکھی تھیں مگر وہ سب کی سب ان حاسدوں اور جہلا (جاہل صوفیا) کے ہاتھ چڑھ گئیں جنہوں نے سالکان طریقت کو اپنے چنگل میں پھنسا لینے، حاصل اور جمع کرنے کی خاطر ان کتابوں کو چوری کیا۔ ان میں سے بعض

تحریریں چن کر نوٹ کر لیں اور باقی کتب ضائع کر دیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے اور وہ حسد، کینہ اور انکار سے بھرے ہوتے ہیں۔ سرقہ شدہ مال کو اپنے لیے نعمت خداوندی سمجھتے ہیں... اس سے پہلے بھی علم تصوف سے ناواقف لوگ مشائخ کرام کی کتابوں سے یہ سلوک کر چکے ہیں۔[۳۲]

عام طور پر کتاب کی تکمیل ہونے کے بعد اس پر مقدمہ یا دیباچہ لکھا جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ کشف المحجوب کا مقدمہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی آخری تحریر ہے تو درست ہوگا۔ لہذا اب یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ کشف المحجوب کے علاوہ حضرت کی جملہ تصنیفات آپ کی زندگی میں ہی تلف ہو چکی تھیں اس لئے آپ کی کسی دوسری کتاب کی موجودگی کہیں نہیں پائی جاتی۔ آپ کی تصنیفات کا اتلاف یقیناً لاہور آنے سے قبل ہو چکا تھا۔

## تحقیق کشف الاسرار

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ سے منسوب ایک رسالہ کشف الاسرار، یہ آٹھ صفحات پر مشتمل لاہوری فارسی زبان میں لکھا ایک رسالہ ہے جو مغلیہ دور کے آخر میں لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بعد ازاں مصنف نے خود یا کسی تاجر نے کاروباری منفعت کے پیشِ نظر اصل مصنف کا نام حذف کر کے حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے نام سے شائع کروا دیا جو غالباً ۱۸۷۰ء میں پہلی بار مطبع محمدی لاہور میں طبع ہوا۔

جعل سازیاں جب سے کتاب وجود میں آئی ہے اس میں جعل سازی بھی ساتھ ساتھ چل رہی ہے جو آج تک موجود ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت قرآن پاک کے علاوہ تمام آسمانی صحیفے ہیں جو تحریف کا شکار ہوئے۔

بعض لوگ نثر یا نظم خود تصنیف کر کے مشہور مصنفین یا معروف شخصیات کے نام سے شائع کرتے ہیں۔ ان کا مقصد تحقیق کی دنیا میں حصولِ شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اسلئے کہ غیر مطبوعہ تصنیف مرتب کر کے شائع کرنا ایک ادبی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا نایاب کتب جمع کرنا دلچسپ مشغلہ ہوتا ہے اس وجہ سے قلمی یا نایاب مطبوعہ کتابوں کی طلب ہمیشہ بہت زیادہ رہی ہے اور اسی طلب کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے پرانی کتب کا کاروبار کرنے والے طرح طرح کی جعل سازیاں کرتے ہیں۔

بزرگان دین سے عوام کی عقیدت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض لوگ مالی یا دیگر مصلحتوں کے پیش نظر غیر معروف مصنفین کی تصنیفات یا اپنے من گھڑت خیالات، ملفوظات کو ان سے منسوب کر دیتے ہیں اور بعض انتساب صدیوں تک چلتے رہتے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک کشف الاسرار کا حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ سے منسوب ہونا بھی کسی جعل سازی کا نتیجہ ہے۔ مزید وضاحت وصراحت کیلئے کشف المحجوب اور کشف الاسرار کا موازنہ پیش خدمت ہے۔

## کشف المحجوب موازنہ کشف الاسرار

کشف المحجوب میں حضرت رحمہ اللہ نے مقدمہ کے آغاز میں یوں لکھا ہے۔

"میں نے اس کتاب کا نام کشف المحجوب رکھا ہے... اس کتاب کی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق کا خواستگار ہوں، اپنے اعتماد اور قوت پر بھروسہ سے برآت کا اظہار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر میرا آسرا اور وہی مددگار ہے۔"

صاحب کشف الاسرار نے شروعات اس طرح کی ہے کہ۔

"واضح رہے جہالت سے طبیعت اُکتا جاتی ہے اس لئے یہ کتاب مختصر بنائی گئی ہے۔ پڑھنے والے کو اگر اس میں کوئی بات نادرست معلوم ہو تو چاہیے کہ وہ اس کی اصلاح کرے ورنہ مہربانی سے پردہ پوشی سے کام لے۔" اس اندازِ آغاز سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کشف الاسرار کا مولف انتہائی نو آموز تھا اور کوئی ثقہ آدمی نہ تھا۔

کشف المحجوب کے مندرجات اس بات کے شاہد و ناطق ہیں کہ صاحب کشف المحجوب نے علم و عرفان کی منازل طے کرنے کیلئے تقریباً ۴۰ سال پر محیط عرصہ دنیائے اسلام کے شہر شہر کا سفر اختیار کیا آخر کار منشائے الٰہی سے لاہور کو اپنا مسکن بنایا۔ مرشد

وہدایت سے تبلیغِ اسلام کا کام کیا اور رشد وہدایت کا سلسلہ تادمِ آخر جاری رکھا۔

صاحبِ کشف الاسرار بیان کرتا ہے۔

کہ ”میں جب ہندوستان آ گیا تو علاقہ لاہور کو جنت نظیر پایا اور یہیں بیٹھ کر بچوں کو پڑھانے کے سبب سے یہاں کی وطنیت وسکونت اختیار کرلی۔ جب مجھے احساس ہوا کہ پڑھانے کی وجہ سے میرے دماغ میں حکومت و بادشاہی کی بو جاگزیں ہو گئی ہے تو یکا یک اس کام کو ہمیشہ کیلئے ترک کر دیا اور کبھی اس کے نزدیک نہیں گیا۔“

اس اقتباس کو پڑھنے کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کشف الاسرار ایک معمولی پڑھا لکھا عام شخص تھا جو نفس کے شر کو دبانے کی ہمت نہیں رکھتا تھا لہٰذا اُس نے مقدس فریضہ درس وتدریس سے منہ موڑ کر اسے نفس کے شر کی بھینٹ چڑھا دیا جیسے وہ کوئی گناہ کر رہا تھا۔ ایسی بات حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ جیسی بلند پایہ ہستی سے منسوب کرنا اُن کی توہین کے مترادف اور بصد افسوس ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کی ساری زندگی حصول علم اور فروغ علم میں گزری۔ راقم کے بزرگ نسل در نسل بیان کرتے چلے آ رہے ہیں کہ لاہور میں قیام کے بعد حضرت نے سب سے پہلے درس وتدریس اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ آپ کے شاگرد رشید حضرت شیخ ہندی الملقب رائے راجو اور اُن کے خانوادہ نے جاری رکھا جو آج تک جامعہ ہجویریہ یا جامعہ گنج بخش کے نام سے جاری وساری ہے۔ درس وتدریس کو ہمیشہ کیلئے ترک کر دینے والی بات حضرت پر بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

راقم الحروف کے حلقہ احباب میں سے کتاب دوست شخصیت مولانا مفتی علی احمد سندیلوی صاحب جامعہ ہجویریہ کی جامع تاریخ مرتب فرما رہے ہیں جو تکمیل کے مراحل میں ہے۔

صاحب کشف الاسرار ص ۳ پر تحریر کرتا ہے کہ ”جب میں ہندوستان آیا تو غزنوی

لاہور را جنت نظیر یافتم" صاحب کشف المحجوب نے ص ۱۱۰ پر رقم فرمایا کہ "من اندر دیارِ ہندوستان در بلدہ لہانور کہ از مضافاتِ ملتان است"۔

ان تحریروں سے ہمیں مذکورہ کتابوں کی تصنیف کے ادوار کی نشان دہی ہوتی ہے۔ کشف المحجوب کی یہ عبارت واضح کرتی ہے کہ اُس وقت لاہور کو لہانور اور ہندوستان کو ہند لکھا یا بولا جاتا تھا۔ کشف الاسرار کی عبارت ماضی قریب کے دور کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ دونوں کتب ایک شخص کی تصنیف کردہ نہیں اور نہ ہی لکھنے والے ہمعصر تھے۔

کشف الاسرار ص ۵ پر لکھا ہے کہ "اے علی! خلقت تجھے گنج بخش کہتی ہے" حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کو زندگی میں گنج بخش نہ کہا گیا تھا بلکہ یہ لقب آپ کے وصال کے تقریباً ۳۰۰ برس بعد مشہور ہوا۔ البتہ لاہور میں وارد ہونے کے بعد آپ کو داتا کہا جانے لگا تھا۔ القاب کے متعلق مزید وضاحت گذشتہ صفحات میں موجود ہے۔

صاحب کشف الاسرار نے لاہور کے افراد کا ذکر کیا ہے کہ "میں نے شیخ حسام الدین لاہوری سے سنا ہے کہ اگر کوئی ماں باپ کی قبر کو سجدہ کرے تو کافر نہیں ہوتا... یہ بزرگ جب نزع کی حالت میں تھے تو میں نے ان سے نصیحت کی التجا کی، فرمایا! اے علی... ماں اور والد کو قبلہ سمجھتا رہ... ماں باپ کی دلجوئی کرتا رہ۔" یاد رہے کہ جب کوئی شخص اپنے لئے نصیحت کی خواہش کرتا ہے تو ناصح اُس کے حال کے مطابق نصیحت کرتا ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ لاہور میں دنیوی مال و متاع سے فارغ، مجردانہ زندگی گزار رہے تھے اور آپ کے والدین غزنی میں تھے یا واصل بحق ہو چکے تھے اس پر یہ نصیحت عجب بات ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ ذات باری تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا حرام سمجھتے تھے۔ اس کا جائز ہونا تو کیونکر۔ اپنی کتاب میں رقم کر چکے ہیں۔ اس بات پر بھی حیرت ہے کہ کشف المحجوب جیسی ضخیم کتاب میں لاہور کے کسی فرد کا ذکر موجود نہیں لیکن آدھے صفحے کا رسالہ کشف

الاسرار لاہوریوں کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔

اس رسالہ میں شیخ تاج الدین کی حکایت کے بعد لکھا ہے

"اگر تم ہفت ہزاری بھی ہو جاؤ تو کیا ہوگا آخر وہی مٹھی بھر خاک ہی ہونا ہے۔"

یاد رہے کہ ہفت ہزاری وغیرہ مغلیہ دور کی اصطلاح ہے۔ جو شخص شاہان مغلیہ کے دور میں سات ہزار فوجیوں کے قیام، طعام، آلات حرب و ضرب اور تنخواہوں کی ضروریات پورا کرتا تھا۔ بوقت ضرورت سات ہزار فوجیوں کو اپنی کمانڈ میں لے کر لشکر مغلیہ میں شامل ہو جاتا، اسے ہفت ہزاری کہا جاتا تھا۔ ایسے منصب داروں کو اخراجات پورے کرنے کیلئے مغل بادشاہ جاگیریں بخش دیا کرتے تھے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے زمانہ میں یہ منصب اور اصطلاح موجود نہ تھی۔

کشف الاسرار ص ۷ پر تحریر ہے۔

"لاہور میں خود دیکھا کہ کریم اللہ نامی ایک بڑا تاجر تھا۔ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام امام بخش رکھا گیا..." حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے زمانے میں ایسے نام رائج نہ تھے۔

کشف المحجوب میں حضرت نے محبت اور اس کے متعلقات کے بارے میں تفصیلی ذکر فرمایا ہے جس میں عارفانہ انداز میں عشق و محبت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ آداب نکاح و تجرد ص ۴۷۱ پر حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ خود پہ گزری ایک کیفیت، کسی ان دیکھے محبوب کے خیال میں مبتلا رہنے اور اس سے نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"گیارہ سال تک شادی کی آزمائش سے اللہ تعالیٰ نے مجھ (علی بن عثمان) کو محفوظ رکھا، مگر بتقدیر الٰہی میرا ظاہر و باطن اس (ایک عورت) کی خوبیوں کا اسیر ہو گیا جو دوسروں نے مجھے بتائی تھیں اور اس (عورت) کو دیکھے بغیر ہی ایک سال تک اس کے خیال میں مستغرق رہا۔ قریب تھا کہ میرا دین (تمام ہو جاتا) اللہ

جل جلالہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و کرم سے میرے دلِ ناتواں کو عصمت اور اپنی رحمت سے نجات عطا فرمائی۔"

اس کے برعکس صاحب کشف الاسرار معشوق پر فدا ہونے کی تلقین کرتا ہے اور عشق، معشوق اور یار کی عامیانہ انداز میں باتیں جیسے

"میری خدا سے یہی آرزو ہے کہ... مجھے ہمیشگی کے باغ و بہار میں جگہ عطا فرما اور میری مراد کے معشوق کو میری بغل میں دے دے۔"

"الٰہی علی کی عاجزی پر رحم فرما یہ عاجز و بیکس تیرے سوا کوئی یار نہیں رکھتا"

وغیرہ وغیرہ اس قدر درج ہیں کہ اگر ان سے مُراد عشق حقیقی لی جائے تو بھی یہ اندازِ بیان حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کا قطعاً نہیں۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف لطیف کشف المحجوب میں کسی جگہ ایسا انداز نہیں اپنایا جس میں خود بینی، خود نمائی، خود ستائی اور اپنی ذات کے بارے میں فضیلت و ولایت کا اظہار ہو، لیکن اس کے برعکس صاحب کشف الاسرار زیادہ تر اپنی ہی ذات کی تعریف و توصیف میں قلمکاری کرتا نظر آتا ہے۔ جیسا کہ

"اے علی! تو مردِ پُر نور مثلِ طور ہے، شیطان سے دور اور جہاں میں ایک نور ہے۔"

"اے علی! تو عجب دلربا ہے، گویا حُسنِ یوسف ہے؛
عالم کی جان ہے اور تو ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔"

"اے خلقِ داتا علی! تو اپنے دل میں عمارت تعمیر کر۔"

"اے علی! تو عقلمند، بالغ، ولی اللہ، صاحب تاج و تخت اور فقیری کے تخت پر بیٹھنے والا ہے۔ جب تک تو ایک پیر ہے، دلپذیر ہے۔"

"اے علی! جب تک تو بادشاہ ہے چاند کی طرح سورج کا سہارا نہ لے۔"

"اے علی! تو بلند مرتبہ سورج ہے جس کا اونچا آسمان ہے۔"

''اے علی! تو چمکتے ہوئے جوہر رکھتا ہے۔''

یہ بات یقینی ہے کہ صاحب کشف الاسرار یا جعل ساز نے کشف المحجوب کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی اُسے کشف المحجوب کی جامعیت کا احساس تھا ورنہ وہ ایسی عبارتوں پر مشتمل رسالہ حضرت سے منسوب کرنے کی حماقت نہ کرتا۔

آٹھ صفحے کے رسالے کشف الاسرار میں مصنف نے خود پسندی اور تکلف پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھ جگہوں پر اپنے مخاطب کو ''اے میرے طالب'' لکھا ہے جبکہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ نے اپنی ضخیم تصنیف میں اپنے مخاطب کو صرف چند مقامات پر ''اے طالب حق'' اور ''اے طالب راہِ حقیقت'' تحریر کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ دونوں مصنفین کے رویوں اور مزاج میں تضاد بھی موجود ہے۔

درویش محقق حکیم محمد موسیٰ رحمہ اللہ (م ۱۹۹۹ء) دیباچہ کشف المحجوب اردو کے ص ۲۴ پر لکھتے ہیں ''رسالہ کے آخر میں تحریر ہے کہ ''بر رسولاں بلاغ باشد و بس'' سعدی کا یہ مصرعہ داتا صاحب کا نقل کرنا کرامت ہی سمجھا جا سکتا ہے۔'' اس سے صاحب کشف الاسرار کی بے خبری اور مطالعہ سے عدم دلچسپی عیاں ہوتی ہے۔

حاصل بحث یہ کہ کشف الاسرار کا موازنہ جب بھی کشف المحجوب سے کیا جاتا ہے تو یہ رسالہ فرضی معلوم ہوتا ہے۔ کشف المحجوب میں زبان و بیان کے علاوہ سنجیدہ قاری کو جس سلاست، تبحر، آمد اور علمی، رُوحانی و عرفانی واردات سے سابقہ پڑتا ہے، اس رسالہ میں کسی طور پر اس کی جھلک تک نہیں پائی جاتی۔ کشف الاسرار کی زبان عامیانہ لاہوری فارسی، غیر مُرتب اور انتہائی نو آموز مصنف کی تحریر لگتی ہے اس میں بعض باتیں قابل اعتراض بھی ہیں اور تضاد بھی موجود ہے۔ اس رسالہ میں کشف المحجوب کے تشنہ طلب موضوعات کی تشریح کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن کشف الاسرار کے مطالعہ سے ایسی کوئی بات سامنے نہیں آتی بلکہ اس میں کشف المحجوب کے خالص علمی اور سنجیدہ مباحث کو چھیڑا تک نہیں گیا۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں رقم فرمایا ہے کہ ''حضرت جنید نے تصحیح الارادۃ، حضرت احمد بن خضرویہ نے الرعایۃ بحقوق اللہ، اور حضرت محمد بن علی ترمذی نے بیان آداب المریدین کے نام سے کتب لکھی ہیں ان کے علاوہ ابو القاسم حکیم ابو بکر وراق، سہیل بن عبداللہ؛ ابو عبدالرحمن السلمی اور اُستاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اس موضوع پر بھر پور کتابیں لکھی ہیں، یہ سب بزرگ اس فن کے امام تھے۔ اس کتاب کشف المحجوب سے میرا مقصود یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے دوسری کتابوں کی ضرورت نہ رہے۔''

اس عبارت کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ خود اکابرین کی کتب سے قارئین کو فراغت دینے کا اعلان فرما رہے ہیں تو کشف الاسرار جیسے غیر سنجیدہ رسالہ کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔ ہم حق الیقین سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ضرورت حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کو قطعاً پیش نہیں آئی بلکہ صدیوں بعد یہ ضرورت کسی جعل ساز کو پیش آئی۔

یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ ہر دور میں کچھ لوگ مخصوص مفادات کی خاطر نامور شخصیات کے کلام میں حک و اضافہ یا کتابیں خود لکھ کر غلط طور پر ان سے منسوب کرتے رہے ہیں ایسے واقعات تاریخ میں بکثرت مل جاتے ہیں۔ کشف الاسرار نامی کوئی کتاب یا رسالہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کی تصنیف نہیں۔

☆☆☆

ارشاد گنج بخش رحمہ اللہ

**انسان کی ہلاکت نفس کی تابعداری میں ہے۔**

☆☆☆

## ساتواں باب

# حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ کے قریبی ادوار پر طائرانہ نظر

اہلِ تصوف کے مرجع و ملجاء حضرت ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی المعروف داتا گنج بخش لاہوری ادام اللہ فیوضہم کی گراں قدر ہستی کے مقصد حیات یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو تبلیغ و تلقین سے حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اسلامی رشد و ہدایت سے رُوشناس کرنے میں جو دُشواریاں حائل تھیں اُن کا اندازہ لگانے کیلئے ضروری ہے کہ ان کے دور یعنی پانچویں صدی ہجری اور ان کی پیدائش سے قبل کی چوتھی صدی ہجری کے مذہبی، سیاسی اور معاشی و معاشرتی حالات پر طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

### اولین صوفیاء

تصوف کی ابتداء دورِ نبوی ﷺ میں نظر آتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی ☆ عمار بن یاسر ☆ عبداللہ بن مسعود ☆ مقداد بن الاسود ☆ زید بن الخطاب ☆ ابوذر غفاری ☆ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اوّلین صوفیاء میں ستاروں کی طرح نمایاں ہیں۔

### ملوکیت کا آغاز تصوف کا نکھار

دورِ حاضر کے اکثر غیر مسلم محققین اپنے نقطہ نظر سے تصوف کا ناطہ ہندو مت، بدھ مت، عیسائیت و رہبانیت، یونانی اور چینی مفکرین، فلسفیوں سے جوڑتے ہیں حیرت ہے کہ بعض مسلم اہلِ قلم بھی تصوف کو اسلامی و غیر اسلامی تصوف میں تقسیم کرتے ہیں۔ حالانکہ تصوف کا خمیر خالصتاً اسلامی شریعت سے اُٹھا ہے اور جو خلاف اسلام ہے اُسے تصوف کہنا یا تصوف کا نام دینا ہی غلط ہے۔ غیر مسلم اقوام میں ان کے مذہبی طور طریقوں کے اپنی اپنی زبان میں نام اور اصطلاحیں موجود ہیں ان کے

ہوتے ہوئے غیر اسلامی تصوف کی اصطلاح استعمال کرنا کیونکر دُرست ہو سکتا ہے۔

کچھ لوگ تصوف اور صوفی کو دورِ ملوکیت کی پیداوار سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کو صوفیاء کیوں نہ کہا گیا؟ صحابہ کرام کی فضیلت اور خصوصیت سرورِ کونین سید الرسول ﷺ کی خدمتِ اقدس اور صحبتِ مبارکہ میں بیٹھنا تھا۔ اُن کو اسی صحبت کی نسبت سے صوفی کے بجائے صحابی کہا گیا۔ ہر صحابی کو صوفی تو کہا جاسکتا ہے لیکن ہر صوفی کو صحابی نہیں کہا جاسکتا۔ اصحابِ صفہ ؓ اسلامی تاریخ کے اولین صوفیاء تھے۔

تاریخ اسلام میں جب ملوکیت کا آغاز ہوا تو تصوف بھی نکھر کر سامنے آگیا۔ اقتدار، حکومت اور بیت المال ملتِ اسلامیہ کی بجائے ذاتی ملک و وراثت بنالیا گیا تو اہل اقتدار نے اپنی رہائش کیلئے بلند و بالا پُر آسائش شاہی محلات اور مملکت کا کاروبار چلانے کیلئے ادارے تعمیر کر لئے اس طرح دربان اور نوکر شاہی کا وجود قائم ہو گیا جو مظلوموں کی داد رسی میں حائل ہو گیا۔ جبر و تشدد، ظلم و ناانصافی اور باطل قوتوں نے سر اٹھالیا اور اصول پرستی کی بجائے شخصیت پرستی کا دور شروع ہو گیا۔

## اسلام کی پاسبانی

اس صورتِ حال کے خلاف حق گو، متوکل، راست باز، عدل و انصاف کے پیکر نفوسِ قدسیہ سراپا احتجاج بن گئے۔ اس پاکیزہ گروہ نے حق کا نعرہ بلند کیا اور جان کی بازی لگا دی۔ کچھ نے جامِ شہادت نوش فرمایا جو بچ گئے انہوں نے اپنی دنیا لٹا دی اور حفاظتِ دین کی خاطر کیلئے سرگرمِ عمل ہو گئے۔ ایسے جامع الصفات افراد کو صُوفی کہا گیا۔ انہیں صوفیائے کرام نے خالصتاً اسلام کی سربلندی کیلئے شریعت کی بنیاد پر تصوف کی عمارت کو وسعت دی اور مخلوقِ خدا کو حق و باطل کی تمیز، قلب و ذہن کی نشو و نما اور خوفِ خدا کا علم اور عمل درسِ طریقت کے پُرکشش انداز میں دیا اور تخت و تاج سے دور رہ کر اسلام کی پاسبانی، منہاجی سیاست، اقتدار شخصیات اور خاندانی عصبیتوں کے جنگل میں بھٹکی ہوئی جن سے آمرانہ حکومتیں قائم ہونے لگیں، مسلم امہ کو یہ باور کرا

دیا گیا کہ دین اور سیاست جدا جدا ہیں۔ یہ آمرانہ روش آج تک قائم ہے اور مسلم امہ کا متواتر استیصال ہو رہا ہے۔ بصد افسوس کہ آج بھی اکثر جمہوری و شاہی آمر اپنے اپنے اقتدار کو بچانے اور دوام بخشنے کیلئے سامراجی قوتوں کے غلام بنے بیٹھے ہیں۔

## پُرفتن دور

اُس پُرفتن دور میں بے شمار عظیم ہستیوں نے چمنِ اسلام کی اپنے خون پسینے سے آبیاری کی۔ دورِ ملوکیت کے پر آشوب حالات کا اگر مختصر جائزہ لیا جائے تو جنگ صفین، جنگ جمل، سانحہ کربلا اور عبدالملک کے دور میں مسلم خون کا ضیاع، محمد بن قاسم فاتح سندھ، موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس، قتیبہ بن مسلم باہلی جیسے اعلیٰ خوبیوں کے مالک فاتحین کا عبرت ناک اور وحشت انگیز انجام، حجاج بن یوسف کی سفاکی، اموی سلطنت کے ہاتھوں مسلمانوں کے خون کی ارزانی، عباسی عہد میں حصولِ اقتدار کی جنگیں، مسئلہ خلق قرآن اور قرامطہ کا فتنہ۔ دین کی بالا دستی کی بجائے شخصیات کی بالا دستی اور خوشنودی کیلئے مسلمانوں کا باہم قتل وقتال اور خون ریزی تاریخ اسلام کے ایسے بدنما داغ ہیں جن کی سیاہی آج بھی موجود ہے۔

معاشی وسائل اور دولت کی فراوانی کا غلط استعمال کے سبب فسق و فجور، آسائش و تعیش سے پُر، خوشامد و چاپلوسی اور تن آسانی کا خوگر معاشرہ وجود میں آگیا جس میں شمشیر و سنان کی جگہ رقص و موسیقی نے لے لی۔ عقل و دانش کا دھارا تعمیر کی بجائے تخریب میں بہنے لگا۔ متفقہ علیہ مسائل کو متنازعہ بنا کر اس پر بحث و مناظرہ عوام و خواص کا شبانہ روز مشغلہ بن گیا، بازاروں میں سامانِ حرب و ضرب کی بجائے عیش و عشرت کا سامان سجنے اور بکنے لگا، ملت کا سرمایہ دفاع و رفاہ کی بجائے تعیشات و خرافات پر خرچ ہونے لگا۔ ایسی حالت میں عذابِ الٰہی تاتاریوں کے روپ میں نازل ہوا، تباہی و بربادی عوام و خواص کا مقدر بن گئی۔

اس دورِ حرص و ہوس میں صوفیائے کرام خصوصاً حضرت حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ

بن حیان رضی اللہ عنہ حضرت سعید ابن المسیب ☆ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی ثابت قدمی سے تصفیۂ نفس (نفس کو تمام صفاتِ رذیلہ سے پاک کرنا) تجلیۂ نفس (نفس کو صیقل کر کے اسے جلا دینا تاکہ صفاتِ جمیلہ قبول کر سکے) تحلیۂ نفس (نفس کو صفاتِ حمیدہ سے آراستہ کرنا) میں منہمک رہے اور مخلوقِ خدا کو بھی تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے رہے۔

مملکت اسلامیہ کے سلاطین کے جبر و تشدد اور ظاہری شان و شوکت نے مخلوقِ خدا میں سے اکثر کی زبان و بیان، شمشیر و سنان، قلم و جسم کو تو مسخر کر لیا لیکن قلب و روح پر گرفت نہ کر سکے۔ چنانچہ ایمان کی سلامتی، عمل کی درستگی، اطمینانِ قلب اور روحانی آسودگی کے حصول کیلئے مخلوقِ خدا صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہونے لگی۔ بوریا نشین صوفیائے عظام رحمہم اللہ نے اپنے عمل و کردار اور اخلاقی بلندی کے سبب لوگوں کے دل مسخر کر لئے اور لوگوں کی نظر میں خاک نشینوں کا مقام و مرتبہ اعلیٰ و ارفع اور شاہی تخت نشینوں کا مقام ہیچ ہوتا چلا گیا۔ بعض دنیا پرست اور حرص و ہوس کے ماروں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کیلئے تصوف کو اپنا آلہ کار بنالیا اور صوفیاء کا رنگ ڈھنگ اپنا کر غیر اسلامی نظریات و عقائد کی ترویج اور شریعت میں آسانیاں پیدا کرنا شروع کر دیں۔ نتیجتاً گمراہی، مذہبی تعصب فرقہ واریت اور تصوف دشمنی کا فتنہ جاگ اُٹھا۔ حضرت سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں پانچویں صدی ہجری کے باطل فرقوں اور گمراہ صوفیوں کے عقائد و نظریات کو بے نقاب کیا اور اُن سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

## سلاطین کی حکمرانی، شریعت سے رُوگردانی

ملوکیت کے دور میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی، رسول اللہ ﷺ کی شریعت سے رُوگردانی ہونے لگی اور اسلامی دستور کی بجائے سلاطین کے ذاتی احکامات کو فوقیت دی جانے لگی۔ مساجد میں اکثر آئمہ و خطباء جب رسمی خلفاء کا خطبہ پڑھنے اور خوشامد کے مرتکب ہونے لگے تو صوفیاء نے ان آئمہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھنے کی بجائے خرافات کی بحث جھگڑے سے دور گوشہ ہائے عافیت میں عبادات و ریاضات کے مراکز قائم کر لئے۔

مفاد پرست اور خوشامدی واعظین کی محافل سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور صوفیانہ انداز میں رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اصلاح و فلاح کے یہ مراکز خانقاہوں میں ڈھل گئے اور تصوف کی زمین پر طریقت کے رنگ برنگے پھول کھل گئے۔

ایک مستشرق ڈاکٹر ڈونالڈسن ''مسلمانوں کا فلسفہ اخلاق'' کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے کہ "بقول ابن خلدون صوفیاء نے جو طریقہ اختیار کیا وہ آغاز اسلام سے مسلمانوں میں متداول تھا اور اکابر صحابہ کرام بھی اسے سچائی اور ہدایت کا طریقہ یقین کرتے تھے۔ یہ طریقہ عبادت اور تبتل پر مبنی تھا اور جب دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی محبت راہ پانے لگی تو جن لوگوں نے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا اور مادہ پرستی سے مُنہ موڑ لیا وہ صوفیاء کے لقب سے یاد کئے جانے لگے"

## چوتھی صدی ہجری کی کہانی مقدسی کی زبانی

معروف سیاح ابو عبداللہ محمد المقدسی نے ۳۷۵ھ میں اپنے سفرنامے "احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم'' میں چوتھی صدی ہجری کے جغرافیائی و معاشرتی حالات اور عقائد و نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ہم مقدسی کی زبانی ان شہروں اور علاقوں کے حالات اور وہاں کے لوگوں کے عقائد و نظریات کا جائزہ لیتے ہیں جن کا حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں جا بجا ذکر فرمایا۔

طوس ☆ طوس کے سارے باشندے امام شافعی کے مقلد ہیں اور وہاں ان کی فقہ پر عمل ہوتا ہے۔ سرخس ☆ سرخس میں حنفیوں کے فرقہ مروسیہ اور شافعیوں کے فرقہ اہلیہ کے درمیان سخت عداوت ہے۔ مرو ☆ شہر کے وسط میں جامع مسجد ہے۔ شہر میں بیدار مغز اور باشعور اکابر موجود ہیں ہر رات وعظ اور مباحثے ہوتے ہیں۔ واعظ فقہ کا علم رکھتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ مدارس میں طلبہ کو وظائف دیے جاتے ہیں۔ لوگوں میں فیاضی اور مروت کی کمی ہے۔ وسائل رزق تنگ ہیں۔ باشندے فتنہ پرور اور شاطر ہیں فسادات کی وجہ سے شہر کی آبادی کم ہو گئی ہو اور اکثر

حلقان انجا کیے ہیں۔ شہر میں بدکاریاں پھیلی ہیں اور برابر جھگڑے اور فتنے اٹھتے رہتے ہیں۔ باشندے بدطینت، ظالم اور احمقانہ حرکات کے خوگر ہیں۔ نسا ☆ درختوں میں چھپا ہوا صاف ستھرا خوبصورت شہر ہے، جامع مسجد خوشنما ہے، شہر مذہبی عیاروں کا اکھاڑہ ہے، مذہبی تعصب نے اجتماعی عافیت برباد کردی ہے، حد تو یہ ہے کہ نسا کے عالموں نے قرآن تک میں اضافہ کردیا ہے، اذان ترجیع سے دی جاتی ہے یعنی شہادت کے دونوں کلموں کو پہلے دو بار ہلکی آواز سے پھر دوبار بلند آواز میں ادا کیا جاتا ہے۔ بہت سے معاملات میں اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں ہوتا۔ نیشاپور ☆ نیشاپور عالمِ اسلام کا لاثانی شہر ہے مگر افسوس کہ یہاں بلوؤں اور جھگڑوں کو دیکھ کر عقل چکرانے لگتی ہے، مذہبی تعصبات کا مشاہدہ کرکے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے، فقہاء کی مٹی پلید ہے۔ عوام کا حال یہ ہے کہ جہاں کسی سرپھرے نے نعرہ لگایا اس کے پیچھے ہو لئے، مذہبی تعصب کا زہر بری طرح پھیلا ہوا ہے۔ سمرقند ☆ سمرقند میں علم کا بڑا چرچہ ہے اور جید عالم فاضل موجود ہیں۔ بخارا ☆ بخارا کی ساری مساجد خوشنما ہیں اور نمازیوں سے بھری رہتی ہیں، جہلا اور ان پڑھوں کی تعداد کم ہے، واعظ فقہ اور تفسیر کا علم رکھتے ہیں یہاں باہر کے بہت سے لوگ آگئے ہیں جنہوں نے برائیاں پھیلانا شروع کردی ہیں، یہ لوگ بدمعاملہ ہیں اور نماز باجماعت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، درباری مقربین کا ایک گروہ عجم اور ایران جیسا سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتا اور مذہبی معاملات سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ ماوراء النہر ☆ ماوراء النہر ہمہ صفت اور شاداب خطہ ہے۔ کسی ملک میں نہ تو اتنے فقہاء ہیں اور نہ علم کا ایسا چرچا، نہ ہی مذہبی زندگی اتنی ہموار اور مستقیم ہے۔ ادب اور حدیث سے لوگوں کو خاص شغف ہے، درس و تدریس کا سلسلہ دن رات جاری ہے۔ خراسان ☆ خراسان کی مجموعی زندگی راہِ راست پر ہے مگر بعض شہروں سجستان، ہرات کے مضافات میں استریاں اور کروخ میں خارجیوں کی بڑی تعداد آباد ہے۔ سامانی سلاطین (مقدسی کے دورِ سیاحت میں خراسان پر

آلِ سامان کی حکومت تھی ) اپنے دربار میں علماء کو زمین بوسی پر مجبور نہیں کرتے ۔ جمعہ کی رات کو ان کے دربار میں مناظرہ اور مباحثہ کی مجالس ہوتی ہیں جس میں بڑے بڑے فاضل شریک ہوتے ہیں۔ سلاطین کا رجحان فقہ حنفی کی طرف ہے ۔ ان کا فتویٰ بخارا کا سب سے ممتاز اور راست باز شخص ہوتا ہے۔ آذر بائیجان ☆ اس کا صدر مقام اردبیل ہے، شہر میں ہر وقت فوج رہتی ہے، باشندے بخیل اور بار خاطر ہیں، علماء کا فقدان ہے، واعظ فقہ سے نہ آشنا ہیں اور لوگ مذہبی تعصب میں گرفتار ہیں۔ شیعہ نہیں پائے جاتے، علم الکلام سے بھی دلچسپی نہیں تصوف کی طرف میلان زیادہ ہے۔ اردبیل میں ایک خانقاہ بھی ہے۔ طبرستان ☆ آمل اس کا صدر مقام ہے کچھ باشندے حنفی باقی حنبلی یا شافعی ہیں، پہاڑی علاقہ میں کرامیہ فرقہ کی خانقاہیں ہیں، بعض حصوں میں شیعوں کا زور ہے۔ خُوزستان ☆ خوزستان عقائد کا اکھاڑہ ہے، واعظ قصہ گو ہیں اور مساجد میں اُودھم مچائے رکھتے ہیں۔ خوزستان اعتزال کا سب سے بڑا مرکز ہے کسی ملک میں یہاں سے زیادہ معتزلی نہیں پائے جاتے عسکر مکرم والے تو سو فیصد معتزلی ہیں۔ عسکر مکرم اور تُستر والوں کے درمیان تعصب کے سبب لڑائیاں ہوتی ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تُستر والوں نے ایک مرتبہ سوس سے حضرت دانیال علیہ السلام کا تابوت منگوایا اور پھر واپس نہ کیا اس سے دونوں شہروں کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے ۔ عسکر مکرم کے علماء کو علم الکلام اور اعتزال سے شغف ہے اس لئے عوام ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اہواز ☆ اہواز کے شہریوں میں نہ شرافت نفسی ہے نہ دین و ایمان۔ جامع مسجد عیاروں اور قلندروں کا ڈیرہ ہے۔ سوس ☆ سوس کے لوگ اہلسنت و جماعت ہیں۔ جامع مسجد عمدہ ہے۔ فارس ☆ فارس کا صدر مقام شیراز ہے جو نو وجود شہر ہے۔ عالم، ادب سے خالی ہیں، ثقہ اور عادل لوگ قوم لوط سے اور تاجر دلال ہیں۔ میں (مقدسی) نے علماء کا لباس پہننے والوں کو شراب کے نشہ میں دھت دیکھا ہے۔ قہستان اور [illegible] بدمعاشوں کے اڈے ہیں۔ یہاں کی جامع مسجد بہت بھدی ہے

جس میں حلقہ درس کے علاوہ صوفیاء کی محافل گرم رہتی ہیں۔ مجموعی طور پر فارس میں متعدد مسلک و مذہب موجود ہیں ۔ مثلاً حنفی ، شافعی ، معتزلی، حنبلی، شیعی۔ داؤدی یہاں ہر جگہ سے زیادہ ہیں، بڑے بارسوخ اور مقتدر ہیں... احناف کی تعداد کافی ہے ۔ ارجان اور ساحلی علاقوں میں شیعوں کی تعداد زیادہ ہے۔ معاشرہ واعظوں کی عزت نہیں کرتا۔ کرمان ☆ کرمان کی کھجور اتنی میٹھی ہے کہ سادہ کھائی نہیں جاتی۔ کرمان کا صدر مقام سیرجان ہے۔ علماء معتزلی خیالات کے ہیں۔ یہاں کی عورتیں بد چلن ہیں۔ بزماسیر کھجور کی تجارت کا مرکز ہے۔ ہر سال تقریباً ایک لاکھ اُونٹ کھجور اُٹھانے کرمان آتے ہیں تو زناء و فساد کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ جیرفت ضلع کے باشندے حنفی ہیں باقی مملکت میں بحیثیت مجموعی امام شافعی کا مسلک غالب ہے۔ شام ☆ شام کے صدر مقام دمشق کے باشندے مفسد اور شوریدہ سر ہیں، اس شہر کی واحد خوبی اور اس کا قیمتی اور اس کا سرمایہ ولید بن عبدالمالک کی تعمیر کردہ جامع مسجد ہے۔ شام پر مصر کے فاطمی خلفاء حکمران ہیں۔ رملہ ☆ رملہ ضلع فلسطین کا صدر مقام ہے۔ کنوؤں کا پانی کھارا ہے لہذا بارش کا پانی حوضوں میں جمع کرلیا جاتا ہے۔ جن پر قفل ڈال دیئے جاتے ہیں۔ نادار پیاسا رہتا ہے اور پردیسی حیران و پریشان۔ بیت المقدس ☆ مقدسی اپنے آبائی شہر بیت المقدس کے بارے میں رقمطراز ہے کہ مظلوموں کی کوئی فریاد نہیں سنتا، نادار و پریشان حال پھرتے ہیں۔ فقہاء کے پاس کوئی پھٹکتا نہیں، ادباء کی بھی ناقدری ہے۔ انصاف کیلئے عدالتیں ہیں نہ درس کیلئے حلقے، مسجدوں میں بھی زیادہ مجمع نہیں ہوتا۔ بیت المقدس حنفیوں کا ایک حلقہ ہے جہاں وعظ ہوتا ہے۔ طبریہ سارے نابلس اور قدس کے آدھے باشندے شیعہ ہیں ۔ معتزلہ کیلئے ماحول سازگار نہیں اسلئے دبے ہوئے ہیں مالکی اور داؤدی فقہ کے پیرو بھی یہاں نہیں ہیں۔ جامع مسجد میں محدث اوزاعی (م عقلاء ) کی فقہ کا ایک درسی حلقہ ہے کوئی شہر یا حلقہ ایسا نہ تھا جہاں حنفی نہ پائے جاتے ہوں لیکن آج فاطمی شریعت و قانون پر عمل ہوتا ہے۔ عراق ☆ عراق کا

دارالخلافہ بغداد کسی زمانہ میں بہت پُر رونق شہر تھا۔لیکن جب سے عباسی خلفاء کمزور ہوئے اس کا زوال شروع ہوا،آبادی کم ہوگئی اور شہر بھی اُجڑ چکا ہے،جامع مسجد میں صرف جمعہ کے روز آبادی ہوتی ہے،شہری حالت روز بروز بگڑتی جارہی ہے مجھے (مقدسی) اندیشہ ہے کہ وہ سامرا کی طرح برباد ہوجائے گا۔ فتنے فساد، جہالت اور فسق و فجور کا بازار گرم ہے،مقامی حکومت ظالم ہے۔عراق پر عباسی خلفاء کی حکومت ہے جو سلاطین بویہ کے ماتحت ہیں۔ بغداد میں عراق کے بلند پایہ فقہاء حنابلہ اور شیعہ عوام پر حاوی ہیں ان کے علاوہ یہاں مالکیہ،شعریہ،معتزلہ اور نجاریہ فرقوں کے پیرو بھی موجود ہیں،بغداد کے حنبلی بڑے فعال ہیں اور تشبیہ کے قائل ہیں حنابلہ کی بربہاری شاخ کو خاص طور پر امیر معاویہ سے بے پناہ محبت ہے۔عراق کے اکثر فقیہہ اور جج حنفی مسلک کے ہیں۔ کوفہ ☆ کبھی یہ شہر عظمت و مدنیت میں بغداد کا ہم پلہ تھا مگر اب حالت خراب ہے،بیرونی حصے اُجڑ گئے ہیں،کناسہ محلّہ کو چھوڑ کر جو سُنی ہے باقی سب لوگ شیعہ ہیں۔ بصرہ ☆ بصرہ کی مسجد شاندار اور آباد ہے،بہت سے صالح لوگ رہتے ہیں مگر عجیب عجیب فتنے اُٹھتے رہتے ہیں۔بصرہ کے بیشتر لوگ قدریہ ہیں لیکن یہاں حنبلی بھی پائے جاتے ہیں۔بصرہ میں قبیلہ ربیعہ کے شیعہ عرب اور قبیلہ سعد کے سُنی عرب بڑے متعصب ہیں بصرہ کے دیہات میں بھی شیعہ سُنی تعصب کا اثر پہنچ گیا ہے۔

ترکستان ☆ ترکستان کی سرحد میں آخری شہر اسبیجاب ہے جو سمرقند سے چھ مرحلے اور دو برید کے فاصلے پر شمال مشرق میں آباد ہے یہاں دو ہزار سات سو سرحدی چوکیاں ہیں۔شہر میں قراتگین کی قبر ہے۔یہ ایک اہم سرحدی شہر اور مستقر جہاد ہے،جہاں لوگ ہر وقت ترکستانی چھاپہ ماروں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں،اسی وجہ سے لوگوں سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔''

بچشم مقدسی مسلم اُمہ کی جو حالت ہم تک پہنچی ہے اُس سے اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ مسلمانوں کا شیرازہ کس قدر بکھر چکا تھا اور مسلم اُمہ ایک ملت واحدہ کی

بجائے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی طبقات میں تقسیم در تقسیم ہو چکی تھی۔ افسوس کہ آج بھی یہی صورت حال برقرار نظر آتی ہے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں مختلف جگہوں پر دیگر جن شہروں کا ذکر فرمایا ہے درج ذیل ہیں۔

مکہ مکرمہ ☆ مدینہ منورہ ☆ جدہ ☆ کربلا ☆ اصفہان ☆ رے ☆ سامرہ ☆ کرخ ☆ کمش ☆ کمند ☆ خرقان ☆ پارس ☆ ترمذ ☆ بیضاورد ☆ بیت الجن ☆ بلخ ☆ بسطام ☆ بسلاتک ☆ مروالرود ☆ باورد ☆ مصر ☆ جبل لکام ☆ جیحون ☆ عبادان ☆ عسقان ☆ حلوان ☆ فرغانہ ☆ قہستان ☆ حیرہ ☆ دویرہ ☆ فید ☆ آمل ☆ اوزکند ☆ بانیار ☆ روم ☆ حبشہ ☆ لہانور (لاہور) ☆ تبت ☆ چین ☆ ہند۔

## شیخ ہجویر کا آبائی شہر غزنی

چوتھی صدی ہجری کا غزنی: چوتھی صدی ہجری/دسویں صدی عیسوی میں جب غزنی پر سامانیوں کی عمل داری قائم ہوئی تب سے غزنی کے واقعات تاریخ میں محفوظ ہونے لگے۔ ۳۶۶ھ / ۹۷۷ء میں سبکتگین نے میں غزنوی خاندان کی بنیاد رکھی ۔سلطان محمود غزنوی نے غزنی کی سلطنت مغربی ایران سے گنگا کی وادی تک پھیلا دی۔

پانچویں صدی ہجری میں دُنیائے اسلام کے رئیس البلاد شہروں میں سے ایک غزنی تھا۔ یہ کابل سے قندھار جاتے ہوئے ۱۴۵ کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے پہاڑوں سے گھری ہوئی سرسبز وادی میں دریائے غزنی کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ ۴۰۰ھ میں اسی شہر میں پیدا ہوئے ۔ غزنی اس وقت پاکستان کے مغربی ہمسایہ ملک افغانستان کا ایک شہر ہے۔ غزنی کی شان وشوکت کے آثار ناپید ہو چکے ہیں یہاں ایک قبرستان ہے۔ جس میں چند ہستیاں آسودہ خاک ہیں۔ جن میں سلطان سبکتگین، سلطان محمود، سلطان مسعود، سلطان مودود، سلطان حلقوم، سلطان عبدالرزاق، حکیم سنائی، بہلول (اور) حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے والدین اور

ماموں تاج الاولیاء وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

حدود اربعہ: غزنی کابل سے ۹۰ میل یا ۱۴۵ کلو میٹر جنوب مغرب میں ۱۸۔ ۶۸ درجے عرض بلد اور ۳۳۔۴۴ درجے طول بلد پر ہے۔ سطح سمندر سے سات ہزار دو صد اسی ۷۲۸۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ غزنی کا مغربی حصہ پہاڑی اور باقی علاقہ سطح مرتفع ہے۔ کابل سے قندھار جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ اس کے مشرق میں پاکتیا، مغرب میں ارزگان، شمال میں بامیان اور جنوب میں زابل کے صوبے ہیں۔

موسم سرما میں سخت سردی اور برفباری ہوتی ہے، گرما میں اکثر آندھی آتی ہے۔ لوگ عام طور پر زراعت پیشہ ہیں، زیادہ تر گندم، جو اور سبز چارے کی کاشت ہوتی ہے۔ یہ مویشیوں، سمور، ریشم اور غلے کی اہم منڈی ہے۔ پھلوں میں زیادہ تر انگور اور ناشپاتی پیدا ہوتی ہے۔ ۱۹۷۰ کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۴۳۴۲۳، تینتالیس ہزار چار سو تیئیس نفوس پر مشتمل تھی۔ یہاں کے لوگ زیادہ تر فارسی بولتے ہیں اور سُنی المذہب ہیں۔

## غزنی علم و ادب کا گہوارہ

سلطان محمود غزنوی ۳۸۶ ھ میں تخت نشین ہوا تو غزنی بلادِ اسلامیہ میں ایک نمایاں حیثیت سے ممتاز ہوا۔ علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا۔ تلوار سے حکمرانی محمود نے کی اور علم و فن سے حکمرانی ان لوگوں نے کی جن میں ابو ریحان البیرونی ☆ ابو نصر عتبی ☆ ابو منصور ثعالبی ☆ ابو مشکان ☆ ابو حیب سہل بن سلیمان صعلوکی ☆ ابو محمد عبداللہ بن حسین الناصحی ☆ ابو القاسم خواجہ احمد بن حسن مہدی ☆ ابو العباس فضل بن احمد السفرائنی ☆ ابو الخیر حماد ☆ فردوسی ☆ عسجدی ☆ اسدی ☆ فرخی ☆ ابو الفتح بستی ☆ عنصری کا نام ممتاز ہے۔ یہ ذہین و فطین افراد دربار غزنویہ کے ایسے روشن چراغ تھے جن کو زمانہ آج بھی تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، طب، تاریخ، شعر و ادب اور قصیدہ گوئی میں اپنے اپنے فن کے اُستاد مانتا ہے۔ اس کے علاوہ خود

نقشہ افغانستان

غزنی ⬭

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں غزنی میں موجود مشائخ وصوفیاء میں سے چند ارباب معانی حضرت ابوالفضل بن اسدی ☆ حضرت اسماعیل شاشی ☆ حضرت شیخ سالار طبری ☆ حضرت ابوعبداللہ محمد بن حکیم معروف بہ مرید ☆ حضرت سعید بن ابی سعید ☆ حضرت ابو العلا عبد الرحیم بن محمد سعدی ☆ حضرت شیخ قسورہ بن محمد گردیزی رحمہم اللہ کا ذکر فرمایا ہے۔

غزنی کی تعمیر و توسیع: محمود غزنوی نے غزنی کی تعمیر و توسیع میں خصوصی دلچسپی لی۔ دریائے غزنی پر شہر سے اٹھارہ میل شمالاً ایک بند باندھا تاکہ بوقت خشک سالی پانی آباشی کے کام آئے۔ ایک یادگار مینار بنوایا جو ایک سو چوالیس فٹ بلند تھا اوپر جانے کیلئے اندر سیڑھیاں بنوائیں۔ مینار کے مختلف حصوں میں خطِ کوفی میں قرآنی آیات و اشعار کندہ کروائے۔ قنوج کی فتح کے بعد سلطان محمود غزنوی نے ایک مسجد تعمیر کروائی جس میں سنگِ مرمر، سنگِ رفام اور سنگِ موس بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا۔ جسے عروس فلک مسجد کہا جانے لگا۔ مسجد سے ملحق ایک مدرسہ اور کتب خانہ قائم کیا جس کے اخراجات کیلئے کئی دیہات وقف کر دیئے۔ (تاریخِ فرشتہ)

غزنی میں علم و ادب، شان و شوکت اور آرام و آسائش کے ماحول میں حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ نے ہوش سنبھالا اور تعلیم و تربیت کے مراحل طے کئے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ غزنی کے علمی ماحول نے حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کی خداداد صلاحیتوں کو چار چاند لگا دیئے۔ بظاہر کوئی رکاوٹ نہ تھی کہ آپ اپنی ذاتی صلاحیتوں اور اپنے معروف علمی خانوادے کی بنیاد پر شاہی دربار غزنی سے منسلک ہوجاتے۔ لیکن اس صوفیِ کامل نے آرام و آسائش، جاہ طلبی اور جلب منفعت کی بجائے علم و عرفان اور سلوک کی اعلیٰ منزلیں طے کرنے کیلئے عالمِ اسلام کی درویشانہ سیاحت اختیار کی۔ بے شمار معروف و غیر معروف صوفیاء کی صحبت سے مستفید ہوئے اور اکتسابِ فیض کیا۔ تصوف کی راہ میں آپ نے جو زہد و جہد کیا اور مصائب اُٹھائے

آج اُس کا تصور بھی محال ہے۔

غزنی کی تباہی و بربادی: غزنی کی بربادی سب سے پہلے سلجوق افواج کے ہاتھوں ہوئی جنہوں نے چھٹی صدی ہجری کے نصف اول میں غزنی پر دو بار قبضہ کیا لیکن بڑی تباہی ۵۴۵ھ میں ہوئی جب علاء الدین حسین غوری نے اپنے دو بھائی جو بہرام شاہ غزنوی کے ایما پر قتل ہوئے، کے انتقام میں غزنی کو جلا کر خاک کر دیا۔ اس کے بعد ۶۱۲ھ / ۱۲۱۵ء میں چنگیز خانی مغلوں نے اس شہر کو جلا کر تباہ کر دیا۔ صدیوں بعد روسی قبضہ کے دوران بمباری سے اس شہر پر بڑی تباہی نازل ہوئی۔ ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء میں پورا افغانستان امریکہ کے بارود کا نشانہ بننے پر تباہ ہو گیا۔

راقم الحروف کے والد ستودہ صفات حضرت الحاج میاں احمد دین شیخ رحمہ اللہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ (متوفی ۳ رمضان المبارک بروز جمعہ بوقت بعد از نماز فجر ۱۳۸۳ھ بمطابق ۱۹۶۲ء) نے دنیا اسلام کے بیشتر ممالک کی سیاحت فرمائی تھی۔ حجاز مقدس، حرمین شریفین میں مسلسل تین سال قیام فرمایا، اس کے علاوہ ایران، عراق، شام اور افغانستان تو اُن کا اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ انہوں نے راقم کو بتایا تھا کہ " غزنی شہر کے شاہی آثار تقریباً مٹ چکے ہیں۔ آبادی کے ساتھ ہی ایک قدیم قبرستان اب بھی موجود ہے جس میں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے والدین اور اُن کے بزرگوں کی قبور موجود ہیں اور مجھے کئی بار زیارت کی سعادت نصیب ہو چکی ہے۔ یہ مزارات بھی مرجع خلائق ہیں۔ تلاش بسیار کے باوجود حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے خانوادہ کے کسی فرد کی اب غزنی یا گرد و نواح میں موجودگی نہیں پائی گئی۔"

محسن محققین حضرت حکیم محمد موسیٰ رحمہ اللہ بھی جب تحقیقی جستجو میں افغانستان گئے تو شہر غزنی کا حال بھی دیکھ کر آئے، بعد ازاں بندہ کے دریافت کرنے پر اس بات کی تائید فرمائی کہ " غزنی شہر اب اپنی شان و شوکت کھو چکا ہے اُس کے شکستہ آثار ویرانی پر

ماتم کناں ہیں ۔ایک قبرستان ہے جس میں حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے والدین اور بزرگوں کے مزارات موجود ہیں اور قبرستان کا متولی انہیں ار بابا کہتا ہے۔''

## ہندوستان

عربوں اور ہندوستانیوں کے انفرادی تاجرانہ تعلقات بہت قدیم ہیں۔لیکن حکومتی سطح یا اجتماعی طور پر عرب اور ہند کی اقوام میں کوئی مراسم یا تعلقات نہ تھے۔عرب اور ہند کی تہذیب وتمدن میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ظہور اسلام کے بعد سندھ پر سب سے پہلے باقاعدہ عسکری،تہذیبی حملہ جواں سال جرنیل محمد بن قاسم نے ۹۳ھ بمطابق ۷۱۱ء میں کیا۔اس وقت سندھ جن علاقہ جات پر مشتمل تھا وہ مکران کے مشرقی علاقے ،مغربی پنجاب کا بڑا حصہ اور بلوچستان تھے۔سندھ چار انتظامی حصوں میں منقسم تھا (۱) سہوان (۲) بہمن آباد (۳) اُچ (۴) ملتان ،صدر مقام الور تھا۔عرصہ دو سال میں سندھ اور ملتان کا سارا علاقہ محمد بن قاسم نے فتح کر کے باقاعدہ مملکت اسلامیہ میں شامل کر دیا۔ ۹۷ھ بمطابق ۷۱۵ء میں محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا گیا اور خاندانی رنجش کی بناء پر اس کا افسوس ناک انجام ہوا۔چار سال کے مختصر عرصہ میں محمد بن قاسم اور مسلم افواج کے کردار، حُسن سلوک، رواداری اور بہترین نظم ونسق نے وہاں کے عوام وخواص سے اپنا لوہا منوایا۔ بلاذری کی کتاب ''فتوح البلدان'' میں ہے

> ''جب محمد بن قاسم قید ہو کر عراق گیا تو ہندوستان کے لوگ روتے تھے اور کیرج (علاقہ کچھ) کے لوگوں نے تو اس کا مجسمہ بنا لیا تھا''۔

سندھ جب عباسی خلفاء کے زیر نگین آیا تو عرب اور ہند میں علمی ،سیاسی اور مذہبی تعلقات گہرے ہو گئے۔اس کے بعد عربوں کی رسائی ہندوستان کے دوسرے حصوں تک ہوئی۔ سلاطین کے عتاب کے خوف یا مختلف وجوہات کی بناء پر عرب لوگ ہند میں آباد ہونے لگے۔تبلیغِ دین کیلئے صوفیاء نے بھی ادھر کا رخ کیا۔اس کا اثر یہ ہوا کہ ساحل گجرات کی بندرگاہوں ( کھنبائت، صیمور جو اس وقت صوبہ بمبئی کے ضلع

قلابہ میں چولی کے نام سے معروف ہے۔) پر مسلمانوں کی نو آبادیاں قائم ہو گئیں۔ ہند میں مالابار اسلامی اثرات کا دوسرا اہم مرکز تھا۔راس کماری کے شمال مشرق میں کارومنڈل کا علاقہ ہے جسے عرب معرب کہتے تھے۔اس علاقہ میں بھی عربوں کی قدیم بستیاں تھیں۔جن میں سے ایک ٹینولی ہے جو صوبہ مدراس کے شہر کیالا پٹم کے قریب ہے۔یہاں سے بعد میں ایک انگریز افسر کو ۱۷ھ سے ۵۷۱ھ تک کے کئی سکے دستیاب ہوئے۔ (آب کوثر از شیخ اکرام ص ۴۹) اس کے علاوہ موجودہ بنگلہ دیش میں چٹا گانگ کے پاس مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔

چوتھی صدی ہجری میں ملتان میں اسماعیلی مذہب کے ثرات غالب تھے۔عرب سیاح مقدسی نے ۳۷۵ھ میں اپنے سفر نامہ ''احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم'' میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے خلاصہ یہ کہ ''ملتان میں مصر کے اسماعیلی فاطمیوں کا خطبہ جاری ہے۔اہل ملتان شیعہ ہیں۔اذان میں حی علی خیر العمل کہتے ہیں اور تکبیر دو بار کہتے ہیں۔یہاں کا سکہ مصر کے اسماعیلی فاطمیوں کے مثل ہے۔ملتان میں کوئی شخص مصر کے اسماعیلی فاطمی خلیفہ کے حکم کے بغیر حاکم نہیں بن سکتا''۔

مشرقی پنجاب اور شمالی ہند میں محمد بن قاسم کی فتوحاتِ سندھ و ملتان ۹۵ھ کے باوجود مشرقی پنجاب اور شمالی ہند پشاور سے کابل تک کے علاقے پر ہندو راجپوت بلا خوف و خطر ٹھاٹھ سے حکومت کرتے رہے۔

## محمود غزنوی کی فتوحات

جے پال جو پنجاب کا راجہ تھا اور پشاور سے کابل تک کا علاقہ اس کے زیر نگیں تھا۔بعض وجوہات کی بناء پر راجہ ۳۶۹ھ میں غزنی پر چڑھ دوڑا۔امیر غزنی سلطان نصیر الدین سبکتگین سے غزنی اور لمغان کے درمیان جنگ ہوئی۔ جے پال کو شکست ہوئی اور وہ خود ہی ذلت آمیز شرائط اور بھاری تاوانِ جنگ ادا کرنے کے عہد کے ساتھ واپس لاہور چلا گیا جے پال کی عہد شکنی اور مکاری پر سبکتگین نے بطور سزا اُس پر

حملہ کر دیا۔ اُدھر جے پال نے مذہب خطرے میں ہے کا نعرہ لگا کر دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے راجاؤں سے فوج و اسباب لے کر پشاور کے مقام پر افغانوں سے جا ٹکرایا۔ سبکتگین اور اُس کے بہادر بیٹے محمود نے عسکری چالوں اور حکمت عملی سے راجپوتوں کی ٹڈی دل افواج کو شکست دی اور پشاور سے کابل تک کا علاقہ غزنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

۳۸۶ھ بمطابق ۹۹۷ء میں سبکتگین کی وفات پر اُس کا بیٹا محمود تخت نشین ہوا جس نے ۳۹۰ھ بمطابق ۱۰۰۱ء سے ۴۱۵ھ بمطابق ۱۰۲۴ء کے عرصہ میں ہندوستان پر سترہ حملوں میں اپنی شجاعت، عسکری جوہر اور تلوار کی کاٹ دکھائی۔ ان حملوں میں ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کا جو حشر ہوا اور مذہبی و سماجی طور پر جس طرح ذلت اُٹھائی اس سے عوام و خواص کے دل میں مسلمانوں کی بہادری و شجاعت کی دھاک تو بیٹھ گئی لیکن اس سے کہیں زیادہ نفرت و کدورت نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ البیرونی نے ہندوؤں کی مسلمانوں سے نفرت کا ذکر کیا ہے

''ہندو مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں کے نام سے ڈراتی ہیں''.... ''محمود نے اس ملک (ہندوستان) کی خوشحالی کو مکمل طور پر برباد کر دیا ہے۔ محمود کی حیرت انگیز مہمات کے نتیجہ میں ہندو مٹی کے ذرات کی طرح بکھر گئے ہیں ان کا ذکر لوگوں کی زبان پر قصہ پارینہ بن گیا ہے ان خاک بسر ہندوؤں کے دل تمام مسلمانوں کے خلاف نفرت سے لبریز ہیں''۔ (کتاب الہند از البیرونی جلد اول ص ۲۶، ۴۲)

''غزنویوں اور ہندوستانی راجاؤں کے درمیان یہ دوسرا بڑا معرکہ تھا۔ انند پال (جے پال کا بیٹا) کے لشکر کے ساتھ نہ صرف اجمیر، قنوج، کالنجر، اُجین اور گوالیار کی افواج تھیں بلکہ عوام میں بھی بڑا مخالفانہ جذبہ تھا۔ بالخصوص کھوکھروں میں جن کی عورتوں نے اپنے اپنے زیورات بیچ کر لشکریوں کی مدد کی اور جو نادار تھیں اُنہوں نے

چاہئے کہ مزدوری کی رقم سے اشیاء خرید کر لشکریوں کو بھیجیں"۔ (تاریخ فرشتہ
از ابوالقاسم فرشتہ جلد اول ص ۳۶)

سلطان محمود غزنوی کی وفات (۴۲۱ھ بمطابق ۱۰۳۰ء) کے بعد اُس کے جانشین حصول اقتدار یا انتقال اقتدار کے مراحل پر باہم دست و گریباں ہوئے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ سُلطان محمود غزنوی کے دور ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے، سلطان مسعود ابن محمود غزنوی کے عہد ۴۳۱ھ میں وارد لاہور ہوئے اور سلطان ظہیر الدولہ ابراہیم غزنوی ۴۵۱ھ تا ۴۹۲ھ کے دورِ اقتدار میں ۴۶۵ھ کو فوت ہوئے۔

## سلاطین کی عیش و عشرت

مورخ ابوالفضل بیہقی متوفی ۴۷۰ھ بمطابق ۱۰۷۷ء نے مسعود غزنوی کی ذاتی و درباری زندگی عیش و نشاط کے حوالے سے جشن دربار کا آنکھوں دیکھا حال قلمبند کیا ہے۔

"امیر مسعود لباس تبدیل کر کے آیا اور مرصع ایوان میں دستر خوان پر رونق افروز ہوا۔ امراء اور معززین بھی دستر خوان پر بیٹھے۔ ایوان کے باہر بھی دستر خوان بچھا دیے گئے جن پر فوجی افسر بیٹھ گئے۔ سازندوں نے ساز چھیڑے تو شراب پانی کی طرح بہنے لگی۔ جو مدہوش ہو گئے وہ دستر خوان سے اُٹھ گئے۔ امیر مسعود بھی مسرت سے سرشار اُٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر باغ میں پہنچے جہاں پھر پہلے جیسی شاندار محفل آراستہ ہوئی۔ ندیموں کے آنے پر پھر شراب کا دور چلا۔ نماز مغرب تک سبھی شراب پیتے رہے"۔

اکثر حکمرانوں کی ذاتی زندگی اور درباری معاشرت کا جو حال تھا وہی حال بیشتر غزنوی سلاطین کا بھی تھا۔ اس لئے امراء خوش حال اور غرباء بے حال تھے۔ غزنویوں کی جنگی مہمات کے مقاصد میں مال و زر کا حصول زیادہ اور تبلیغِ اسلام کا عنصر نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے ان کو جہاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن یہ بات دعوت فکر دیتی ہے کہ سترہ کامیاب حملوں اور وسائل کے باوجود دعوتِ دین کیلئے اُس نے کوئی

قدم کیوں نہ اُٹھایا اور کیوں اس سعادت سے محروم رہا؟

اللہ ﷻ کی حکمت نرالی ہے۔ اُس نے کفرستان ہند کا مغربی دروازہ محمود غزنوی کی تلوار سے کھلوایا اور تبلیغ اسلام کا علم بردار ہونے کا شرف حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کو عطا فرمایا جنہوں نے بظاہر یک و تنہا مگر بتوفیق الٰہی صدیوں سے کفر کی زنجیروں میں جکڑی مخلوق کو برہمنی استبداد سے نہ صرف آزادی دلائی بلکہ ہند کی دھرتی میں اسلام کا بیج بو دیا اور آج اس دھرتی پر ساٹھ کروڑ مسلمانوں کی فصل لہلہا رہی ہے۔

## مشاہداتِ ہجویری رحمہ اللہ

عرب و عجم، ہندوستان و افغانستان کی سیاحت کے دوران حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کو ذاتی طور پر مختلف اقوام کا انفرادی و اجتماعی مطالعہ کرنے کا بہت قریب سے موقع ملا۔ مختلف اقوام، مختلف طبقات اور مختلف خطوں کی تہذیب و تمدن، علم و فن، سیاست و معاشرت، رنگ و نسل، نظام ہائے خانقاہی و شہنشاہی اور مسالک و مذاہب کے تفصیلی جائزے اور گہرے مشاہدے کے بعد انہوں نے اپنی آخری تصنیف کشف المحجوب کے خودنوشتہ مقدمہ میں اپنے زمانے کی بے راہ روی اور چلن کے بارے میں اپنے تجربات و مشاہدات کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا ہے کہ لوگوں نے خواہشاتِ نفسانی کا نام شریعت، حُبِ جاہ کا نام عزت، تکبر کا نام علم اور ریاکاری کا نام تقویٰ رکھ لیا ہے۔ دل میں کینہ رکھنے کا نام حلم، فضول لڑنے جھگڑنے کا نام مناظرہ، نادانی کا نام بزرگی، نفاق کا نام وفاق، آرزو و تمنا کا نام زہد، ہذیان کا نام معرفت، نفسیات کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، انکارِ حق کا نام برگزیدگی، بے دینی و زندقہ کا نام فنا اور رسولِ خدا ﷺ کی شریعت کے ترک کرنے کا نام طریقت رکھ لیا ہے اور اہل دنیا کے مکر و فریب کو معاملہ کہنے لگے“۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ نے بعض دنیادار اہل زمانہ کی تصوف اور صوفیاء

کے بارے میں بدگمانی دیکھی تو کشف المحجوب میں فرمایا۔

"جب اہل زمانہ کے دنیا دار لوگوں نے رسم و رواج کے غلام صوفیاء کو دیکھا ان کے رقص و سرود اور محفل سماع کو دیکھا اور مشاہدہ کیا کہ یہ لوگ سلاطین کے دربار میں خوراک و پوشاک، مال و متال اور دینوی مفادات کیلئے ان کی قصیدہ خوانی اور چاپلوسی کرتے ہیں تو وہ تصوف اور صوفیاء سے بدگمان ہو گئے اور تمام صوفیاء کو ایسا ہی سمجھ کر بُرا کہنے لگے۔ ماضی کے تمام صوفیاء کو بھی ایسا ہی سمجھنے لگے حالانکہ وہ لغویات سے پاک وصاف تھے۔ بدگمان لوگ اس پر غور و جستجو نہیں کرتے کہ یہ دور دین و شریعت سے غفلت اور بے اعتنائی کا دور ہے۔ بلاشبہ جب بادشاہ و حکام پر حرص و ہوس کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اسے ظلم و ستم پر آمادہ کرتا ہے اور اہل زمانہ طمع و نافرمانی اور زنا و فسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ریاکاری عابد و زاہد کو نفاق میں جھونک دیتی ہے اور خواہش نفس صوفیاء کو رقص و سرود اور لہو و لعب میں مشغول کرتی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ اہل طریقت جو محض رسم و رواج کے پابند ہوں بالآخر تباہ ہو جاتے ہیں۔ مگر سچے اہل طریقت کبھی تباہ نہیں ہوتے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ گمراہ و بے ہودہ لوگ خواہ وہ اپنے لہو و لعب کو پوشیدہ رکھنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں وہ کسی صورت پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔"

گذشتہ اوراق میں حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کے قریبی ادوار کا سیاسی، معاشرتی، علمی اور مذہبی حالات کا مختصر جائزہ اس لئے پیش کیا ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کی خدمات اور آپ کی کوہِ گراں شخصیت کو سمجھنے میں آسانی ہو اور اندازہ لگایا جا سکے کہ کن کٹھن حالات میں اس مردِ درویش نے تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا۔

## پندرھویں صدی اور ملتِ اسلامیہ

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز میں مسلم امہ کی یہ حالت ہے کہ حقیقت کے متلاشی اول تو باقی نہ رہے اگر کوئی اس راہ پر چل نکلتا ہے تو اُسے رہنمائی کیلئے آفتاب

صفت مرد دیدہ ور کہاں سے نصیب ہو۔ منبر و محراب جہاں سے منزل حقیقی کے نشان لوگوں کو دکھائے اور سمجھائے جاتے تھے۔ اب وہاں سے اکثر بندگان زر و شہرت کی بے سُری بولیاں سننے کو ملتی ہیں بیشتر خانقاہوں سے رشد و ہدایت کی روایات اُٹھ گئیں۔ اب یہاں بھی سلاطین کے سے دربار لگتے ہیں۔ جاہ و حشم کی مسندیں سجتی ہیں جن میں آزاد لوگوں کو عقیدت بے مراد کی غیر محسوس بیڑیوں میں جکڑا جارہا ہے۔

اس صورتِ حال کو علامہ اقبال نے ضرب کلیم میں یوں فرمایا ہے۔

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
مُلا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

مسلم اُمہ میں اس وقت اگرچہ عوام کی اکثریت کی حالت ناگفتہ بہ ہے لیکن مراعات یافتہ آسودہ حال لوگ، نوکر شاہی، اشرافیہ اور محترم سمجھے جانے والے طبقات کے نمائندے عالم و معلم، مبلغ و محقق، خطیب و طبیب، ادیب و حسیب، پیر و فقیر، تاجر و ناظر، ڈاکٹر و حکیم، جج و وکیل، قاضی و مفتی، صوفی و صحافی، فوجی و کھوجی، جنرل و کرنل، مفکر و دانشور، محافظ و پاسبان، سیاست دان و معیشت دان، سرمایہ دار و جاگیردار، سردار و نواب، آجر و اجیر، وزیر و کبیر اور حاکم و راہبر حضرات کی اکثریت کے اقوال و افعال میں بھی جب تضاد نظر آتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ دنیا میں سچائیاں، دانائیاں جھوٹ کی صورت ڈھل گئی ہیں، شیطان کے مکر و فریب سے ڈر گئی ہیں۔ حرص و ہوس کی کشمکش میں مبتلا طبقہ حرام و حلال کی تمیز سے ہی محروم ہو گیا ہے۔

## تنظیم اقوام متحدہ (UNo) کی حقیقت

چودھویں صدی ہجری میں سامراجی قوتوں کا اپنے زیر تسلط ممالک جن میں مسلم ممالک کی اکثریت تھی، غلامی کی زنجیریں توڑنے کا عوامی شعور بیدار ہوا تو یورپ

استبدادی قوتوں کا جبری تسلط ڈھیلا پڑنے لگا۔ اس سے پہلے کہ سامراجی قوتیں اپنے منطقی انجام تک پہنچیں، بتدریج اپنا تسلط ختم کر لیا، لیکن برصغیر، مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کے ارضی خطوں میں کشمیر، فلسطین اور جنوبی افریقہ جیسے مسائل شعوری طور پر پیدا کر گئیں۔ جنوبی افریقہ کا مسئلہ تو پندرھویں صدی ہجری کے دوسرے عشرہ میں حل ہو گیا ہے مگر کشمیر، فلسطین کے خون و آشام حالات اور مشرقِ وسطیٰ کی آمرانہ حکومتیں جو یورپ کے جمہوری دعویداروں کی مدد سے قائم ہوئی تھیں، ظلم، بزدلی اور بے غیرتی کی داستانیں رقم کر رہی ہیں نہ صرف یہ بلکہ آج عالمی امن اور مسلم اُمہ کے حقیقی مفادات کی تباہی کا سبب بنی ہوئی ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی بالادستی کے خواب دیکھنے والے گروہِ استبداد کا جب جبر و تعدی سے مقاصد و مفادات کا حصول مشکل ہو گیا تو اُنہوں نے چودھویں صدی ہجری کے پچھلے عشرہ میں ایک تنظیم "اقوام متحدہ" uno بنائی، اس ادارے کا صدر دفتر نیو یارک امریکہ میں قائم کیا جو بظاہر عالمی امن و سلامتی، عدل و انصاف اور معاشی و معاشرتی خوشحالی کے حصول کا ذریعہ بتایا گیا۔ لیکن درحقیقت یہ سبز باغ تھا جو کمزور و ناتواں اقوام کو دکھایا گیا جن کی اس دور میں اکثریت تھی اور اب بھی ہے۔ دُنیا کے تمام ممالک کو چند ایک سوا، رُکن بنا لیا گیا۔

سامراجی طاقتیں اس تنظیم کو گھر کی لونڈی کی طرح استعمال کر رہی ہیں اس ادارے کے ذریعے مال و منال، اسباب و وسائل اور نام نہاد تحفظ فراہم کرنے کا جال بچھا کر اقوامِ عالم کی اکثر آزاد قوموں کو دوبارہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا ہے تاکہ بالادستوں کی بالادستی قائم اور مفادات محفوظ رہیں۔

## ویٹو پاور یا حقِ آمریت

"اقوام متحدہ" نام نہاد جمہوری ادارے کا ایک کھلم کھلا غیر جمہوری ذیلی ادارہ "سلامتی کونسل" ہے جس میں چند ممالک کو حقِ استرداد (ویٹو پاور) جو دراصل حق

آمریت اور غنڈہ گردی ہے، اس لئے کہ کسی بھی مظلوم قوم و ملک کی داد رسی کیلئے اقوامِ متحدہ کی حمایت شدہ قرار داد کو سلامتی کونسل کا کوئی ایک مستقل رکن اپنے آمرانہ حق سے مسترد کر دے تو یہ غنڈہ گردی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان مسلم اُمہ کو ہوا۔ کشمیر، فلسطین کے مسائل اور القدس کی بازیابی اسی ویٹو پاور نے حل نہیں ہونے دیئے بلکہ اُلٹا ظالموں اور غاصبوں کی پُشت پناہی اور حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔

ہمارے ہمسایہ اسلامی مُلک افغانستان کی حالیہ اندھا دُھند تباہی و بربادی اور خونِ مسلم کی ذمہ دار "تنظیم اقوامِ متحدہ" ہے جس نے ایک بدمست ہاتھی کو ایک بے ضرر چیونٹی پر ظلم و ستم کی نہ صرف باضابطہ کھلی چھٹی دے دی بلکہ اُس کی مدد بھی کی اور کسی مُلک کو اس بھیمانہ فعل پر اُنگلی اُٹھانے کی بھی اجازت نہ دی۔ نتیجتاً اس بد مست سفید ہاتھی نے اپنے خود ساختہ "نیو ورلڈ آرڈر" پر عمل کرتے ہوئے تھوڑے ہی عرصہ بعد اقوامِ متحدہ کے تمام قواعد و ضوابط اور چارٹر کو ٹھوکر مار کر اپنے چند بے شرم ساتھیوں کے ساتھ بے پناہ گولہ بارُود کی بارش سے مزید ایک اسلامی مُلک عراق پر بلا جواز غاصبانہ قبضہ جما لیا ہے،

## تنظیم اسلامی کانفرنس (oic) کا قیام

اقوامِ متحدہ کی موجودگی میں ۱۹۶۷ء میں جب اسرائیل نے بیت المقدس اور عرب علاقوں پر بلا جواز قبضہ جما لیا تو عالمِ اسلام کے چند دُور اندیش مقتدر افراد نے اس تنظیم کے قائم کرنے والوں کے حقیقی عزائم کو بھانپ لیا اور ملت اسلامیہ کے مفادات کے تحفظ کیلئے سوچ بچار کے نتیجہ میں تنظیم اسلامی کانفرنس (OIC) کا وجود ۱۹۶۹ء کو قائم ہوا، صدر دفتر جدہ میں بنا۔ اسلامی کانفرنس کے چارٹر کے مطابق اسلامی ملکوں کی آزادی، وقار، قومی حقوق، اتحاد و یکجہتی کا تحفظ کرنا اور تنظیم کے رُکن ممالک کے وسائل کا استعمال اور مسلم اُمہ کی سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور سائنسی ترقی میں باہمی تعاون کو فروغ دینا شامل ہے۔ اب اس تنظیم میں ستاون اسلامی

ممالک شامل ہیں اور تین ممالک کو بصر کی حیثیت حاصل ہے۔

۱۹۶۹ء سے اکتوبر ۲۰۰۳ء تک دس سربراہ کانفرنسیں ہو چکی ہیں لیکن تنظیم کی کسی کارکردگی کا کوئی ثمر مسلم اُمہ تک نہیں پہنچا، ان ۳۴ سالوں میں ملتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا ہے۔ عالمی امور میں فیصلہ سازی کے عمل پر اثر انداز ہونا تو درکنار اپنے اراکین کو تنظیم کے قواعد و ضوابط پر پابندی کروانے کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ راقم کے نزدیک یہ صورتِ حال سامراج کی سازشوں کا نتیجہ ہے جس نے اپنے مہروں کے ذریعے اس تنظیم کو عضوِ معطل بنا رکھا ہے۔ جب تک ہم اپنی آستینوں میں چھپے سانپوں کے دانت نہیں توڑیں گے اُس وقت تک وہ اور اُن آقا اژدھوں سے نقصان اُٹھاتے رہیں گے۔

## مادیت سے پیار، روحانیت سے فرار

مسلم اُمہ کی اکثریت کو یہود و ہنود نے اپنے برقی و ورقی ذرائع ابلاغ سے مادیت سے پیار اور روحانیت سے فرار میں مبتلا کر دیا ہے۔ جس فرد یا قوم کو روح کی بلیدگی کی بجائے نفس پروری کی عادت ہو جائے تو اُس کا تعلق رب العٰلمین کی بجائے دُنیاوی خداؤں سے جُڑ جاتا ہے اور ذلت و رسوائی اُس کا مقدر ہو جاتی ہے۔ ایسی صورتِ حال سے نکلنے کیلئے اولیاء کرام سے حقیقی رابطہ کرنا بہت ضروری ہو جاتا ہے، ایسے نفوسِ قدسیہ سے یہ کرہ خاکی نہ کبھی خالی رہا اور نہ رہے گا۔ گمراہوں کو صراطِ مستقیم دکھانے کیلئے توحید و رسالت کی شمع فروزاں کئے خصوصاً صوفیائے کرام و مشائخ عظام رحمہم اللہ سرگرمِ عمل ہیں اور رہیں گے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کشف المحجوب میں رقمطراز ہیں کہ

"بلاشبہ جب بادشاہ و حکام پر حرص و ہوس کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اسے ظلم و ستم پر آمادہ کرتا ہے اور اہل زمانہ طمع و نافرمانی اور زنا و فسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ریا کاری عابد و زاہد کو نفاق میں جھونک دیتی ہے اور ہوائے نفس صوفیاء کو رقص و سرود اور لہو و لعب

میں مشغول کرتی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ اہل طریقت جو محض رسم و رواج کے پابند ہوں بالآخر تباہ ہو جاتے ہیں۔ مگر سچے اہل طریقت کبھی تباہ نہیں ہوتے۔"

مزید فرمایا! "شانِ اولیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی دوستی و ولایت سے مخصوص فرما کر اپنی ملک کا والی اور اپنے افعال و قوت کا مظہر بنایا۔ متعدد کرامات سے سرفراز کیا اور انہیں آفاتِ طبع اور نفس و ہوا کی پیروی سے پاک کر دیا تاکہ ان کے تمام ارادے اللہ کیلئے ہوں اور ان کی محبت و انس سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے نہ ہو۔ اولیاء اللہ ہم سے قبل بھی موجود تھے آج بھی ہیں اور تا قیامت رہیں گے۔"

☆☆☆

# دعائے گنج بخشؒ

"میں (علی بن عثمان) ہر وقت اللہ جل شانہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ مجھے ایسی توفیق نصیب فرما کہ آج کل کے رسمی پیروں اور فقیروں کی صحبت سے محفوظ رہوں اس لئے کہ اگر معصیت و گناہ اور ریاکاری میں ان کی موافقت نہ کی جائے تو یہ دشمن بن جاتے ہیں۔ میں جہالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

آٹھواں باب

## غلط روایات کی تحقیق و ازالہ
## حضرت سید علی ہجویریؒ اور حضرت میراں حسین زنجانیؒ
## کیا ہمعصر بزرگ اور پیر بھائی تھے؟

حضرت میراں حسین زنجانی رحمہ اللہ مدفون چاہ میراں لاہور بڑے جلیل القدر صوفی تھے۔ ان کی بزرگی پر کوئی کلام نہیں لیکن ان کا حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کا پیر بھائی اور ہمعصر ہونا تاریخ و تحقیق اور اس دور کی لاہور میں لکھی گئی مستند کتاب کشف المحجوب۔ از سید علی ہجویری رحمہ اللہ سے بھی ثابت نہیں۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کا وصال ۴۶۵ھ اور حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ کا ۶۰۰ ھ میں واصلِ بحق ہونا تاریخ و تحقیق سے واضح ہے۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانی رحمہ اللہ تقریباً ایک صدی بعد از وصال سید علی ہجویری رحمہ اللہ لاہور تشریف لائے۔

### تاریخی اوراق سے شواہد

ابوالفضل علامی م ۱۶۰۲ء نے اپنی تصنیف ''آئینِ اکبری'' میں مسلمان صوفیاء کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علی بن عثمان رحمہ اللہ کا تذکرہ پہلے اور حضرت شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ اسلئے کہ اکثر مؤرخین واقعات و شخصیات کا ذکر زمانے اور ادوار کے تسلسل و ترتیب کے مطابق کرتے ہیں۔ لکھتا ہے کہ ''شیخ علی ہجویری کنیت آپ کی ابوالحسن، پدر بزرگوار کا نام عثمان بن ابو علی جلابی ہے۔ آپ ہم صوفیائے کبار سے تھے ہو کر زندگی بسر کرتے اور آپ کا عرفان بے حد بلند تھا۔ کشف المحجوب آپ نے ایک یادگار تصنیف چھوڑی ہے۔۔۔ مزار لاہور میں ہے۔۔۔ شیخ

حسین زنجانی عارف کامل تھے ۔ خواجہ معین الدین نے لاہور میں آپ کی صحبت پائی ۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے ۔'' ☆ محمد غوثی شطاری نے '' گلزار ابرار '' فارسی مخطوطہ ڈی ۲۶۲ ورق ۸۷ ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ، میں رقم کیا ہے ( اردو ترجمہ ) '' جب خواجہ مُعین الدین اجمیری ہند تشریف لائے تو اس وقت چند روز لاہور میں وہ زنجانی کی صحبت میں بھی رہے اور باہم راز ... اور خدا شناسی کی باتیں ہوتی رہیں ۔'' ☆ محمد صالح کنبوہ اپنی تصنیف '' عمل صالح '' ( شاہجہان نامہ ) جلد الاول میں لکھتا ہے کہ '' بالجملہ در لاہور بہ صحبت شیخ حسین زنجانی رسیدہ ، ازانجا توجہ جانب دہلی اختیار فرمود ۔'' ☆ دارا شکوہ کی

'' سیر المتاخرین '' جلد اول صفحہ ۲۳۰ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۶۶ء میں لکھا ہے کہ '' شیخ حسین زنجانی بڑے بلند پایا بزرگ تھے ۔ خواجہ معین الدین چشتی ان کی صحبت میں رہے '' اور '' سفینۃ الاولیاء '' میں حضرت خواجہ مُعین الدین چشتی رحمۃ اللہ کے ذکر مبارک میں یوں درج ہے ... '' لاہور میں خواجہ مُعین الدین چشتی کی شیخ حسین زنجانی سے ملاقاتیں ہوئیں ۔'' ☆ سولہویں صدی عیسوی کے ایک صوفی شیخ جمالی متوفی ۹۴۲ ھ کی کتاب

'' سیر العارفین '' ( قلمی ) کے صفحہ ۱۴ میں لکھا ہے کہ '' حضرت شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ جو حضرت شیخ سعد الدین حمویہ رحمہ اللہ کے پیر تھے ، ان دونوں بھتیجے تھے ، حضرت زبدۃ المشائخ و اولیاء معین الحق والدین اور حضرت شیخ حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان حد سے زیادہ ربط و محبت کا اظہار ہوا ۔'' ☆ فوائد الفواد کی چوتھی جلد گیارھویں مجلس میں تحریر ہے '' پہلے شیخ سعد الدین حمویہ نے انتقال فرمایا ۔ ان کے تین برس بعد شیخ فرید الدین رحمہ اللہ فوت ہوئے ۔'' چونکہ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کا وصال ۶۶۴ ھ ثابت ہے اس لئے شیخ سعد الدین حمویہ رحمہ اللہ کا سن وصال ۶۶۱ ھ ہوا ۔ اس طرح حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ کا سن وفات ۶۰۰ ھ قرین صحت معلوم ہوتا ہے ۔ ☆ نور احمد چشتی کی تالیف '' تحقیقات چشتی '' ۱۸۶۴ء صفحہ ۱۳۵ تا ۴۳۹ پر تحریر

ہے کہ " حضرت شاہ حسین زنجانی (چاہ میراں لاہور) ۵۳۵/۵۵۷ ھ میں ہمراہ حضرت یعقوب زنجانی المشہور صدر دیوان (لاہور)، سید اسحاق زنجانی اور شیخ علی الحق المشہور امام علی الحق (سیالکوٹ) رحمۃ اللہ علیہم یہ چاروں بزرگ سن پانچ سو ستاون ہجری میں وارد لاہور ہوئے ... شاہ حسین زنجانی رحمہ اللہ کی وفات ۶۰۴ ھ میں ہوئی"۔

☆ مفتی غلام سرور لاہوری کی تالیفات "خزینۃ الاصفیاء" اور "حدیقۃ الاولیاء" ۱۸۷۳ء، ۱۸۷۵ء میں لکھا ہے کہ " سید یعقوب زنجانی رحمہ اللہ کے ساتھ سیّد حسین زنجانی رحمہ اللہ لاہور میں آئے ... سن چھ سو ہجری میں وفات پائی۔" ☆ شمیم ولایت از علی اصغر چشتی صفحہ ۱۷۰ پر رقم ہے کہ "خواجہ لاہور میں تشریف لائے تو حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۰ ھ بمطابق ۱۲۰۲ء) جن کا مزارِ اقدس چاہ میراں لاہور میں ہے سے ملاقات کی اور ان سے تصوف پر بہت گفتگو کی"۔

حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ کے نواسے سیّد خضر خان کا ذکر " وقائع سیالکوٹ" مؤلفہ محمد مقیم بن رحمت اللہ مخطوطہ مملوکہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی لاہور میں صفحہ ۴، ۵ پر موجود ہے۔

کہ " سیّد علی الحق بن سیّد حسن مکی برادرِ جدی سیّد خضر خان کہ درمقربان عالی شان و امیران بلند مکان فیروز شاہ (رکن الدین) بود نواسہ' سیّد حسین برادرِ سلطان المشائخ و الاولیاء سیّد السادات سیّد یعقوب صدر شاہ زنجانی رحمہ اللہ کہ مرقد مقدس ایشاں در لاہور گذر بخارہ (حال میوہسپتال روڈ لاہور) زیارۃ گاہ عام و خاص است"

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۷۷ ھ میں شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کے نواسے بقید حیات تھے اس لئے حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ کا سن وصال ۶۰۰ ھ درست معلوم ہوتا ہے۔

## حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی لاہور آمد

حضرت معین الدین چشتی اور حضرت حسین زنجانی رحمہم اللہ کی بنفس نفیس

ملاقاتوں کا ذکر اکثر محققین، مورخین اور تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ خاندانِ حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ جب لاہور تشریف لائے تو وہ دس ماہ تک حضور داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے آستانہ پر مقیم رہے اور آستانہ کے سجادہ نشین حضرت شیخ عنایت اللہ رحمہ اللہ آپ کے میزبان اور مُصاحب رہے۔ حضرت میراں حسین زنجانی رحمہ اللہ سے بھی باہم مُلاقاتیں رہیں۔ دورانِ قیام آخری چالیس دن خواجہ اجمیر رحمہ اللہ نے مزار داتا پر اعتکاف فرمایا۔ یہ حُجرہ اعتکاف آج بھی نئی صورت میں موجود ہے۔ بعد از اعتکاف بوقتِ روانگی ایک الوداعی تقریب جس کا اہتمام شیخ عنایت اللہ متولی و سجادہ نشین حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے فرمایا تھا۔ اس میں لاہور کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس موقع پر ہندوؤں کی خاصی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی۔ اسی عالیشان تقریب میں حضرت خواجہ مُعین الدین چشتیؒ نے حضرت سیّد علی ہجویریؒ کی شان اور فیض و عطا کا مقام بیان کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خُدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت معین الدین چشتی رحمہ اللہ کا ورودِ لاہور کا سن ضروری ہے کہ تاریخ و تذکار کی روشنی میں متعین کرلیا جائے کہ خواجہ اجمیر رحمہ اللہ ۵۸۷ھ میں پرتھوی راج کے زوال سے پہلے ہند تشریف لائے اور سب سے پہلے لاہور میں قیام فرمایا اور یہاں پر شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ سے آپ کی ملاقاتیں رہیں۔ اس روایت کی تائید میں بے شمار کتابیں موجود ہیں ان سب کا ذکر مع اقتباسات، بوجہ طوالت یہاں ممکن نہیں لہٰذا ان میں سے چند قدیم و معتبر اور مشہور کتابوں کے نام پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

طبقات ناصری ☆ منتخب التواریخ ☆ آئین اکبری ☆ اکبر نامہ ☆ تزک جہانگیری ☆ مفتاح التواریخ ☆ تاریخ السلف ☆ سیر الاولیاء ☆ سفینۃ الاولیاء ☆ مفتاح العارفین ☆ فوائد السالکین ☆ سیر الاقطاب ☆ اخبار الاخیار ☆ تذکرۃ الکرام

☆ داستان ہند ☆ سیر العارفین (مخطوطہ) ☆ گلزار ابرار (مخطوطہ) ☆ مراۃ الاسرار (مخطوطہ) ☆ معارج الولایت (مخطوطہ) ☆ رسالہ حال خانوادہ چشت (مخطوطہ) ☆ رسالہ احوال پیران چشت (مخطوطہ) ☆ انڈیا آف اورنگ زیب بایو گرافیکل ڈکشنری (جنرل جارج لیمن) ☆ خزینۃ الاصفیاء ☆ تحقیقات چشتی ☆ متذکرہ کُتب کی تحریروں اور عہد حاضر کے محققین ڈاکٹر پیر محمد حسن کا مقالہ "سیّد علی ہجویری اور حسین زنجانی" پروفیسر محمد اسلم کا مقالہ "لاہور میں داتا گنج بخش کی آمد"، حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمہ اللہ کا "دیباچہ اُردو ترجمہ کشف المحجوب"، ابو مظہر اصغر علی چشتی کی "شمیم ولایت" اور پروفیسر محمد اقبال مجددی کا تعلیقہ حدیقۃ الاولیاء کی تحقیق ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ حضرت معین الدین چشتی رحمہ اللہ کا ورودِ لاہور ۵۸۷ ھ اور حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ کی وفات کا سن ۶۰۰ ھ دُرست تسلیم کر لیا جائے۔

کشف المحجوب اُردو ترجمہ مولانا ابو الحسنات کے پیش لفظ میں محسن المحققین حکیم محمد موسیٰ رحمہ اللہ نے ص ۵۲ پر رقم فرمایا ہے کہ

"حضرت سیّد محمد معصوم شاہ قادری رحمہ اللہ متوفی ۱۳۸۸ھ ساکن چک سادہ گجرات" نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ "میں نے شیخ زنجانی رحمہ اللہ کے مزار (محلہ چاہ میراں) پر وہ پتھر نصب دیکھا ہے جس پر ان کا سن وصال ۶۰۰ھ کندہ تھا جو مزار مرمت کے وقت اُتار دیا گیا۔" راقم نے اس بات کی تصدیق سیّد معصوم شاہ نوری رحمہ اللہ کے صاحبزادے سیّد محمد حسن گیلانی صاحب سے کی تو اُنہوں نے تصدیق و تائید میں بتایا کہ

"والد بزرگوار کے ساتھ میں نے بھی یہ پتھر نصب دیکھا تھا۔"

## میر میراں، پیر پیراں کے القاب

حضرت شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ مدفون لاہور کو میراں حسین زنجانی کے نام سے لکھا، پڑھا اور یاد کیا جاتا ہے۔ ورودِ لاہور کے بعد آپ نے شہری آبادی سے دور

جانب شمال مشرق سکونت اختیار کی اور اپنے مسکن کے قریب شمال طرف ایک چاہ (کنواں) تعمیر کیا۔ اس چاہ کی سیرابی سے ارد گرد کی زمین سرسبز و شاداب ہو گئی۔ بعد از وصال آپ کا مزار مبارک اسی چاہ کے قریب جنوبی طرف ایک اونچی ٹیکری پر بنایا گیا۔ بعد ازاں آپ کے مزار و چاہ کے ارد گرد باغ لگایا گیا اور اسے باغ میراں زنجانی کہا گیا۔ دارا شکوہ "سکینۃ اولیاء" میں حضرت میاں میر رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتا ہے:

"حضرت میاں جیو زنجانی باغ میں میں بھی یاد حق میں مشغول رہے تھے"

آج میراں حسین زنجانی رحمہ اللہ کے مزار شریف کے چاروں اطراف کا علاقہ گنجان آباد ہے اور اس آبادی کو آپ کے نام کی نسبت سے چاہ میراں کھوہی میراں یا میراں دی کھوہی لکھا اور بولا جاتا ہے۔

غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو سب سے پہلے میر میراں اور پیر پیراں کے القاب سے ملقب کیا گیا۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ متوفی ۴۶۵ھ کے زمانہ میں اور ان سے قبل مشائخ و صوفیاء کیلئے میر اور میراں کے القاب مستعمل نہ تھے۔ یہ القاب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے وصال ۵۶۱ھ کے بہت بعد استعمال ہوئے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت میراں حسین زنجانی و حضرت سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہما کے دور سے قبل یا ان کے ہمعصر بزرگ نہ تھے۔ ان القاب کا استعمال صوفی شعراء نے بھی کیا ہے، چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

سگ درگاہ میراں شو چو خواہی قرب ربانی
کہ بر شیراں شرف دارد سگ درگاہ جیلانی

یہ شعر حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ سے منسوب ہے۔

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمہ اللہ اس شعر میں شیراں کی بجائے پیراں فرمایا کرتے تھے۔ (مخزن الاسرار از پیر نور محمد)

حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ نے حضور غوث پاک رحمۃ اللہ کی مداح میں فرمایا

بغداد شہر دی کیہ نشانی اُچیاں لمیاں چیراں ھُو
تن من میرا پُرزے پُرزے جیویں درزی دیاں لیراں ھُو
لیراں دی گل کفنی پا کے رلساں سنگ فقیراں ھُو
بغداد شہر دے ٹکڑے منگساں باھو کرساں میراں میراں ھُو

حضرت میاں محمد رحمۃ اللہ نے سیف الملوک میں
منقبت در مدح شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ یوں فرمایا

واہ میراں شاہ شہاں دا سید دو جہانی
غوث اعظم پیر پیراں دا، ہے محبوب ربانی

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ حدائق بخشش میں فرماتے ہیں

پیر پیراں میر میراں اے شہ جیلاں توئی
انس جان قدسیاں و غوثِ انس و جاں توئی

حضرت مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ منقبت میں رقم طراز ہیں

دستگیری کا طلب گار ہوں شیاء لِلّٰہ
میر بغداد میں لاچار ہوں شیاء لِلّٰہ

مزار گنج بخش کے گرد قدیم غلام گردش پر جانب مشرق یہ شعر کندہ ہے

از دل و جانم غلام شاہ میراں محی الدین
نیز از فضل خدا ہستم غلام گنج بخش

آصف صابری دستگیری کیلئے درخواست گزار ہے

خستہ و در ماندہ بہر خدا دستم بگیر
یا محی الدین میراں غوث اعظم دستگیر

"عقیدت کے پھول" مرتبہ رضا محمد اعوان سے منقبت ص ۳۵۱

سر بہ قربان سرعت حلقہ میراں مددے
دستگیر دو جہاں حضرت میراں مددے
حشتم را تو شناسی کہ گدائے در تست
پیر پیراں مددے حضرت میراں مددے

## فوائد الفواد کی روایت

حضرت سیّد علی ہجویری اور حضرت میراں حسین زنجانی رحمہم اللہ کا پیر بھائی ہونے کی روایت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ متوفی ۷۲۵ھ کے ملفوظات کی کتاب فوائد الفواد فارسی (طابع و ناشر اُردو اکیڈمی دہلی ۱۹۹۰ء) جامع خواجہ امیر حسن علاء سجزی متوفی ۷۳۸ھ جلد اول صفحہ ۷۵ کی اکتیسویں مجلس میں ہے۔

”لختی سخن در ذکرِ مزار ہای لہاور اُفتاد۔ بر لفظ مبارک راند کہ بسیار بزرگان آنجا خفتہ اند۔ بعد ازاں بندہ راپُرسید کہ تُو لہاور دیدہ ای؟ بندہ گفت آری دیدہ ام و زیارتِ بعضی بزرگانِ آنجای کردہ ام چون شیخ حسین زنجانی و اولیای دیگر۔ بعد ازاں بر لفظِ مبارک راند کہ شیخ حسین زنجانی و شیخ علی ہجویری ہر دو مُرید یک پیر بودہ اند و آن پیر قطب عہد بودہ است، شیخ حسین زنجانی از دیر باز ساکن لہاور بود، بعد از چندگاہ پیر ایشان خواجہ علی ہجویری را فرمود در لہاور رو و ساکن شو، شیخ علی ہجویری عرضداشت کرد کہ حسین زنجانی آنجا ہست، پیر فرمود کہ تُو برو، و شون علی ہجویری بحکم اشارت ایشان در لہاور درآمد شب بود بامداد آن جنازۂ شیخ حسین زنجانی را بیرون آوردند۔“

(اُردو ترجمہ) ”اس کے بعد لاہور کے مزاروں کا ذکر نکلا۔ زبانِ مبارک سے فرمایا کہ وہاں بہت بزرگ آرام فرما ہیں۔ اس کے بعد بندے سے پوچھا کہ تم نے لاہور دیکھا ہے؟ بندے نے عرض کی جی ہاں دیکھا ہے اور وہاں کے بعض بزرگوں کی زیارت بھی کی ہے جیسے شیخ حسین زنجانی اور دوسرے اولیاء۔“

”شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک ہی پیر کے مرید

ہوئے ہیں لہٰذا وہ بھی اپنے عہد کے قطب تھے۔ شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ ایک زمانے سے لاہور میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری رحمہ اللہ کو حکم دیا! لاہور جاؤ اور وہاں اقامت اختیار کرو۔ شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ نے عرض کی! حسین زنجانی وہاں موجود ہیں۔ پیر نے فرمایا! تم جاؤ اور جب علی ہجویری رحمہ اللہ بحکم مُرشد لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ صبح کو شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا جنازہ باہر لایا گیا۔''

## چار اہم نکات کی وضاحت و تحقیق

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے مُرشد کا آپ کو لاہور جانے کا حکم ☆ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کا مُرشد سے استفسار اور مُرشد رحمہ اللہ کا لاہور بھیجنے پر اِصرار ☆ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کا اسی شب لاہور پہنچنا، جس رات حضرت شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ نے وصال فرمایا ☆ صبح کو شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا جنازہ باہر لایا گیا۔

یہ چاروں متعینہ اہم نکتے مُرشدِ کامل کی نظرِ رسا، رُوحانی نظام میں اُن کا مقامِ قطبیت اور شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا اعلیٰ مقام و مرتبہ ظاہر کرتے ہیں۔ رُوحانی نظام کے تقاضوں کے مطابق اہم مناصب پر فائز اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس بات کی اطلاع ہونا معمول کی بات ہے کہ صاحبانِ مسند و منصب اولیائے ربانی میں سے کون کون، کہاں کہاں سے اس دارِ فانی سے رُخصت ہونے کو تیار بیٹھے ہیں۔

مذکورہ روایت کے مطابق مسندِ لاہور پر جلوہ افروز حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ کا وقتِ رخصت جب قریب آیا تو شیخ زنجانی و ہجویری رحمۃ اللہ علیہما کے مُرشد قطبِ زماں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمہ اللہ نے مسندِ رشد و ہدایت لاہور کیلئے اپنے خلیفہ شیخ ہجویری رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا اور بااصرار فوری طور پر لاہور روانہ کیا تاکہ لاہور کی مسند ایک لمحہ کیلئے بھی خالی نہ رہے

فوائد الفواد کی مذکورہ روایت سے رُوحانی نظام کی ایک جھلک عیاں ہوتی ہے اور اکثر تذکرہ نگاروں نے مصنف راوی کی اہمیت و احترام کے پیشِ نظر اس روایت کو

تاریخی، تحقیقی طور پر ثابت نہ ہونے کے باوجود شامل تذکار کیا ہے۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ متذکرہ روایت میں بیان کی گئی ایک ہستی حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کے خودنوشت بیانات جو کشف المحجوب میں رقم ہیں کی روشنی میں بھی ان نقاط کی وضاحت وصراحت کر دی جائے تاکہ اس روایت کے بارے میں محترم قارئین، وہم وگمان اور تصور وقیاس کی غیر یقینی وادی سے نکل کر یقین کی منزل پر پہنچ سکیں۔

## تعارفِ مُرشد گنج بخشؒ

حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ نے اپنی تصنیف کشف المحجوب میں صوفیائے متاخرین کے بیان میں اپنے مرشد کی شان میں خصوصی ذکر یوں فرمایا ہے کہ "اوتاد کی زینت عابدوں کے رہنما ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ میرے مُرشد طریقت ہیں۔ علمِ تفسیر اور روایات کے فاضلِ اجل تھے۔ تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے مذہب پر تھے۔ حضرت حصری رحمۃ اللہ کے محرم راز اور مُرید تھے۔ حضرت ابوعمر قزوینی اور حضرت ابوالحسن سالبہ رحمۃ اللہ علیہما کے ہمعصر تھے۔ ساٹھ برس تک پہاڑوں میں گوشہ نشینی اختیار کئے رکھی اور لوگوں سے اپنا نام ونشان تک گم رکھا۔ بیشتر عرصہ آپ نے جبلِ لگام پر گزارا، عمرِ دراز پائی۔ آپ کی روایات وبراہین بے شمار ہیں۔ آپ صوفیاء کے رسم ولباس کے پابند نہ تھے بلکہ اہلِ رسوم سے سخت بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ آپ سے بڑھ کر بارعب اور دیدہ والا انسان میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔" (کشف المحجوب)

## مُرشد کے پند ونصائح اور اقوال

"میں (علی بن عثمان) نے مُرشد سے سُنا فرمایا!"

"دُنیا ایک دن ہے اور ہم اس میں روزہ دار ہیں" چونکہ ہم نے دُنیا کی آفات کو دیکھ لیا ہے اور اس کے حجابات سے آگاہ ہو چکے ہیں اس لئے اس کی طلب نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے فریب میں آتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے دُنیا سے منہ موڑ لیا ہے۔"

## مُرشد کا حالِ دل سے آگاہ ہونا

"ایک روز میں (علی بن عثمان) مُرشد کو وضو کرا رہا تھا کہ میرے دل میں سوال اُٹھا جب تمام معاملات دُنیا کا وقوع پذیر ہونا تقدیر و قسمت پر منحصر ہے تو پھر کیوں آزاد لوگ خواہ مخواہ پیروں فقیروں کی غلامی کرتے ہیں؟ مُرشد نے فرمایا! بیٹا تمہارے دل میں جو سوال اُٹھ رہا ہے ہم جان گئے ہیں۔ خوب سمجھ لو اور یاد رکھو کہ ہر حکمِ خداوندی کیلئے ایک سبب ہوتا ہے۔ اللہ جب کسی ادنیٰ کو اعلیٰ رُتبہ سے نوازنا چاہتا ہے تو اُسے توفیق توبہ عطا کر کے اپنے کسی محبوب و مقرب بندے کی خدمت کی سعادت نصیب فرماتا ہے اور یہی خدمت گزاری اس کیلئے عزت و بزرگی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس قسم کے بکثرت لطائف مُرشد روزانہ ہم پر ظاہر ہوتے تھے۔" (کشف المحجوب)

## وصالِ مُرشد اور آخری وصیت

"جس روز آپ (مرشد) کا وصال ہوا آپ بانیان اور دمشق کے درمیان گھاٹی پر واقع ایک گاؤں بیت الجن میں مقیم تھے۔ آپ کا سر میری آغوش میں تھا۔ آپ کی جدائی کے پیش نظر جیسا کہ انسانی جبلت ہے میں بہت آزُردہ خاطر تھا۔ مُرشد نے میری دلی کیفیت سے مطلع ہو کر ارشاد فرمایا! بیٹا میں تجھے اعتقاد کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر تم نے خود کو اس پر کاربند کر لیا تو تمام تکالیف و پریشانیوں سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ جان لو کہ نیک و بد ہر قسم کے حالات اور مقامات کا پیدا کرنے والا اللہ جلّ جلالہٗ ہی ہے تمہیں اس کے کسی فعل پر نقطہ چینی کرنے اور رنجیدہ ہونے کا کوئی حق نہیں۔ بس راضی برضائے الٰہی رہو۔ اس کے سوا مزید کوئی وصیت نہ فرمائی اور دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔" (کشف المحجوب)

## لباس صوفیاء کے بیان میں

فرمایا! "میرے مُرشد نے پچپن سال تک ایک ہی جُبہ زیب تن رکھا، جہاں سے پھٹتا اس کے پیوند لگا لیتے۔" (کشف المحجوب)

## محمد بن علی ترمذی کے تعارف میں

فرمایا!''میرے شیخ فرماتے تھے کہ ابو عبداللہ محمد بن ترمذی رحمۃ اللہ ایسے دُرِ یکتا ہیں جن کی زمانے میں مثال نہیں ملتی، علوم ظاہر میں بھی آپ کی بہت سی کتابیں ہیں، احادیث میں آپ کی اسناد اعلیٰ پائے کی ہیں۔'' (کشف المحجوب)

## سُکر و صحو کے بیان میں

فرمایا!''میرے مُرشد جُنیدی مسلک رکھتے تھے آپ نے فرمایا! سُکر تو بچوں کا کھیل ہے، البتہ صحو مردوں کی فنا گاہ ہے'' (کشف المحجوب)

## گُدڑی کے بیان میں

فرمایا!''ایک دفعہ میں اپنے مُرشد کے ہمراہ آذربائیجان کے علاقہ سے گزر رہا تھا، میں نے دیکھا کہ دو تین گُدڑی پوش ایک گندم کے کھلیان پر اپنی گدڑی کے دامن پھیلائے کھڑے ہیں تا کہ کسان اس میں گندم ڈال دے۔ مُرشد کی نگاہ پڑی تو فرمایا! ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کی تجارت نے انہیں کچھ نفع نہ دیا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے'' (البقرہ ۱۶) (کشف المحجوب)

## معجزہ اور کرامت کے بیان میں

فرمایا!''میرے مُرشد فرمایا کرتے تھے کہ اگر ولی اپنی ولایت ظاہر کرے اور اس کا دعوے دار ہو تو یہ اس کی ولایت کیلئے نقصان دہ نہیں۔ البتہ اگر بہ تکلف اس کا اظہار کرے تو یہ رُعونت (غرور و تکبر) ہے۔'' (کشف المحجوب)

## دلائل کرامت کے بیان میں

فرمایا!''ایک دفعہ میرے مُرشد بیت الجن سے دمشق روانہ ہوئے تو اتفاق سے دورانِ سفر بارش ہوگئی اور کیچڑ کے باعث چلنا دشوار ہو گیا۔ میری نظر جب مُرشد کی طرف پڑی تو آپ کے جُوتے اور کپڑے بالکل خشک دکھائی دیئے۔ میں نے اس بارے آپ سے استفسار کیا تو ارشاد فرمایا! جب سے میں نے اپنے ارادے اور

ہمت کی بجائے توکل کا سہارا لیا ہے اور دل کو حرص و ہوس سے پاک کیا ہے اللہ نے مجھے ہر قسم کی ذلت سے محفوظ کر دیا ہے۔" (کشف المحجوب)

## آدابِ غذا کے بیان میں

فرمایا "میرے شیخ کا ارشاد ہے کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو دعویٰ ترکِ دنیا کا کرتا ہے مگر کھانے کی فکر میں رہتا ہے۔" (کشف المحجوب)

## آدابِ نیند کے بیان میں

فرمایا "میرے شیخ محترم اپنے مریدوں کو یہ تلقین کیا کرتے تھے کہ نیند جب غالب ہو تو سونا بہتر ہے۔ بیدار ہو جاؤ تو دوبارہ سونے کی کوشش مت کرو۔ مردانِ حق کیلئے دوبارہ سونا حرام ہے۔ ایسی نیند غفلت کا باعث ہوتی ہے۔" (کشف المحجوب)

## قبض و بسط کے بیان میں

فرمایا "میرے شیخ کا ارشاد ہے کہ قبض و بسط دونوں ایک ہی معنی میں ہیں۔ یہ کیفیات بندے کے دل پر وارد ہوتی ہیں۔ جب قبض کا اثر قلب پر ظاہر ہوتا ہے تو یہ مغلوب ہو جاتا ہے اور اس سے بندے کا نفس مسرور ہوتا ہے، اسی طرح جب بسط کی کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے تو بندے کا نفس مغلوب ہو جاتا ہے۔ گویا قلب کی کشادگی نفس کا قبض ہے اور نفس کی کشادگی قلب کا قبض ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور بات اس کے متعلق کہنا وقت ضائع کرنا ہے۔" (کشف المحجوب)

## اُنس و ہیبت کے بیان میں

فرمایا "میرے شیخ کا ارشاد ہے کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُنس ممکن ہے۔" (کشف المحجوب)

## قہر و لطف کے بیان میں

"میرے شیخ نے فرمایا ایک بار اولیائے کرام کا اجتماع ایک صحرا میں ہوا۔ میرے مرشد حضرت حصری رحمۃ اللہ مجھے اپنے ہمراہ لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ

کچھ لوگ سرخ اونٹوں پر آ رہے ہیں بعض تخت پر بیٹھے آ رہے ہیں کچھ اڑتے ہوئے آ رہے ہیں۔ میرے شیخ نے کسی کی جانب توجہ نہ کی۔ میں نے ایک نحیف و کمزور جوان آتے دیکھا جس کے جوتے پھٹے ہوئے تھے، عصا ٹوٹا ہوا تھا، جسم سوختہ، پاؤں بیکار اور سر سے ننگا تھا۔ اس کی آمد پر میرے مرشد دوڑ کر اس کے پاس پہنچے اور اسے مقام کی بلند جگہ پر بیٹھایا۔ مجھے بہت تعجب ہوا۔ اس کے بعد میں نے اپنے مرشد سے دریافت کیا تو آپ نے بتایا یہ اللہ تعالیٰ کے ایک ایسے ولی ہیں جو ولایت کے تابع نہیں بلکہ ولایت ان کی تابع ہے یہ کرامات کی طرف توجہ نہیں کرتے۔" (کشف المحجوب)

## الشرب کے بیان میں

فرمایا! "میرے شیخ کا ارشاد ہے کہ مرید اور عارف بغیر شرب کے معرفت اور ارادت سے خالی ہوتے ہیں۔" (کشف المحجوب)

## سماع کے احکام میں

فرمایا! "میرے مرشد فرماتے ہیں کہ سماع پیچھے رہ جانے والوں کا زاد راہ ہے جو منزل کو پا گیا اسے سماع کی ضرورت نہیں۔" (کشف المحجوب)

## کشف المحجوب کی خاموشی

کشف المحجوب کا ورق ورق، سطر سطر اور حرف حرف مطالعہ کے بعد حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کے متعلق جو تحریری مواد حاصل ہوا اور جن باتوں کا علم ہوا اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت کی تصدیق و تائید کے متعلق کشف المحجوب قطعاً خاموش ہے اور اس میں کوئی اشارہ تک موجود نہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ ہجویری رحمہ اللہ نے اپنے مرشد کے ارشادات وملفوظات، پند ونصائح، افکار ونظریات اور کشف وکرامات کا ذکر فرمایا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اپنی اس آپ بیتی اور اہم واقعہ کو فراموش یا نظر انداز کر دیتے جو خود آپ پر گزرا اور جس میں آپ کے حق اور کمال کے مقام و مرتبے کا اظہار بھی موجود ہو۔ اس کے علاوہ کشف المحجوب مجموعی طور پر تین صد اقوال [illegible] ہے

تذکرہ سے مزین ہے جن میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، متاخرین اور ہم عصر صوفیاء و مشائخ رحمہم اللہ شامل ہیں۔ لیکن ان اذکار میں حضرت شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا ذکر کہیں موجود نہیں۔

حضرت ہجویری رحمہ اللہ اپنی تصنیف کشف المحجوب طبع تہران صفحہ ۲۱۴ پر رقمطراز ہیں

"میں ان بزرگوں کے اسماء گرامی بیان کرتا ہوں جو میرے زمانے میں تھے یا اب بھی موجود ہیں۔ یہ لوگ رسمی صوفی نہیں بلکہ ارباب معانی اور واقف اسرار ربانی ہیں۔"

ان اسماء گرامی میں بھی حضرت شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا نام موجود نہیں۔ کشف المحجوب کی ان داخلی شہادات کے بعد یہ بات قطعی طور پر واضح اور ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی حیات میں یا ان کے دور میں شیخ حسین زنجانی یا میر ان حسین زنجانی نام کے کوئی بزرگ لاہور میں موجود نہ تھے۔

## کشف المحجوب کا مقام تصنیف

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب لاہور آنے سے قبل لکھی اس لئے اس میں حضرت شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا ذکر موجود نہیں۔ یہ بات صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو کشف المحجوب کے مطالعہ سے محروم ہیں اس لئے کہ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں حضرت حبیب بن سلیم الراعی رحمہ اللہ کے ذکر کے آخر میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ

"مجھ (علی ہجویری) کو تحریر و تصنیف میں دشواری یہ پیش آ رہی ہے کہ میری کتابیں غزنی میں ہیں اور میں خود ہند میں ملتان کے مضافات لہانور (لاہور) کے مقام پر علم و تحقیق سے عاری ماحول میں گھرا ہوا بسر کر رہا ہوں"

اس شہادت سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کشف المحجوب لاہور میں تصنیف ہوئی اور اس میں کہیں بھی شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا ذکر موجود نہیں۔

## کشف الاسرار کی عبارت

حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کی تصنیفات میں اگر "کشف الاسرار" کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو حضرت شیخ ہجویری رحمہ اللہ کا لاہور مقیم ہونے کے بارے میں درج ذیل تحریر، فوائد الفواد کی روایت کے قطعاً خلاف ہے۔

"میں (علی بن عثمان) جب ہندوستان آ گیا تو علاقہ لاہور کو بے نظیر پایا اور یہیں بچوں کو پڑھانے کے سبب سے وطنیت و سکونت اختیار کر لی۔"

اس عبارت سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا سبب وہ نہ تھا جو روایت میں بیان کیا گیا ہے۔

## شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا جنازہ و تدفین

"شیخ حسین زنجانی کا جنازہ صبح کو باہر لایا گیا" فوائد الفواد کی روایت کے ان آخری الفاظ (جنازہ باہر لایا گیا) سے اکثر تذکرہ نگاروں نے یہ تاثر لیا ہے کہ لاہور کی آبادی قلعہ بند یا شہر پناہ (فصیل) میں تھی۔ سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ رات کو لاہور پہنچے، فصیل شہر کا دروازہ بند پا کر برلب دریائے راوی مشرقی کنارے پر شہر سے باہر جنوب مغربی سمت میں ایک ٹیلے پر شب بسری کی۔ صبح ہونے پر فصیل شہر کا دروازہ کھلنے کے بعد ایک جنازہ برآمد ہوا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ جنازہ حضرت شیخ حسین زنجانی رحمہ اللہ کا ہے تو آپ شریک جنازہ ہوئے یا خود جنازہ پڑھایا اور شہر لاہور سے باہر شمال مشرقی کونے (چاہ میراں) میں دفن فرمایا۔

یہ واقعات حقائق سے عاری اور محض ذہنی اختراع ہیں اس لئے کہ ان واقعات کا ذکر اشارتاً بھی مبینہ روایت میں موجود نہیں۔ حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ کا جنازہ شہر کے جنوب مغربی کونہ سے برآمد ہونا اور مخالف سمت شمال مشرقی کونہ میں دفن ہونا عجب معلوم ہوتا ہے جبکہ اُسوقت لاہور کھلا شہر تھا۔ بعض تذکرہ نگاروں اور مضمون نویسوں نے اس فقرے سے پیدا ہونے والے خیالات و تصورات میں اپنے اپنے انداز

میں افسانوی رنگ بھر دیئے ہیں، حالانکہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ کے دور میں لاہور ایک کھلی آبادی کا مختصر شہر تھا۔ کوئی پختہ قلعہ اور فصیل شہر نہ تھی کہ کوئی مُسافر رات کو شہر میں داخل نہ ہو سکے لہٰذا متذکرہ روایت کا آخری فقرہ بھی تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا، اس بات کی تائید میں درج ذیل اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

## فصیل شہر لاہور کی تاریخ

جسٹس سید محمد لطیف اپنی تصنیف تاریخِ لاہور (انگریزی) کے باب اول میں لکھتے ہیں کہ" ۷۱۳ ھ بمطابق ۱۳۱۰ء میں رشید الدین کی تحریر کردہ کتاب "جامع التواریخ" میں لاہور کے متعلق لکھا ہے کہ" یہاں کوئی بھی پختہ قلعہ موجود نہیں ہے۔" باب دوئم کے اولین صفحات میں مزید لکھتے ہیں کہ" ابوالفضل سولھویں صدی میں تحریر کردہ اپنی کتاب آئین اکبری میں بیان کرتا ہے کہ باری دوآب میں لاہور ایک عظیم شہر ہے۔..قدیم تاریخ میں اسے لوہاور کہا گیا ہے بادشاہ سلامت (اکبر) کے دور حکومت میں قلعہ کو پختہ اینٹوں اور چونے سے تعمیر کیا گیا۔" باب چہارم کے آغاز میں مزید لکھا ہے کہ" خلاصۃ التواریخ کے مطابق محمود غزنوی کے حملے کے وقت...شہر فصیل کے بغیر تھا۔ شہر کے گرد فصیل اکبر نے تعمیر کرائی تھی۔"

انگریز دور میں ایگزیکٹو انجینئر لاہور، رائے بہادر کنھیا لال مصنف" تاریخِ لاہور" طبع اول ۱۸۸۴ء صفحہ ۳۴ پر تحریر کرتا ہے کہ" پہلے لاہور شہر، کھلی آبادی تھی فصیل شہر پناہ نہ تھی۔ اکبر بادشاہ نے اس کے گرد پختہ حصار بنوایا۔ فصیل کی دیوار بہت بلند اور چوڑی تعمیر کی، ایک ایک دروازے کے درمیان دس دس برج کلاں بنوائے دروازے پختہ تعمیر کیے قلعہ بھی پختہ بنوایا...اس شہر کے بارہ دروازے اور ایک موچی دروازہ ہے۔"

مندرجہ بالا تاریخی تحقیقی حوالہ جات کی روشنی میں اس بات کو تقویت پہنچتی ہے

کہ ''فوائد الفواد'' کی مبینہ روایت الحاقی ہے۔ لہٰذا حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ، حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کے پیر بھائی نہ تھے اور نہ ہی ہمعصر بزرگ۔

## حضرت عزیز الدین المعروف پیر مکّی رحمۃ اللہ کیا اُستادِ گنج بخش تھے؟

''حضرت عزیز الدین پیر مکّی رحمۃ اللہ بغداد کے نواح میں ایک بستی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد محترم کا نام سید عبداللہ تھا جو کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش تقریباً ۵۳۵ھ سے ۵۴۵ھ کے دوران ہوئی''۔ (لاہور میں اسلام کے سفیر از عابد نظامی) آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت بغداد میں ہوئی۔ آپ کے مُرشد طریقت کا نام معلوم نہیں البتہ آپ طریقت میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے پیروکار تھے۔ ۵۶۲ھ / ۱۱۶۶ء میں بغداد سے حرمین شریفین کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ اس دوران بلاد اسلامیہ کی سیر و سیاحت کی اور مختلف مقامات پر علماء و مشائخ سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ مکہ مکرمہ میں بارہ سال مقیم رہے۔ بیت اللہ کی مجاورت اور ہمہ وقت عبادت و ریاضت کی بنا پر شیخ مکّی کا خطاب پایا۔ حکم الٰہی سے مکہ معظمہ سے لاہور شریف میں رشد و ہدایت کیلئے تشریف لائے۔ جب سلطان شہاب الدین غوری نے سن ۵۷۴ھ میں لاہور کا محاصرہ کیا تو آپ لاہور میں موجود تھے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے وصال کے قریباً ۱۱۰ برس بعد آپ لاہور تشریف لائے۔

خسرو ملک بن ظہیر الدولہ غزنوی اُس وقت لاہور کا گورنر تھا جو محاصرہ سے تنگ آکر حضرت عزیز الدین پیر مکّی رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ذات اور حکومت کے تحفظ کیلئے دُعا کی استدعا کی۔ حضرت نے اس کے حق میں دُعا کی اور خسرو ملک کو مخاطب ہو کر فرمایا اطمینان رکھو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا اور یہ مصیبت کی گھڑی ٹل جائے گی، آپ کی دُعا قبول ہوئی۔ شہاب الدین غوری اپنا مقصد حاصل کئے بغیر ہی محاصرہ اُٹھا کر واپس چلا گیا اور چھ سال تک دوبارہ واپس حملہ آور نہ ہوا۔

آخر کار ۵۸۰ھ میں اس نے دوبارہ لاہور کا محاصرہ کیا اور فتح یاب ہوا۔

خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی روایت کے مطابق حضرت پیر مکی رحمہ اللہ لاہور آمد کے بعد کچھ عرصہ تک آستانہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ پر مقیم رہے اور فیض گنج بخش سے مستفیض ہوئے۔ حضرت شیخ عنایت اللہ رحمہ اللہ سجادہ نشین ہوم درگاہ شریف حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ آپ کے میزبان و مصاحب رہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ بعد ازاں آپ نے مزار گنج بخش رحمہ اللہ کے شمال جانب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر دریائے راوی کے مشرقی کنارے سکونت اختیار کرلی اور مخلوق خدا کو رشد و ہدایت کا درس دینے لگے ۔ بعد از وصال آپ کو اسی مقام سکونت میں دفن کیا گیا۔ آج آپ کا مزار شریف داتا دربار دریائے راوی روڈ کے مغربی کنارے پر آپ کے نام سے موسوم محلہ پیر مکی میں واقع ہے۔ جہاں پر ہر سال مورخہ ۱۰ ربیع الاول کو عرس مبارک زیر انتظام محکمہ اوقاف منعقد ہوتا ہے۔

حضرت پیر مکی نے چھتیس برس لاہور میں رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور تقریباً ستر سال کی عمر میں ۶۱۲ھ / ۱۲۱۵ء کو وفات پائی (خزینۃ الاصفیاء از غلام سرور لاہوری) تمام محققین، تاریخ نویسوں اور تذکرہ نگاروں کی یہ متفقہ رائے ہے کہ حضرت پیر مکی نے حضرت سید علی ہجویری کے وصال سے ڈیڑھ صدی بعد وفات پائی۔

## غلط فہمی کا ازالہ

سادہ لوح عوام میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا یہ حکم ہے کہ "میرے پاس حاضر ہونے سے پہلے میرے استاد محترم حضرت عزیز الدین پیر مکی رحمہ اللہ کے مزار مبارک پر فاتحہ خوانی اور حاضری دے کر آؤ۔"

الحمد للہ کی تحقیق سب سے پہلے حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی تصنیف کشف المحجوب سے کرتے ہیں جس میں آپ نے جگہ جگہ اپنے اساتذہ اور ان بزرگوں کا ذکر

فرمایا ہے جن کی ذات سے آپ نے استفادہ فرمایا۔ اُن کے اسماء یہ ہیں۔

حضرۃ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری متوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء ☆ حضرۃ ابو عباس احمد بن محمد الشقانی م ۴۶۰ھ / ۱۰۶۷ء ☆ حضرۃ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی م ۴۵۳ھ / ۱۰۶۱ء ☆ حضرۃ ابو القاسم علی گرگانی طوسی متوفی ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء ☆ حضرۃ ابو سعید فضل اللہ بن ابوالخیر محمد بن احمد المیہنی متوفی ۴۴۰ھ /۱۰۴۹ء ☆ حضرۃ ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدان ۴۲۵ھ / ۱۰۳۳ء ☆ حضرۃ ابوالحسن بن احمد خرقانی متوفی ۴۲۵ھ / ۱۰۳۳ء ☆ حضرۃ ابوعبداللہ محمد بن علی داغستانی متوفی ۴۱۷ھ / ۱۰۲۶ء۔

حضرت عزیز الدین پیر مکی رحمہ اللہ کا ذکر کسی بھی حوالے سے کشف المحجوب میں موجود نہیں اور نہ ہی حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے خود اپنے پاس حاضر ہونے والے عقیدت مندوں پر پہلے مزارِ پیر مکی رحمہ اللہ پر حاضری کی کوئی شرط عائد فرمائی تھی۔

لوگوں میں یہ غلط فہمی بھی عام ہے کہ وہ آپ کو مکئی کی نسبت سے پیر مکی سمجھتے ہیں اور آپ کے مزار پر سادہ یا بھنی ہوئی مکئی کی نذر اس لئے پیش کرتے ہیں کہ آپ مکئی پسند کرتے اور رغبت سے کھاتے تھے حالانکہ آپ کو مکہ مکرمہ کی نسبت سے پیر مکی کہا جاتا ہے۔ اس بے پر کی ہوائی کے متعلق معروف محقق جناب حکیم محمد موسیٰ متوفی ۱۹۹۹ء نے کشف المحجوب اردو ترجمہ از مولانا ابوالحسنات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

''حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے مزار کی مرجعیت کے پیش نظر بی بی (بیبیاں پاک دامن، سیّد یعقوب زنجانی اور میراں حسین زنجانی) مزارات کے مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ یہ داتا صاحب سے پہلے کے بزرگ ہیں اور حضرت داتا صاحب یہاں حاضری دیتے رہے ہیں۔ حضرت پیر مکی کے مجاوروں نے عوام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ داتا صاحب کا فرمان ہے کہ میرے پاس آنے سے پہلے ان کے مزار پر حاضری دیں صرف یہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو حضرت پیر مکی کو داتا صاحب کا استاد کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔''

یہ بات حق الیقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ حضرت عزیز الدین پیر مکی رحمہ اللہ نہ تو حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے اُستاد تھے نہ ہم زمانہ بزرگ اس لئے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے جن بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دی، معتکف ہوئے یا مجاور بنے اُن کا ذکر کشف المحجوب میں بطورِ خاص کیا ہے ان مزارات میں لاہور کے کسی مزار یا صوفی بزرگ کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا درج بالا شوشوں میں کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ تو قیاس کے زُمرے میں بھی نہیں آتے۔

## حضرت سیّدنا علی ہجویری رحمہ اللہ
## کی لاہور کے چند مزارات پر مبیّنہ حاضری کی حقیقت

محققین اور اہل بصیرت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت سیّدنا علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمہ اللہ سے عوام و خواص کی بے پناہ عقیدت اور آپ کے مزار شریف کی مرجعیت کے پیش نظر لاہور کے چند مزارات سے متعلق کچھ لوگوں نے مخصوص مفادات کی خاطر حضرت رحمہ اللہ کی ذات کے حوالے سے خلافِ تحقیق، غلط اور من گھڑت قصے کہانیاں مشہور کر رکھے تھے۔ ایک بات اُن میں مشترک تھی کہ وہ اپنے زیرِ تولیت مزارات میں مدفون بزرگوں کے دور کو حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کے دور سے قبل لاہور کی تاریخ کا حصہ قرار دیتے تھے تاکہ یہ بات مشہور کر سکیں کہ داتا صاحب ان مزارات پر معتکف یا حاضری دیتے رہے ہیں۔ اس سے اُن کا مقصود عقیدتمندان داتا گنج بخش کی توجہ حاصل کرنا تھا تاکہ اُن کے زیرِ تولیت بزرگوں کے مزارات پر بھی رونق و حاضری میں اضافہ ہو اور نذرانوں کی آمدنی بڑھ سکے۔

ایسی چند غلط روایات کی تحقیق و تدقیق گذشتہ صفحات میں ہو چکی اب ''بیبیاں پاک دامن'' کی تاریخ اور حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی ان کے مزارات پر مبیّنہ حاضری کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔ تاکہ عوام و خواص کو آگاہی ہو سکے۔

## تحقیق مزاراتِ بیبیاں پاک دامن

مولوی نور احمد چشتی نے مسٹر ولیم کولڈ سٹریم اسسٹنٹ کمشنر لاہور کے حکم پر "تحقیقاتِ چشتی" ۱۸٦۴ء میں تحریر کی جس میں پہلی بار مزارات "بیبیاں پاک دامن" کے متعلق غیر مصدقہ روایات کو تحریر کے پیرائن میں ڈھالا۔ اس میں بیان حالات و واقعات کو بندہ چند نقاط میں پیش کرتا ہے۔

"کہتے ہیں کہ مقبرہ میں مدفون چھ بیبیاں ، ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادی اور حضرت عباس کی ہمشیرہ رقیہ (کبریٰ) مشہور بی بی حاج تھیں
حضرت مسلم بن عقیل اور پانچ دیگر بیبیاں ۔ بی بی تاج ، بی بی حور ، بی بی نور ، بی بی گوہر اور بی بی شہباز جو حضرت عقیل برادر حضرت علی کی بیٹیاں ہیں۔"

"حضرت امام حسین کے حکم پر نو محرم الحرام کو کربلا سے ہند روانہ ہوگئی"

"بیبیاں جب لاہور تشریف لائیں تو ان کے ہمراہ سات سو چار آدمی حافظ قرآن، بزرگ اور ولی بھی تھے۔"

"لاہور کے راجہ برماستری یا مہابرن نے ان بیبیوں کو اپنے ہاں طلب کیا، بیبیوں کے انکار پر، آخر کار راجہ کا بیٹا بکرما سہائے انہیں جبراً گرفتار کرنے آ پہنچا، بکرما سہائے جب بی بی حاج کے رُو برُو ہوا تو بیہوش ہو کر گر پڑا، ہوش آنے پر مسلمان ہوگیا اور وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ بی بی نے اُس کا نام عبد اللہ یا جمال رکھا بعد ازاں عبد اللہ خاکی کے نام سے مشہور ہوا، اور ان مزارات کا مجاور ہو بیٹھا۔"

"راجہ نے بیبیوں کے اس رویے کو بغاوت قرار دیا اور انکو سزا دینے پر تُل گیا۔"

"اس پر بیبیاں بہت خائف ہوئیں اور اللہ سے دُعا کی کہ یا الٰہی زمین کو حکم دو کہ ہمیں امان دے ، یہ دُعا قبول ہوئی اور اسی وقت زمین میں شگاف ہوگیا اور تمام بیبیاں اور وہاں پر موجود چار حافظ قرآن زمین میں سما گئے۔"

"اس وقت بیبیوں کے دوپٹوں کے پلے زمین سے باہر نظر آتے تھے ان

مشکلوں پر قبور بنادی گئیں۔"

"تحقیقات دمشقی" میں بیان کردہ روایت کی بنیاد دو نقاط پر ہے اول چھ بیبیوں کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی اور بھتیجیاں ہونا دوم ان کا نویں محرم کو کربلا سے شام (دمشق) روانہ ہونا۔ لہٰذا بیبیوں کے بارے میں بیان کی تحقیق اور اُن کی کربلا سے روانگی کا تاریخی جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے تاکہ حقیقت واضح ہو سکے۔

جناب سیدہ رقیہ (کبریٰ) بنت حضرت علی زوجہ حضرت مسلم بن عقیل کے بارے میں قدیم مورخین اور ماہرین انساب متفق ہیں کہ

"جناب رقیہ (کبریٰ) امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کی صاحبزادی تھیں، آپ کی والدہ صہباء بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن علقمہ تغلبیہ تھیں جو ام حبیب کہلائیں۔ ان کے بطن سے ایک بیٹا عمر الاطراف اور ایک بیٹی رقیہ پیدا ہوئیں۔ عمر بن علی المرتضیٰ پچاسی برس عمر پائی۔ اور ان کی ہمشیرہ رقیہ، رقیہ کبریٰ کہلائیں اور حضرت مسلم بن عقیل کی زوجیت میں آئیں۔ یہ کہ سیدہ رقیہ، حضرت عباس کی ہمشیرہ نہ تھیں اس لئے کہ حضرت عباس بن علی المرتضیٰ کی والدہ محترمہ ام البنین بنت حزام بن خالد تھیں۔

جناب سیدہ کبریٰ کا مزار مبارک دمشق (شام) میں موجود ہے۔"

"جناب سیدہ رقیہ (صغریٰ) بنت علی المرتضیٰ جو ام سعید بنت عروہ بن مسعود الثقفی کے بطن سے تھیں اور ان کے شوہر عبدالرحمن بن عقیل تھے۔

سیدہ رقیہ (صغریٰ) کا مزار قاہرہ مصر میں ہے۔"

مندرجہ بالا حسب و نسب کی تائید و تصدیق کا واضح اعلان درج ذیل مستند اور معتبر تاریخی کتب سے صدیوں سے ہو رہا ہے۔

۱۔ "تاریخ کامل" (عربی) از ابن اثیر جلد سوم ص ۳۸۲/ ۳۸۳ / ۳۹۷/ ۳۹۸ جلد چہارم ص ۳۳۔ ۲۔ "تاریخ طبری" (عربی) از علامہ ابی جعفر محمد بن جریر طبری

جلد چہارم ص ۲۳۲ جلد پنجم ص ۱۵۳ تا ۱۵۵ ☆ ''تاریخ ابن خلدون'' از علامہ عبدالرحمٰن ابنِ خلدون (اُردو ترجمہ) حصہ اول ص ۵۵۱/ ۵۵۲ حصہ دوم ص ۱۲۱ ☆ ''منتخب التواریخ'' از حاج محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی فصل پنجم ص ۱۲۲ تا ۱۲۵ ☆ ''منتہی الآمال'' (فارسی) از شیخ عباس قمی جلد اول ص ۱۸۶ تا ۱۸۸/ ۱۹۲/ ۳۶۳ ☆ ''مناقب آلِ ابی طالب'' از رشید الدین محمد بن علی بن شہر اشوب جلد سوم ص ۳۰۴/ ۳۰۵۔

ان تاریخی کُتب کے علاوہ ہندو پاک کی معتبر کتب ''تاریخ اسلام'' از عبد الرحمٰن شوق جلد دوم ص ۳۸۷ جلد سوم ص ۵۳۵/ ۵۴۱ ☆ ''ذبح عظیم'' از سید اولاد حیدر فوق بلگرامی ص ۱۹۵/ ۱۹۷/ ۲۰۰/ ۲۰۲/ ۲۰۳/ ۲۵۹ ☆ ''تاریخ جلیلہ'' ''بی بی پاک دامناں، لاہور'' اور ''بزرگانِ لاہور'' از غلام دستگیر نامی ☆ ''تاریخ لاہور'' از سید ہاشمی فرید آبادی'' ص ۱۷۶ ☆ ''لاہور (انگریزی)'' از ڈاکٹر محمد باقر ☆ ''رسالہ بیبیاں پاک دامناں'' از پروفیسر ڈاکٹر مسعود خالی ☆ ''لاہور میں اسلام کے سفیر'' از ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی ص ۵۹ ☆ ''مزارات بی بی پاک دامناں'' اور ''حدیقۃ الاولیاء'' از مورخ لاہور محمد دین کلیم قادری ☆ ''حضرت بی بی پاک دامناں کون اور کہاں سے آئیں'' از حفیظ اللہ خان منظر ☆ ''نقوش (لاہور نمبر) اور دیگر کتب و رسائل تحقیقاتِ چشتی'' میں بیان کردہ روایت کے خلاف پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن بخوف طوالت انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

معتبر تحقیقی شاہکار انسائیکلوپیڈیا آف اسلام شائع کردہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی جلد ۵ صفحہ ۳۶۱ پر مزار بیبیاں پاک دامن کے متعلق تواریخ اور تذکروں کو کھنگالنے کے بعد ایک جدید مقالہ درج ہے، جس میں لکھا ہے کہ

''لاہور کے مزارات و مقابر میں سے قبرستان (مزارات بیبیاں پاکدامن) زمانہ دراز سے مشہور و متبرک چلا آتا ہے۔ لیکن تاریخی طور پر یہ ثابت نہیں کہ اس قبرستان کا آغاز کب ہوا۔ صاحب حدیقۃ الاولیاء (مفتی غلام سرور لاہوری م

۱۸۹۰ء) نے بحوالہ تذکرہ حمید یہ لکھا ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں کرمان سے ایک عابد و زاہد بزرگ سید احمد توختہ (م ۶۰۲ھ) لاہور میں آکر قیام پذیر ہوئے۔ ان کی چھ بیٹیاں تھیں بی بی حاج، بی بی تاج، بی بی نور، بی بی حور، بی بی گوہر اور بی بی شہباز۔ یہ سب بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ اپنے والد کی وفات کے بعد، جن کا مزار محلہ چہل بیبیاں لاہور میں موجود ہے۔ یہ صاحبزادیاں فصیل سے گھرے ہوئے لاہور کو چھوڑ کر اس علاقہ میں قیام پذیر ہو گئیں جہاں اب یہ قبرستان واقع ہے۔ ان کا سالِ وفات ۶۱۵ھ کے بعد ہوگا کیونکہ جب چنگیز خان ۶۱۴ھ میں جلال الدین خوارزم کا تعاقب کر رہا تھا تو اس وقت ان بیبیوں کی لاہور میں موجودگی کا ثبوت ملتا ہے (تاریخ لاہور از رائے بہادر کنہیا لال، ص ۳۰۸)۔ یہ سب بیبیاں اس جگہ مدفون ہیں اور ان کے مزار دو احاطوں میں ہیں۔ پہلے احاطے میں ایک مقبرہ گنبددار بھی ہے جس کا سن تعمیر ۱۰۱۶ھ ہے۔ اور یہ میراں محمد موج دریا بُخاری رحمہ اللہ م ۱۰۱۳ھ کے بھائی جلال الدین سید بخاری رحمہ اللہ کا مزار ہے۔

منشی محمد دین فوق کی تحریر ''نقوش'' (لاہور نمبر) فروری ۱۹۶۲ء میں بعنوان بی بی پاکدامناں شائع ہوئی لکھا ہے کہ

''بی بی پاک دامناں کا ذکر تحقیقاتِ چشتی کے حوالے سے راقم نے اپنی تصنیف ''یادِ رفتگان'' ۱۹۰۴ء میں لکھا تھا اور اس کتاب کے حاشیہ میں چشتی صاحب اس تحقیق کو ناقابلِ یقین سمجھ کر اس پر شُبہ کا اظہار کر دیا تھا۔ بعد از تحقیق اب یہ ظاہر ہوا ہے کہ ان بیبیوں میں نہ کوئی حضرت علی ؓ کی صاحبزادی تھی اور نہ حضرت عقیل کی بیٹی۔ اس لئے کہ جب واقعہ کربلا پیش آیا لاہور میں کوئی مسلمان ہی نہ تھا تو ان کو اپنے وطن سے ہزاروں میل دور یہاں آنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور پھر وہ عورتیں تنہائی اور بے کسی کے عالم میں اتنی دور صحیح سلامت کس طرح پہنچ گئیں۔ وہ لاہور کی نسبت کوفہ، شام یا حرمین الشریفین میں جا کر زیادہ محفوظ رہ سکتی تھیں جو کربلا سے نزدیک

ترین مقامات تھے۔ لاہور میں تو کوئی اُن کی زبان بھی نہ جانتا تھا۔ پھر تاج، گوہر، شہباز عربی نام نہیں اور نہ ہی اُس زمانہ میں عرب میں یہ نام مروج تھے۔

حضرت سیدہ رقیہ (کبریٰ ہو یا صغریٰ) کو کبھی بھی "بی بی حاج" کی عرفیت سے جانا پہچانا اور یاد نہیں کیا گیا۔ حاج عربی زبان کا لفظ ہے جو حج سے مشرف ہونے والے مرد کیلئے بولا جاتا ہے۔ عورتوں کیلئے لفظ حاجہ بولا جاتا ہے۔ جن لوگوں کی مادری زبان عربی ہو، اور والد ذیشان علم کا دروازہ ہو ان کی عرفیت ایسی نہیں ہوتی۔

## نام کی ترکیب

"بی بی پاک دامناں" یا "بیبیاں پاک دامن" کے نام کی ترکیب اردو زبان کی ترکیب ہے۔ "بی بی" خالصتاً اردو زبان کا لفظ ہے جو خاتون، شریف زادی، بہن بیٹی، بڑی بوڑھی اور معزز عورتوں کو مخاطب کرنے کا ایک باعزت کلمہ ہے۔ "پاک داماں" فارسی زبان کا اسمِ کیفیت ہے جو اُردو زبان میں بھی پارسا اور باعصمت زن ومرد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ "بی بی پاک دامناں یا بیبیاں پاک دامن" ناموں کی ترکیب ہماری توجہ اس طرف مبذول کراتی ہے کہ مزارات شریفہ کا معروف نام اُردو زبان کے وجود میں آنے کے بعد کے دور کا ہے اور یہاں پر مدفون بیبیوں کو مخصوص مفادات کے پیشِ نظر حضرت علی شیرِ خدا اور آپ کے برادر حضرت عقیل ؓ کی بیٹیاں ظاہر کرنے کی روایت بھی غالباً اسی دور میں گھڑی گئی ہے۔

تاریخ کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ اُس زمانہ میں خطہ لاہور کی مذہبی، ثقافتی اور تمدنی حیثیت اور دیگر کسی پہلو سے بھی کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ ہی دُنیا کی کسی کتاب میں اسکا ذکر موجود تھا کہ کوئی فرد کربلا جیسے دُور دراز شہر سے لاہور جانے کا از خود قصد کرے یا بے سروسامانی کے عالم میں بھیجا جائے۔ اگر اپنے دیار میں دشمن اہل بیت سے امان نہ تھی تو ہند میں دشمنانِ اسلام سے خیر کی توقع کرنا تو خلاف عقل ہے۔

روایت کے مطابق خواتین اہل بیت کے ہمراہ سات سو چار حافظانِ قرآن،

بزرگ، ولی بھی لاہور پہنچے۔ مسافرت کے دوران یہ قافلہ بغیر کسی مزاحمت اور معرکہ آرائی کے لاہور کیسے پہنچا جبکہ سرزمین ہند میں قدم قدم پر برہمنوں کی استبدادیت عروج پر تھی۔ ساری روایت میں حافظانِ قرآن، بزرگ اولیاء کا کوئی رول سامنے نہیں آیا جن سے اُن کی موجودگی ثابت ہو۔

عرب وعجم میں تاریخ وتحقیق سے یہ ثابت ہے کہ جو نفوس اہلِ بیت حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے ان میں سے کسی ایک فرد نے بھی آخری دم تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا لہٰذا سید زادیوں کا بحکم حضرت علی المرتضیٰ بزبانِ امامِ حسین شہید کربلا لاہور کی سرزمین پر آنا ایک افسانے کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت سید علی ہجویری کشف المحجوب میں حضرت امام زین العابدینؓ کے ذکر مبارک میں رقم فرمایا ہے۔

"روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت حسین بن علیؓ کو ان کے فرزندوں سمیت کربلا میں شہید کر دیا گیا، تو سوائے حضرت زین العابدین کے، مستورات کی نگرانی کرنے اور انہیں حوصلہ دینے والا اور کوئی نہ تھا۔ اس وقت آپ بیمار تھے چنانچہ اہل بیت اطہار کو اونٹوں کی ننگی پشت پر بیٹھا کر دمشق بھیجا گیا... یزید کے دربار میں کسی نے آپ سے پوچھا اے علی، اے رحمت کے گھر والو! کس حال میں ہو؟ تو آپ نے فرمایا ہماری حالت اپنی قوم کے ہاتھوں ایسی ہے جیسے قومِ موسیٰ کی حالت فرعونیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی کہ وہ اُن کے فرزندوں کو قتل کرتے اور ان کی عورتوں کو چھوڑ دیتے تھے۔"

تاریخ کی تمام کتب میں قافلہ اہل بیت کا دمشق سے مدینہ منورہ جانے کا احوال وضاحت سے درج ہے جو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت سیدہ رقیہ (کبریٰ) بنت حضرت علی المرتضیٰ زوجہ حضرت مسلم بن عقیل شہید کوفہ کا روضہ مبارک ملک شام کے شہر دمشق میں اور سیدہ

رقیہ (صغریٰ) بنت حضرت علی کرم اللہ وجہہ زوجہ عبدالرحمٰن بن عقیل کا مزار شہر قاہرہ ملک مصر میں موجود ہیں۔ شام و مصر میں ان مزارات کے موجود ہونے کی تحقیق، تصدیق کے بعد متذکرہ بالا روایت کی نفی میں یہ شہادت ہی کافی ہے۔

## مزارات کی حیثیت سرکاری ریکارڈ میں

محکمہ اوقاف مغربی پاکستان نے ۱۴ دسمبر ۱۹۶۷ء کو مزار بیبیاں پاکدامن کا قبضہ سُنی متولیوں سے بطور سُنی مزار لیا تھا۔ مزار شریف کی چار دیواری جس اراضی پر واقع ہے اس کا سرکاری کاغذات میں اندراج سُنی متولیوں کے نام پر ہے۔ مزار سے ملحقہ مسجد حنفیہ امام ابو حنیفہ کے نام سے منسوب ہے۔ مزار بیبیاں پاک دامن کے سالانہ عُرس مبارک کی تقریبات اول تا آخر اہل سنت و جماعت کے عقائد و مراسم کے مطابق ادا ہوتی ہیں۔ ختم غوثیہ پڑھا جاتا ہے۔ مزارات کے اردگرد وسیع قبرستان بھی اہل سُنت و جماعت کا ہے۔ اگر ان مزارات میں مدفون ہستیاں متذکرہ روایت کے مطابق ہوتیں تو یقیناً صورت حال بالکل مختلف ہوتی۔ سرکاری دفتر اور زمینی حقائق اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ مبینہ روایت ایک افسانہ ہے حقیقت نہیں۔ اس روایت کے ابطال میں سینکڑوں دلائل دیئے جا سکتے ہیں لیکن طوالت کے خوف سے اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

## بیبیاں پاک دامن کون؟

قدیم تواریخ و تذکار میں یہاں پر مدفون بیبیوں کا ذکر ہی موجود نہیں۔ ماضی قریب کے محققین اور تذکرہ نگاروں نے نور احمد چشتی سے اختلاف کرتے ہوئے ان بیبیوں کو حضرت سید احمد توختہ ترمذی (م ۶۰۲ھ) کی صاحبزادیاں مانا اور تحریر کیا ہے۔ اس بارے میں مزید تفصیلات جاننے کیلئے ایک الگ کتاب درکار ہے۔

بفضل تعالیٰ اگر زندگی نے وفا کی تو بندہ اس موضوع پر بھی ایک کتاب تالیف کرے گا۔

## حضرت شیخ ہجویری کی حاضری یا اعتکاف

وطن عزیز پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد یہ ہوائی چھوڑی گئی کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ یہاں پر حاضری دیتے رہے ہیں اور جائے حاضری کو ظاہر کرنے کیلئے ایک فٹ × اڑھائی فٹ کا پتھر احاطہ کی دیوار میں نصب کر دیا گیا تھا۔ اب جبکہ مزارات شریف محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں ایک چھ فٹ × اڑھائی فٹ کا مستطیل پتھر (سنگ مرمر) اس چھوٹے پتھر کی جگہ نصب کر دیا گیا ہے۔ جس پر کندہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ یہ کوشش ان لوگوں کی ہے جو اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر یہاں پر مدفون بیبیوں کو اہل بیت سے ثابت کرنے کی کوشش اور ان مزارات پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ افسوس کہ محکمہ اوقاف حقائق کو نظر انداز کئے خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہے۔

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کی مزارات بیبیاں پاک دامن پر حاضری یا اعتکاف کے بارے میں تمام محققین اور تذکرہ نگاروں خاموش ہیں۔ یہاں تک کہ نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی میں بھی بیبیاں پاک دامن کے تذکرہ میں کوئی ذکر نہیں کیا اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ایسی کوئی روایت نہ سنی نہ پڑھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ نے یہاں حاضری دی یا چلہ فرمایا۔ ورنہ وہ مزارات بیبیاں پاک دامن کے ذکر میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ کی حاضری کا ذکر ضرور رقم کرتے۔

ایک ہزار سال سے لاہور میں موجود خانوادہ حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی روایات میں بھی یہ بات قطعاً موجود نہیں کہ ان کے روحانی پیشوا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ نے لاہور میں کسی مزار پر اعتکاف، چلہ کشی یا حاضری دی ہے۔ واضح رہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے ورود لاہور سے قبل یہاں پر کسی مسلمان بزرگ کا مسکن، خانقاہ اور مزار موجود نہ تھا اور یہ ایک تاریخی حقیقت بھی ہے۔

## بیبیاں پاک دامن اور کشف المحجوب

کشف المحجوب میں اہل بیت اطہار کی شان میں یہ رقم ہے کہ

"اہل بیت پیغمبر ﷺ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو طہارت ازلی سے مخصوص ہیں۔ ان میں سے ہر ایک طریقت کا پیش رو ہے۔ یہ سارا گھرانہ صوفیاء کا مقتدا و پیشوا ہے۔ میں (علی بن عثمان) ان میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں۔"

اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے برادر حضرت عقیل ؓ کی صاحبزادیوں کے مزارات لاہور میں موجود ہوتے تو یقیناً آپ ان کی فضیلت کے پیش نظر ان کا ذکر کشف المحجوب میں رقم فرماتے۔ کشف المحجوب کی اس داخلی شہادت کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ بیبیاں پاک دامن کے مزارات میں مدفون ہستیوں کو حیدر کرار حضرت علی اور حضرت عقیل ابنائے ابی طالب ؓ کی دختران قرار دے کر سادہ لوح عوام الناس کی سادات سے گہری محبت و عقیدت کا استہزاء اور استحصال کیا جائے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے جہاں اور جن بزرگان کے مزارات پر اعتکاف، چلہ یا مُراقبہ فرمایا اُن کا ذکر کشف المحجوب میں رقم ہے۔ لاہور کے حوالے سے آپ نے کسی بزرگ یا مزار کا ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا بیبیاں پاک دامن کے مزارات اہل بیت کے نہیں اور نہ ہی حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے یہاں کوئی حاضری دی ہے۔

نواں باب

## خلیفہ و سجادہ نشین

حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ ان جعلی و رسمی صوفیاء میں سے نہ تھے جو محض مُریدوں اور خلیفوں کی تعداد بڑھانے اور رسمی طور پر ارادت و خلافت کا دھندہ کرنے میں مصروف تھے۔ بلکہ آپ تو طریقت کو ایک بہت بھاری ذمہ داری اور کٹھن منزل سمجھتے تھے۔ اس دور میں تصوف و طریقت میں پیدا ہونے والی خرابیوں سے سخت نالاں تھے وہ ان خرافات کو دُور کرنے اور غیر مسلموں کو حلقہ بگوشِ اسلام کرنا ہی آپ کی زندگی کا مشن تھا۔

کشف المحجوب میں لباس صوفیاء کے ذکر میں فرمایا! ”ایک دفعہ میں (علی بن عثمان) اپنے مرشد کے ہمراہ آذر بائیجان کے علاقے سے گزر رہا تھا، میں نے دیکھا دو تین گدڑی پوش فقرا ایک گندم کے کھلیان پر اپنی اپنی گدڑی کے دامن پھیلائے کھڑے ہیں تاکہ کاشتکار اس میں گندم کے دانے ڈال دے، مُرشد کی نگاہ اُن پر پڑی تو پکار اُٹھے۔

”یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا سودا کچھ نفع نہ لایا اور وہ سودے کی راہ جانتے ہی نہ تھے۔“ (البقرہ: ۱۶)

”میں نے کہا حضور! یہ لوگ کیوں اس مصیبت میں گرفتار اور باعث ذلت بنے ہوئے ہیں؟ آپ نے فرمایا ان کے پیروں کو مُرید بڑھانے کا حرص ہے اور انکو متاعِ دُنیا جمع کرنے کی لالچ، حرص کوئی بھی ہو دوسرے حرص سے بہتر نہیں ہوتا ہے حقیقت دعویٰ معنی بے دلیل نہیں تو کیا ہے۔“

## اُٹھو کمر ہمت باندھو

حضرت کشف المحجوب کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔ "علی بن عثمان الجلابی عرض کرتا ہے کہ ہمارے اس زمانے میں علم تصوف تقریباً مٹ کر رہ گیا ہے بالخصوص ہمارے علاقے میں جہاں اکثریت نفسانی خواہشات کی اسیر ہو کر رہ گئی ہے۔ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول سے اپنا منہ موڑ لیا ہے۔ نیز علماء اور تصوف کے موجودہ دعویداروں نے بھی طریقت کا حلیہ بگاڑ رکھا ہے۔ لہٰذا اُٹھو اور کمر ہمت باندھو کیونکہ خاصان بارگاہ حق کے سوا باقی ساری خلقت کی ہمتیں پست اور حصول معرفت کی خواہش ختم ہو چکی ہے۔ اگر اہل ارادت عبارت آرائی کے دلدادہ، جان و دل سے دیدار کی بجائے حجاب اور تحقیق کی بجائے تقلید کے خوگر بن کر راہ حق سے دور ہو چکے ہیں۔ عوام اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ حق شناس ہیں اور خواص اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ وہ حق کی تمنا لئے منزل حقیقی کی طرف رواں دواں ہیں۔ وہ اپنے اپنے مشاغل کو شوق محبت الٰہی اور جوش محبت حق سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں خواہشات نفسانی موجزن ہیں۔ یہ لوگ خود اپنے دعوے کی وجہ سے حقیقت سے محروم ہیں۔ سالکوں نے مجاہدے سے ہاتھ اٹھا کر اپنے وہم و گمان کا نام مشاہدہ حق رکھ لیا ہے۔"

کشف المحجوب کا حرف حرف اس بات کا شاہد ہے کہ حضرت شیخ ہجویری رحمتہ نے اپنی پوری توجہ تصوف و طریقت میں در آئی خرافات، غلط رجحانات اور عملی انانیت و روحانیت کی بگڑی صورت اور کافرانہ مذاہب کے اثر و رسوخ کو زائل کرنے پر صرف کیا۔ اور بفضل تعالیٰ اس کٹھن مرحلہ سے کامیاب گزر کر وہ راستہ ہموار کیا جس پر چلتے ہوئے بعد ازاں دیگر نفوس قدسیہ نے اسلام کا پرچم ہندوستان کے کونے کونے میں لہرا دیا۔

اللہ جل جلالہ کی مشیت یہ تھی کہ اس خطہ ارض کو اسلام سے روشناس کیا جائے۔ حکم باری تعالیٰ چونکہ سید المرسل حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے اس پیغمبری مشن کو اعزاز اللہ جل جلالہ نے حضرت سید علی ہجویری رحمۃ اللہ کو بخشا۔ ظاہر ہے کہ اس پیغمبرانہ مشن کو

پیدا کرنے کیلئے اس دھرتی میں اسلام کا بیج بونا امر اوّل تھا اس لئے حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ نے قوت پروردگار سے قلوب مشرقاں کو وحدت کے جام میں ڈال کر آبِ اسلام سے پاک کیا، ایمان کی دولت سے تابناک کیا، انسانیت پر احسان کیا اور یہ کٹھن کام کامیابی سے صحیح و تمام کیا۔ ماشاء اللہ

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ''مجلہ معارف اولیاء'' شمارہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ ''یہ تاریخی حقیقت محتاجِ وضاحت نہیں کہ دعوت حق اور اشاعتِ دین کا نقطہ آغاز مخدومِ اُمم حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمہ اللہ ہیں ... سرزمینِ پنجاب اور خاکِ لاہور کو اکسیر کرنے والے تو سیدنا ابوالحسن علی ہجویری رحمہ اللہ ہی ہیں مگر جس ہستی نے برِصغیر کے مشرق و مغرب، جنوب و شمال کو تبلیغ اسلام سے شرک و بُت پرستی پر کاری ضرب لگائی وہ خواجہ سید معین الدین چشتی رحمہ اللہ ہیں اس لئے یہ کہنا حقیقت کی ترجمانی ہے کہ برصغیر میں دعوت حق اور داستان اسلام کا سرِ عنوان مُرشدِ لاہور حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے لاہور کو ہمیشہ کیلئے اسلام کا دھڑکتا ہوا دل بنا دیا اور اس داستان دل پذیر کا دیباچہ سید اجمیری رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے مشائخ چشت کی تحریک سے برصغیر میں دعوت اسلام کو عام کر دیا۔''

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری مدیر ''مجلہ معارف اولیاء'' نے شمارہ ۴ میں رقم کیا ہے کہ ''سرزمین پاک و ہند بالخصوص خطہ پنجاب کو روشنی اور تابندگی عطا کرنے والی ہستی مظہر العلوم الجلیہ والخفیہ منبع فیوض و برکات الشیخ سید علی ہجویری رحمہ اللہ ہیں ... مگر آستانِ گنج بخش کے فیض کو برِصغیر میں روشناس کرا کے عقیدتوں اور محبتوں کے چراغ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ نے فروزاں کئے۔''

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خطہ لاہور میں آباد مخلوق خدا میں سے سب سے پہلے نورِ ایمان رائے راجو کو نصیب ہوا۔ اپنے ہادی و راہنما حضرت شیخ ہجویری رحمہ اللہ سے اسم عبداللہ اور تعلیم و تربیت پا کر اسم بامسمّٰی ہو گیا۔ دشمن اسلام اور داعی اسلام

سے خلوص، وفا اور خدمت گزاری کے سبب شیخ ہندی کے لقب سے ملقب ہو گیا۔ حضرت نے اسی ارادت مند فرزند فرید کو طریقت جنیدیہ ہجویریہ کی بیعت و خلافت کا اہل جان کر شرف بیعت اور خلافت کا منصب عطا فرمایا۔ حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی لاہوری قدس سرہ العزیز، حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے اول خلیفہ ہوئے۔ تقریباً نو سو ساٹھ سال سے حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی اولاد میں مستقیم اخلاف کی صورت میں آج تک آپ کی سجادہ نشینی چلی آرہی ہے۔ خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز گیارہ جنوری ۱۹۶۰ تک مزار گنج بخش رحمہ اللہ کا متولی بھی رہا۔ حسب ذیل یہاں پر حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمہ اللہ کا مختصر تعارف کرا دیا جاتا ہے۔

## حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز

سرتاج اولیاء، سراج صوفیاء حضرت سید علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رحمہ اللہ کے دست مبارک پر کفرستان ہند میں سب سے پہلے صاحب ایمان ہونے کا افتخار، بیعت ہونے کا شرف، محرم راز ہونے کی سعادت، ہمدم و دمساز ہونے کا اختصاص اور خلیفہ و جانشین ہونے کا اعزاز اس خوش نصیب شخصیت کو حاصل ہوا جسے رائے راجو کہا جاتا تھا۔ جو اس وقت نائب حاکم پنجاب اور صاحب اقتدار بھی تھا۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کی ذات بابرکات نے ایک ہی نظر میں رائے راجو کا نام و مقام اور دین و دنیا بدل دی۔ انواع و اقسام کے جھوٹے خداؤں کی بندگی کرنے والے رائے راجو کو وحدت کا پھول سنگھا کر خالق حقیقی کا فرمانبردار بندہ بنا دیا اور اسم مبارک عبداللہ مرحمت فرمایا۔ ان کے ظاہر و باطن سے کفر کی سیاہی دھو کر قلب کو نور ایمان اور جسم کو نورانی خلعت سے نوازا۔ اہل لاہور نے بچشم خود دیکھا کہ مرد مومن کس طرح تقدیر بدلتے ہیں۔ جہالت اور صنم پرستی کی زنجیریں کس طرح ٹوٹتی ہیں۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے اپنے لُطف و کرم اور خصوصی توجہ سے اپنے مُرید خاص حضرت عبداللہ کو قطرے سے دریا بنا دیا اور شیخ ہندی کے لقب سے نوازا۔ صدیوں سے روزانہ صبح داتا حضور رحمہ اللہ کی تُربت مبارک کی زیارت کیلئے چوکھٹ کھلنے سے قبل آپ کے پاؤں کی جانب والی چوکھٹ کے سامنے کھڑے ہو کر مخلوقِ خدا منظوم شجرہ طریقت پڑھتے ہوئے یہ صدا لگاتی ہے۔

شیخ ہندیؒ پر پڑی لُطف و کرم کی جب نظر
کر دیا قطرے سے دریا آپ نے یا گنج بخش"

## رائے راجو کا خاندانی پس منظر

ظہورِ اسلام سے قبل سندھ میں رائے خاندان کے راجاؤں کی حکومت تھی۔ سیدالانبیا ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت سے پہلے سندھ میں اسی خاندان کا راج ایک سو سینتیس سال تک رہا۔ سندھ کی تاریخ میں رائے خاندان کے پانچ راجہ ہو گذرے ہیں۔ رائے ڈیوائج ☆ رائے سیہرس ☆ رائے ساہ سی ☆ رائے سیہرس ثانی ☆ رائے ساہ سی ثانی۔

رائے خاندان کے آخری حکمران راجہ رائے ساہ سی ثانی کی ضعیف العمری اور اس کی بیماری کے سبب اس کی ایک جواں سال خوبرو رانی سوبھن دیوی نے راج پاٹ کے معاملات پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ اس دوران میں رانی پر ایک جواں سال وزیر جس کا نام چچ تھا کے عشق کا بھوت سوار ہو گیا۔ رانی کی فریفتگی جب حد سے بڑھی تو اس نے چچ کو پانے کیلئے ہر حربہ استعمال کیا۔ یہاں تک کہ چچ کو اپنا اور تخت و تاج کا مالک بنانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ رانی نے اپنی خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کیلئے راجہ ساہ سی ثانی، اس کے ورثاء اور رائے خاندان کے دیگر افراد پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ کچھ کو مروا دیا، کچھ کو حیلوں بہانوں سے زندان میں بند کروا دیا، کچھ لوگ اس کے ظلم و ستم سے بچنے کیلئے ملتان کے مضافات میں آباد ہو گئے۔ لاہور میں آباد ہونے والے

اسی رائے خاندان میں سے پانچویں صدی ہجری کا ایک باکمال فرد رائے راجو تھا۔

## رائے راجو کی نائب حاکم پنجاب تقرری

حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کا لاہور میں ورود مسعود جب ہوا۔ تو ان دنوں لاہور اور اس کے گرد و نواح میں رائے راجو کا بڑا چرچا تھا اور وہ بہت بااثر ہر دلعزیز شخص تھا۔ خاص طور پر ہندوؤں میں اس کی شخصیت بہت معروف و معتبر تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر پے در پے سترہ حملوں اور مسلسل فتوحات کے بعد سب کے سب غیر مسلم خوف و ہراس میں مبتلا انتہائی غیر محفوظ اور مایوسانہ زندگی گزار رہے تھے۔ اُن کے دلوں میں مسلمانوں کیلئے سخت نفرت تھی۔ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کی اولاد میں جب اقتدار کے جھگڑے شروع ہوئے تو سلطنتِ غزنویہ کمزور ہونے لگی۔ حکمرانوں نے اقتدار کو محفوظ اور اپنی گرفت مضبوط کرنے کیلئے مفتوحہ علاقوں میں مقامی افراد جو ہندو عوام و خواص میں بااثر تھے، ان کو اعتماد میں لیا۔ اور انہیں کلیدی عہدوں پر فائز کر کے غیر مسلموں کا خوف اور عدم تحفظ کا احساس ختم کرنے کی بھرپور کوششیں کیں تاکہ وہ اپنے اقتدار کو اپنوں و بیگانوں کی ریشہ دوانیوں اور دیگر سیاسی، سماجی اور مذہبی مخالفانہ قوتوں کے اثرات سے بچا سکیں۔

پنجاب کے شہر لاہور میں ایک معروف شخصیت رائے راجو کی تھی جو اس وقت سیاست و نیابت، مذہب و ثقافت، ذہانت و فطانت، حرب و ضرب اور دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ استدراجی قوت میں غیر معمولی کمالات کی حامل تھی۔ رائے راجو ہندوؤں کے مذہبی، سیاسی، ثقافتی، معاشرتی اور معاشی معاملات کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا لباس اور رہن سہن جوگیانہ تھا، ہندو اس سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور اسے نذرانے بھی پیش کرتے تھے۔ اس لئے سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی نظر انتخاب اس پر ٹھہری اور اسے نائب حاکم پنجاب مقرر کیا۔

تمام اوصاف و خصائل کے باوجود رائے راجو توحید سے نا آشنا تھا۔ جب اللہ

تعالیٰ کسی بندے پر مہربان ہوتا ہے تو اُسے اپنے کسی ایک محبوب بندے کے وسیلے سے دعوتِ توحید دیتا ہے اور صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیتا ہے۔ پھر اپنے مقرب و پیارے بندے کا قرب نصیب فرماتا ہے، یہ قرب اُسے خدمت کی راہ دکھاتا ہے، خدمت اور صحبت کی برکت سے وہ خود بھی مقربِ خدا ہو جاتا ہے۔ رائے راجو جب اس عمل سے گزرا تو شیخ ہندی بن گیا اور اپنے ہادی و مخدوم مُرشدِ مکرم سیّدنا حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کے خصوصی فیض سے پائندہ و تابندہ ہو گیا۔

## وصال و مزارِ شیخ ہندی رحمہ اللہ

حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز نے ایک سو تیس سال عمر پائی۔ آپ کی ابدی آرام گاہ اپنے پیر و مرشد حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے ہشت پہلو آستانہ عالیہ سے چند فٹ کے فاصلہ پر جانبِ مشرق غُلام گردش میں موجود ہے۔ خواتین عقیدت مند زائرین کے پردہ کے پیشِ نظر جب احاطہ خواتین پُختہ چار دیواری سے محفوظ کیا گیا تو مزار شیخ ہندی رحمہ اللہ اس احاطہ میں چلا گیا جس سے خانوادہ حضرت شیخِ ہندی اور دیگر عقیدتمنداں کو روزانہ چادر پوشی، گُل پاشی اور بر مزارِ شیخِ ہندی رحمہ اللہ فاتحہ خوانی سے محروم کر دیا گیا۔ بعد ازاں اولاد شیخ ہندی رحمہ اللہ اور دیگر عقیدتمنداں کے پُر زور اصرار پر تیس اپریل ۱۹۹۵ء کو احاطہ خواتین کی جنوبی دیوار جو حضرت شیخِ ہندی قدس سرہ العزیز العزیز کے پاؤں کے قریب موجود تھی، ہٹا کر آپ کے سرہانے کی طرف بنا دی گئی، جس کے اخراجات خانوادہ حضرت شیخ ہندی نے اُٹھائے۔ آپ کا مزار مبارک اب مردانہ حصہ میں جلوہ افروز ہے۔ آپ کا سالانہ عُرس مبارک قمری کیلنڈر کے مطابق ۴ ربیع الاول شریف کو احاطہ مزار گنج بخش پر منعقد ہوتا ہے۔

اسلام قبول کرنے سے قبل رائے راجو کو جوگیانہ رنگ و روپ میں رہنے سہنے اور سید ہجویری رحمہ اللہ کے سامنے استدراجی قوت کا مظاہرہ کرنے کی بنا پر تذکرہ نویس اور مضمون نگار اُسے جوگی بھی لکھتے ہیں۔

حضرت شیخِ ہندی قدس سرہ العزیز کے ارشادات و فرمودات بہ روایت خانوادہ حضرت شیخِ ہندی درج ذیل ہیں۔

## ارشاداتِ شیخِ ہندی رحمہ اللہ

موت اُن کو آتی ہے جو عشقِ حق سے بے بہرہ ہوں ☆ حصولِ توحید کا ذریعہ محبتِ رسول ﷺ ہے ☆ صرف وہی لوگ آپس میں بھائی بھائی ہو سکتے ہیں جو ایک ہی محبوبِ حقیقی کی محبت سے سرشار ہوں ☆ نفرت فقراء کے قریب نہیں آتی اور محبت کبھی ان سے جُدا نہیں ہوتی ☆ ہر وہ عمل جس سے توحید کا پرچار ہو جہاد ہے ☆ زندگی کے جسم میں خدمتِ خلق خون کی مانند اور خدمتِ مُرشد بمنزلہ روح ہے ☆ بے شک مُرشدِ کامل مُرید کیلئے درد کا درماں ہے ☆ دشمنِ خدا کے سامنے سر اٹھا کے چلو مگر اولیاء اللہ کے حضور عقیدتوں کے نذرانے پیش کرو ☆ مزاراتِ اولیاءِ حق کے گلستان ہیں جن سے گلہائے توحید کی خوشبوئیں اُٹھتی رہتی ہیں ☆ انبیاء علیہم السلام کی معصومیت ہی توحیدِ حق کی سب سے بڑی دلیل ہے ☆ عورت کو عزت دو کہ وہ تمہاری نسلوں کی امین ہے ☆ قرانِ کریم اور اقوالِ رسول ﷺ ہی اعمالِ مومن کی بنیاد ہیں ☆ جس نے اللہ جل جلالہٗ کو پہچان لیا، اُس سے کائنات کی کوئی چیز مخفی نہیں رہتی ☆ جوشِ انتقام خودغرضی ہے ☆ غصہ کی آگ پر صبر کا پانی ڈالو ☆ عیب جو اور خوشامدی شخص کا مقدر ذلت و رسوائی ہے ☆ اعمالِ صالح کی قبولیت رزقِ حلال میں ہے ☆ فرض کی ادائیگی پر حقوق کا در کُھلتا ہے ☆ علم و عمل باہم حلیف ہیں ☆ جہالت و کفر باہم قریب ہیں ☆ عجز و انکساری میں عظمت ہے ☆ محنت اور محبت کا رنگ گہرا ہوتا ہے ☆ پہلے فرض ادا کر پھر حق کی بات کر ☆ نیکوکار کی دل کھول کر ستائش کرو یہ خوشامد نہیں ☆ بے عمل کسی انعام کا حق دار نہیں ☆ مال و زر سے محروم کو غریب نہیں کہتے اور بخیل کو کبھی امیر نہیں کہتے ☆ صبر دُکھ درد کی قبر ہے۔

## سبیلِ دُودھ کی حقیقت

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ کے مسکن سے قریب ایک گزرگاہ پر بوڑھی گوالن معمول کے مطابق رائے راجو کو دُودھ کی نذر پیش کرنے جا رہی تھی۔ جب وہ آپ کے قریب سے گزری تو آپ نے اُس سے دُودھ طلب کیا۔ بڑھیا نے انکار کیا، اس پر آپ نے اُسے دُودھ کی منہ مانگی قیمت دینے کی پیشکش کی۔ گوالن نے خوفزدگی کے انداز میں معذوری ظاہر کی اور بتایا کہ یہ دُودھ رائے راجو کی نذر کا دُودھ ہے اور اُسے دینے جا رہی ہوں۔ اگر یہ آپ کو دے دیا تو میرے مال مویشیوں کو نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی گوالہ وقت مقررہ پر اُسے نذر پیش نہ کرے تو اس کے مویشیوں کے تھنوں میں دُودھ خشک ہو جاتا ہے اور بعض اوقات دودھ کی بجائے خون آنا شروع ہو جاتا ہے اور مویشی ہلاک ہو جاتے ہیں۔

حضرت شیخ ہجویری رحمہ اللہ کا گوالن سے دُودھ طلب کرنا، دراصل اسلام کی تبلیغ کیلئے صوفیانہ انداز میں عوامی رابطہ کی ایک کوشش تھی، دُودھ کی طلب تو محض ایک حیلہ تھا۔ لہذا حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے مومنانہ، مبلغانہ اور مشفقانہ طریقے سے گوالن بڑھیا کے باطل اعتقادات کا محاسبہ اور سحر و استدراج کے خوف کو دور کیا اور اسے اطمینان دلایا کہ تمہارے مال و جان کا مالک و محافظ اللہ جل جلالہ ہے نہ کہ رائے راجو۔ اب تم مجھے دودھ دو یا نہ دو! اللہ کے فضل و کرم سے آج سے تمہارے مال اور مویشیوں میں برکت و افزائش ہو گی۔ گوالن نے آپ کی پُر اثر باتیں سُنیں تو خوف کی کیفیت سے نکل آئی، آپ کی خدمت میں دُودھ پیش کر کے مطمئن واپس لوٹ گئی۔ گوالن نے اگلے وقت کا دودھ دھونا شروع کیا تو اسمیں ازحد فراوانی پائی۔ حضرت شیخ ہجویری رحمہ اللہ کی کرامت کا شہرہ ہر سو پھیل گیا۔ اس کرامت کے بعد گوالن، اس کے ہمسائے اور قرب و جوار کے لوگ رائے راجو کے خوف کے اثرات سے نیم آزاد ہو گئے۔ گوالوں نے دودھ حضرت شیخ ہجویری رحمہ اللہ کی خدمت میں نذر کرنا شروع کر دیا

، جب رائے راجو کو اس کا علم ہوا تو اس نے اپنی استدراجی قوت کے بل پر حضرت رحمہ اللہ کو مغلوب کرنے کی کوشش کی، مگر حضرت نے اپنی کرامات کے ذریعے اسے زیر کر کے حق آشنا کر دیا۔ مسلمان کرنے کے بعد رائے راجو کا نام "عبداللہ" رکھا شیخ ہندی کے لقب سے سرفراز کیا اور خلافت عطا فرمائی۔ اس کے بعد گوالوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اس واقعہ کی یاد میں تب سے اب تک گوالوں کی طرف سے روزانہ، ہفتہ وار اور ماہانہ دُودھ کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ سالانہ عرس مبارک داتا گنج بخش رحمہ اللہ ۱۸، ۱۹، ۲۰ صفر کے موقع پر جُملہ گجر برادری نذر دودھ اس قدر وافر پیش کرتی ہے کہ اس کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے، اسی لئے گجر برادری اپنی طرف سے سبیل دودھ کا خصوصی انتظام کرتی ہے اور عقیدتمندانِ گنج بخش رحمہ اللہ کو شب و روز خالص دودھ پینے کی دعوتِ عام ہوتی ہے۔ ۱۹۶۰ء سے قبل سبیل دودھ کا انتظام سجادہ نشین و متولیان درگاہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی سرپرستی میں ہوتا تھا۔ ۱۹۶۰ء کے بعد سبیل دودھ کا انتظام کرنے کا اعزاز گجر برادری کے معزز اراکین چودھری محمد صدیق صاحب مرحوم، چودھری محمد علی صاحب اور چودھری محمد ریاض صاحب کو مختلف اوقات میں الگ الگ حاصل ہے۔ ان کے علاوہ یہ اعزاز میاں شجاع الرحمن صاحب مرحوم میئر لاہور میٹروپولیٹن کارپوریشن باتعاون میاں محمد لطیف صاحب یکے از فرزندان شیخ ہندی رحمہ اللہ کو بھی حاصل رہا ہے۔

## احمد حمادی سرخسی، ابو سعید ہجویری رحمہم اللہ

چند تذکرہ نگاروں نے حضرت احمد حمادی سرخسی اور حضرت ابو سعید ہجویری رحمہم اللہ کو بھی آپ کا خلیفہ ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ جو کہ دُرست نہیں۔ حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں مشائخ خراسان کے ذکر میں رقم فرمایا ہے کہ

"حضرت خواجہ احمد حمادی سرخسی مُبارزِ وقت (ہر دم مقابلہ کیلئے تیار بہادر

آدمی) ایک عرصہ تک میرے ساتھی رہے ہیں، میں نے ان کے معاملات عجیب وغریب دیکھے ہیں۔ آپ مردانِ طریقت میں سے تھے۔''

کشف المحجوب میں نکاح و تجرد کے آداب میں فرمایا کہ'' حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی رحمہ اللہ جو ماوراء النہر میں میرے رفیق اور صاحب مرتبہ برگزیدہ بندے تھے۔

ان سے لوگوں نے سوال کیا کہ کیا آپ کو نکاح کی ضرورت پیش آئی؟ فرمایا نہیں! پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ میں اپنے احوال میں حاضر ہوتا ہوں یا غائب، جب غائب ہوتا ہوں تو دونوں جہان یاد نہیں ہوتے اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس کو اس طرح قابو رکھتا ہوں کہ اگر اس کو ایک روٹی مل جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ ہزار حوریں مل گئیں۔ دل کی مشغولیت بہت بڑا کام ہے جس طرح چاہو اسے رکھو۔''

کشف المحجوب میں ایثار کی بحث میں فرمایا کہ'' میں (علی بن عثمان) نے شیخ احمد حمادی سرخسی سے پوچھا کہ آپ کو ابتداء میں توبہ کی توفیق کس طرح ملی، انہوں نے فرمایا ایک دفعہ میں اپنے اونٹوں کو لے کر سرخس سے نکلا اور ایک جنگل میں جا ٹھہرا، عرصہ تک وہیں رہا۔ ہمیشہ سے میری یہ خواہش رہی ہے کہ خود بھوکا رہوں اور اپنا حصہ دوسروں کو دے دوں ...(اس دوران ایک شیر کے ایثار کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا!) میں دور سے یہ نظارہ کر رہا تھا۔ جب شیر واپس جانے لگا تو فصیح زبان میں مجھ سے مخاطب ہوا، احمد! ایک لقمے کا ایثار تو کتوں کا کام ہے، مردانِ راہِ حق تو اپنی جان و زندگی قربان کر دیتے ہیں۔ میں نے یہ واضح برہان دیکھی تو دنیا کی مشغولیت سے ہاتھ کھینچ لیا، یہ تھا میری توبہ کا ابتدائی واقعہ''۔

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی رحمہ اللہ ایک بلند مرتبہ صوفی بزرگ تھے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے آپ کی شان بیان کی ہے اور آپ کو اپنا رفیق بتایا ہے۔ اپنا مرید و خلیفہ نہیں بتایا۔ آپ کے ذکر میں ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ شیخ ہجویری

رحمہ اللہ کے زندگی میں ہی وصال فرما چکے تھے۔ کشف المحجوب کی داخلی شہادت کے مطابق حضرت ابو سعید ہجویری اور حضرت سیّد علی ہجویری رحمہم اللہ ہم وطن تھے اور حضرت کے ساتھ ہی وارد لاہور ہوئے۔ آپ کے استفسار پر کشف المحجوب تصنیف ہوئی۔

راقم الحروف کے جد اعلیٰ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کے خانوادہ کی روایات میں حضرت شیخ احمد حمادی سرخسی اور حضرت ابو سعید ہجویری رحمہم اللہ دونوں بزرگ حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کے پیر بھائی تھے اور حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز آپ کے واحد مُرید و خلیفہ تھے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے بھی متذکرہ بزرگوں کو حضرت کا پیر بھائی قرار دیا ہے۔

مولانا محمد مقصود احمد چشتی قادری خطیب جامع مسجد ہجویری داتا دربار، صوبائی خطیب محکمہ اوقاف پنجاب کی تصنیف ''مختصر سوانح حضرت داتا گنج بخش'' میں تحریر ہے کہ ''حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے اپنی کرامات سے رائے راجو کو زیر کر کے اسے مسلمان کرلیا اور آپ کا نام ''عبداللہ'' رکھا ''شیخ ہندی'' لقب دیا اور خلافت عطا فرمائی، ان کے مسلمان ہونے کے بعد لوگ جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔''

جسٹس ڈاکٹر مُنیر احمد مُغل صاحب نے ماہنامہ گنج بخش اکتوبر ۱۹۹۵ء میں تحریر کیا ہے کہ ''رائے راجو زمین تے آیا تے حضرت علی بن عثمان دے پیر پھڑ لیے۔ کہن لگا تیرا رب سچا تے میں جُھوٹھا، مینوں معاف کر دیو۔ آپ نے معاف کیتا تے کہن لگا اپنا بنا لوو۔ آپ نے کلمہ پڑھایا، اوہنے سچے دل نال پڑھیا۔ آپ نے اوہدا اسلامی نام عبداللہ رکھیا۔ حضرت نے اپنی نظرِ کرم نال ایناں نوازیا کہ ولایت دے درجے تے پہنچا دِتا، شیخ ہندی بنا دتا، خلافت وی بخشی۔ اونہاں دی اولاد اج تک درگاہ حضرت داتا گنج بخش دی متولی تے سجادہ نشین ٹُری آندی اے۔ میں سوچ دا ہاں کہ رائے راجو دی قسمت کفر وچ وی گورنری لے گئی تے اسلام وچ وی ولایت پا گئی۔''

اُمراء بر درِ فقراء از محمد انور قمر شرقپوری ص ۱۰۵ پر لکھا ہے کہ

"رائے راجو حضرت سیّد علی ہجویری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی حضور معاف فرما دیں اور مجھے دائرۂ اسلام میں داخل کر لیں۔ آپ نے اُسے دریائے راوی میں غسل کرایا اور کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اس کا نام راجو کی بجائے عبداللہ رکھا۔ پھر یہی عبداللہ بیعت ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا اور اپنی بقیہ پوری زندگی آپ کی خدمت میں رہ کر گزارنے کا عزم کیا۔ حضرت نے جب اس کی عقیدت و محبت اور خلوص سے بھری ہوئی جھولی دیکھی تو اُسے ہمیشہ کیلئے گلے سے لگالیا، خلافت دی؛ شیخِ ہندی کا لقب عطا فرمایا اور دُعا دی کہ میرے وارث تُم اور تُمہاری اولاد ہو گئی۔"

مخدوم الامم حضرت داتا گنج بخش" از محمد تسیم عباسی: ۱۳،۱۱

"رائے راجو (گورنر لاہور) آپ کے دستِ مبارک پر مسلمان ہوا اور اس نے ساری زندگی آپ کے آستانہ پر گزار دی، آپ نے اسے شیخِ ہندی کا لقب دیا۔ حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کے سابق مجاورین انہی حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کی اولاد میں سے ہیں۔ کتابوں میں تحریر ہے کہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز آپ کے خلیفہ اور ابو سعید ہجویری و حماد سرخسی رحمہ اللہ علیہا آپ کے اصحاب تھے۔"

اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا از زاہد حسین انجم ص ۱۸۶۴ پر لکھا ہے۔

کہ "حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز، حضرت سیّدنا علی ہجویری رحمہ اللہ کی تعلیمات کے نتیجہ میں اسرارِ حقیقت اور رُموزِ شریعت سے بہت جلد بہرہ ور ہو گئے۔ کبری سنی کے باوجود ریاضت و مجاہدہ اور ذکر و فکر سے ولایت کے درجے پر جا پہنچے اور حضرت سیّدنا علی ہجویری رحمہ اللہ کے واحد خلیفہ تسلیم کئے گئے۔ سو برس سے اوپر کی عمر میں انتقال فرمایا، آپکا مزار احاطہ دربار داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے اندر واقع ہے۔"

آسان کشف المحجوب (تسہیل) از جی آر اعوان ص ۲۷ میں درج ہے۔

"کرامت دیکھ کر جوگی آپ کے قدموں میں گر گیا اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ آپ کی نظرِ عنایت نے اس کی ظاہری و باطنی حالت بدل دی۔ آپ نے جوگی کو

بیعت کیا، اِس کا نام عبداللہ رکھا جبکہ لقب شیخ ہندی عطا فرمایا۔ یہی شیخ ہندی آپ کے مُرید اور خلیفہ مجاز ہیں۔"

تذکرہ عظیم اولیائے پاک و ہند از محمد یاسین قصوری نقشبندی "حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ سے اوّلین فیض یافتہ شخص رائے راجو تھا۔ جسے آپ نے اسم عبداللہ لقب شیخ ہندی اور خلافت سے معظم و مکرم فرمایا۔ اس دور کے نامساعد حالات میں مُرید کی وفاؤں اور مُرشد کی عطاؤں کے حوالوں سے بھی حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز قابلِ صد احترام ہیں"۔

گلزارِ صوفیاء از عالم فقری میں رقم ہے کہ "حضرت عبداللہ قدس سرہ العزیز نے ہمہ وقت آپ کی صحبت اور خدمت کا شرف حاصل کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی خصوصی توجہ سے اسلامی تعلیمات اور رُوحانیت کی منازل طے کر لیں۔ بڑھاپے کے باوجود عبادت و ریاضت میں از حد مشغول رہتے۔ حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے انہیں خوبیوں کی بنا پر حضرت عبداللہ کو بیعت و خلافت اور شیخ ہندی کا لقب عطا فرمایا اور اپنے قُرب میں ایک خاص مقام عطا کیا"۔

پروفیسر غلام سرور رانا صاحب نے اپنی تصنیف "احوال و آثار حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ" کے ص ۳۱۰ اور تذکرہ "حضور قبلہ شیخ ہندیؒ" میں بالتفصیل حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کو حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا واحد مُرید و خلیفہ قرار دیا ہے۔

کفرستانِ ہند میں جہاں حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے لوگوں کو کلمہ توحید پڑھایا اسلام سے رُوشناس کرایا ایمان کے ارکان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست فرمایا تاکہ کفر و جہالت کا خاتمہ ہو سکے۔ اس ابتدائی دور میں نومسلموں کو طریقت و شریعت کے اسرار و رموز سمجھنا، تصوف کی راہ پر چلنا اور طریقت میں بیعت ہونے کی شرائط و اہلیت پورا کرنا اُس وقت اُن کیلئے آسان نہ تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ اپنی تصنیف کشف المحجوب میں صوفیاء کے لباس کے ذکر میں گدڑی پہننے اور مجاہدہ طریقت سے نسبت قائم کرنے کا دستور مشائخ بیان کیا ہے۔

## مشائخ طریقت کا دستورِ بیعت

"مشائخ طریقت کا دستورِ بیعت ہے کہ جب کوئی ان سے تعلق نسبت قائم کرنا چاہتا ہے تو شیخ طریقت اُس کو آزمائشی طور پر تین سال تک ادب کے معنیٰ کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایک سال خدمت خلق دوسرے سال اطاعت حق اور تیسرے سال اپنے دل کی نگہداشت اور حفاظت میں بسر کرنا۔

## خدمت خلق سے مُراد

"سالک اپنے آپ کو خادم اور ساری مخلوق کو مخدوم سمجھے، یعنی بلا امتیاز ہر شخص کو اپنے آپ سے بہتر جان کر خدمت کرے بلکہ اس خدمت کو اپنے لئے واجب سمجھے اس خدمت کی وجہ سے خود کو دوسروں سے افضل و اعلیٰ نہ جانے کیونکہ اس میں بڑا نقصان، کھلا ہوا زیاں کاری ہے، یہ آفاتِ زمانہ میں سے اور لاعلاج مرض ہے۔"

## اطاعت حق سے مُراد

"اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اس وقت ممکن ہے جب سالک دُنیا و آخرت کی تمام خواہشات و لذات سے منہ موڑ کر خالصتاً اللہ تعالیٰ کی ذات کی پرستش کرے یعنی عبادت کسی اور مقصد کے حصول کیلئے نہ ہو، کیونکہ بندہ جب گناہوں کے کفارے یا حصول درجات کی خاطر عبادت کرتا ہے تو وہ درحقیقت خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر رہا ہوتا۔ جب عبادت کا معاملہ یہ ہے تو معاملات دُنیا کا ذکر ہی کیا۔"

## دل کی نگہداشت سے مُراد

"دل کی حفاظت اُس وقت ممکن ہے جب سالک اپنے دل کو مضبوط کر کے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے مختلف ارادے، خواہشات اور غم و افکار سے خلاصی حاصل کر چکا ہو۔ مقام حضوری میں اس سے کسی قسم کی غفلت اور لاپرواہی ظاہر نہ ہو۔"

"تین سال کے اس ابتدائی آزمائشی دور میں جب طالب کامیابی سے گزرے

اور تعلیم کیے گئے ادب کے معانی کو اپنے اندر جذب کر لے تو درست ورنہ اسے طریقت کیلئے نااہل سمجھا جاتا ہے"۔

حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ یقیناً خود بھی اس آزمائش سے گزرے اور اس پر کاربند بھی رہے۔ آپ نے صرف مرید ہونے کی شرائط بیان نہیں کیں بلکہ ایک حقیقی مُرشد کے اوصاف اور پہچان بھی اسی جگہ بیان کی ہے تاکہ نام نہاد صوفیاء و مشائخ اور شعبدہ باز قسم کے لوگوں کی غلامی اور شر سے سادہ لوح عوام کو بچایا جا سکے۔

## حقیقی مُرشد کی پہچان

"شیخ طریقت خود مستقیم الاحوال ہونا چاہیے۔ طریقت کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ اور احوال کی لذت اور اعمال کے طریقوں سے اچھی طرح باخبر ہو۔ قہر جلال اور لطفِ جمال سے آشنا ہو۔ مُرید کے احوال سے بھی باخبر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو، سالک راہِ سلوک میں کہاں تک چل سکے گا اس کی بصیرت بھی رکھتا ہو جن لوگوں کا راہِ طریقت سے واپس آ جانے کا خطرہ ہو ان لوگوں کو مرید نہ کرنا چاہیے، جن کے متعلق کسی ایک مقام پر ٹھہر جانیکا اندیشہ ہو تو اُنہیں آگے بڑھانے کی کوشش کرنا چاہیے اور جو بلند ہمت منزلِ مقصود تک پہنچ جانے والے ہوں تو ان کی حفاظت اور تربیت کرنے والا ہو کیونکہ مشائخ طریقت دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔ اگر طبیب کو مریض کا مرض ہی معلوم نہ ہو تو وہ اُس کا علاج کیا کرے گا۔ اُلٹا اپنے نسخوں سے اُلٹا اُسے نقصان پہنچائے گا یا ہلاک کر دے گا۔" درج بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مُرشد اور مُرید کی اہلیت، اُن کے درمیان تعلق نسبت اور بیعت و خلافت کے تقاضے پورا کرنا جان گھلا دینے والا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بیعت کا عمل نہ ہونے کے برابر رکھا۔ سوائے خصوصی نظرِ کرم جو حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز پر کی گئی جن کو سلسلہ طریقت ہجویریہ میں بیعت ہونے والے ارادتمند کی صلاحیت و اہلیت کو کشف المحجوب میں بیان کردہ معیار کے مطابق پرکھنے اور شرائط بیعت کی سختی سے پابندی کرنا

لازم فرمایا۔ حضرت کے وصال کے بعد راقم کے جد اعلیٰ اور خانوادہ کے دیگر بزرگوں نے حضرت کے حکم کے مطابق اُن کے قائم کردہ معیار کی پوری طرح پابندی فرمائی اور دس صدیوں کے دوران خانقاہی نظام میں حالات و وسائل میسر ہونے کے باوجود سلسلہ طریقت جنیدیہ ہجویریہ میں رسمی بیعت سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ یہی سبب ہے کہ سلسلہ ہجویریہ خانوادہ حضرۃ شیخِ ہندی قدس سرہ العزیز کے ایک خاص حلقہ تک محدود اور مستقیم اخلاف کی صورت میں موجود ہے۔

☆☆☆

ارشادِ گنج بخش رحمہ اللہ

"صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر حق کے ساتھ باقی ہو۔ طبعی خواہشات اور ان کے تصرف سے آزاد ہو کر حقیقت الحقائق کے ساتھ واصل ہو گیا ہو۔ متصوف وہ ہے جو مجاہدے کے ذریعے صوفیت کے مقام کیلئے کوشاں ہو اور حقیقت کی تلاش میں اپنے آپ کو صوفیاء کے طریقے پر کاربند رکھتا ہو۔ متصوف وہ ہے جو دنیاوی مال کے حصول اور جاہ و مرتبہ کے لالچ میں صوفیاء کی نقالی کر رہا ہو۔ الغرض صوفی صاحب حصول ہوتا ہے۔ اور متصوف صاحب اصول اور متصوف صاحب فضول (راہ حق سے دور اور جدا) ہوتا ہے"۔

☆☆☆

## دسواں باب

# تبرکات و نوادرات کا خزینہ

زمانہ قدیم سے یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ اولیاء کرام اور بزرگان دین کی خدمت میں یا اُن کے مزارات پر اپنی اپنی عقیدت اور ظرف و استطاعت کے مطابق صاحبانِ تخت و تاج و مشاہیرِ سماج، زمیندار و جاگیردار، صاحبان علم و ادب اور صنعت و حرفت، صاحبانِ کھیت و کھلیان اور تاجران متوقع یہ متوقع جاگیروں، جائدادوں، تخلیقی شاہکاروں، کسب و ہنر کی اولین پیداواروں اور مال و زر کے انباروں کا ہدیہ حصولِ فیض و برکت کیلئے پیش کرتے رہے ہیں۔ ان نذرانہ جات میں سے خرچ نہ ہونے والا صدیوں کا جمع شدہ محفوظ اور موجود اموال ذخیرہ صاحبانِ مزارات کے متبرک نوادرات، قرآن و حدیث، شریعت و طریقت، علم و ادب اور دینی و مذہبی موضوعات پر لکھی بے شمار کُتب ہیں جو وقتاً فوقتاً قلمی نُسخوں یا ان کی نقول مطبوعہ و غیر مطبوعہ صورت میں نذر کی جاتی رہیں اور خواص کو ان کی زیارت سے مشرف کیا جاتا رہا۔

## تبرکاتِ داتا گنج بخش اور شیخِ ہندی رحمہم اللہ

مزارِ گنج بخش پر ایک توشہ خانہ نادر و نایاب اور متبرک خزینہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تبرکاتِ گنج بخش رحمہ اللہ جس میں جُبہ و دستار مبارک، آپ کے استعمال کردہ چند برتن، کنگھا، لاٹھی، تلوار، مسلّہ اور ایک چوبی صندوقچہ تھا۔ اس کے علاوہ حضرت کے اپنے ہاتھوں تعمیر کردہ مسجد کا چوبی دروازہ جو بعد ازاں شہادت مسجد کے وقت محفوظ کر لیا گیا تھا۔ وہ درخت جو آپ کے حُجرہ مبارک کے قریب مغربی جانب سایہ فگن تھا، آپ اکثر اس سے ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوتے اور رُشد و ہدایت سے متعلقین کو

کو خدا پرست بناتے ۔ بوقت اولین توسیع مزار گنج بخش رحمہ اللہ جب یہ درخت کاٹا گیا تو اس کے ٹکڑے متولیانِ مزار نے توشہ خانہ میں محفوظ کر لئے ۔ جامع مسجد ہجویری میں وقتاً فوقتاً استعمال ہونے والے چند چوبی منبرِ مسجد اور وہ خوبصورت چوبی جالیاں جو حضرت کے ہشت پہلو آستانہ کے آٹھوں دروں میں نصب تھیں، جب آستانہ شریف کو سنگ مرمر سے مزین کیا گیا تو جالیاں بھی سنگِ مرمر کی بنا دی گئیں اور چوبی جالیاں توشہ خانہ میں محفوظ کر لی گئیں ۔ دیگر کئی تبرکات کے علاوہ آپکے جانشین و خلیفہ حضرت عبداللہ المعروف شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کے متعدد تبرکات جن میں آلاتِ حرب و ضرب اور آپ کے مستقیم اخلاف اور خانوادہ کے دیگر کئی ایک بزرگوں کے تبرکات بھی توشہ خانہ میں محفوظ تھے ۔

## نوادرات

قدیم نادر و نایاب قرآن پاک، تفاسیر، احادیث، تصوف اور دیگر دینی و علمی کتب کے قلمی و طبع شدہ نسخے اوردرگاہ شریف سے منسلک وقف املاک کی سندات و دستاویزات ، خانوادہ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کے بعض فرزندانِ جلیلہ کی وزارتی سفارتی اور قاضی کے مناصب پر تقرری کے کاغذات ۔ سجادہ نشینانِ گنج بخش رحمہ اللہ اور متولیوں کی دینی و ملی اور مزارِ گنج بخش رحمہ اللہ کی خدمات کے اعتراف میں مختلف ادوار کے شاہانِ وقت کی جانب سے دیئے گئے اعزازات، تمغات و اسناد اور خلعتیں بھی اس توشہ خانہ میں موجود تھیں جو وقتاً فوقتاً شاہانِ وقت سے ملتی رہیں ۔۱۹۱۱ء میں برطانوی شاہی دربار دہلی میں تاجدارِ برطانیہ ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے دی گئی خلعت جو قیامِ پاکستان کے فوراً بعد عجائب گھر لاہور کے منتظم کی درخواست پر عجائب گھر کے نوادرات میں شامل کر دی گئی جو ایک عرصہ تک ایک شوکیس میں آویزاں رہی ۔

" تحقیقاتِ چشتی " از نور احمد چشتی مصنفہ ۱۸۶۴ء میں مزارِ گنج بخش رحمہ اللہ پر موجود غیر معمولی قرآن پاک اور دستاویزات کا مختصر ذکر موجود ہے جو درج ذیل ہے ۔

''ایک قرآنِ مجید نواب دکن (نظام حیدر آباد) علاء الدولہ جعفر خاں نصیری بہادر ناصر جنگ کا نذر کردہ موجود ہے جس کے ہر سیپارہ کے آخر میں درج تحریر سے معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب نے اس قرآن پاک کی ہمہ وقت تلاوت کیلئے تین قاری مقرر کئے تھے، یہ قرآنِ حکیم رئیس مقام و مجاور روضہ قدوۃ الاولیاء مخدوم علی ہجویری رحمہ اللہ کی تولیت میں ۱۱۳۷ھ / ۲۴ ۱۷ء کو دیا گیا تھا... ایک گز طول اور دس گرہ عرض کے سات قرآنِ شریف جن لوگوں نے نذر کئے ان کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور فتح کرنے پر وہاں سے مزار گنج بخش پر بھیجا، تب سے یہاں رکھا ہوا ہے۔ ۲۔ شیخ غلام محی الدین صوبیدار کشمیر پدر نواب شیخ امام الدین نے۔ ۳۔ میاں صمد کشمیری تاجر و سوداگر پشمینہ ساکن امرتسر نے۔ ۴۔ میاں غلام یسین خوش نویس لاہوری نے مختلف اوقات میں قرآن پاک نذر کئے۔ ۵۔ بہاری خط میں مشک سے تحریر شدہ، بہت قدیم ہے نذر کرنے والے کا حال معلوم نہیں۔ ۶۔ ملتان کے نواب نے خطِ ملتان میں قرآن مجید نذر کیا۔ ۷۔ ایک قدیم قرآن حکیم خط ثلث میں لکھا درگاہ شریف پر موجود ہے اور رحلوں پر (زیارت کیلئے) پڑے ہیں۔ چار قرآن شریف دس گرہ طول کے بھی موجود ہیں۔ ایک قرآنِ پاک امیر بخش کا نذر کیا موجود ہے۔ کئی بادشاہوں اور حاکموں نے درگاہ داتا گنج بخش کے نظام و انصرام کیلئے مختلف اوقات میں جو نذرانے، عطیات اور معافیات جاری کیں وہ اور دیگر فرامین شاہی اور اسناد درگاہ شریف پر متولیوں کے پاس محفوظ ہیں۔''

رائے بہادر کنہیا لال مصنف ''تاریخ لاہور'' ۱۸۸۴ء میں لکھتا ہے کہ ''شاہان سلف بھی کمال ادب اس مزار کا کرتے تھے، ان میں سے سلطان ابراہیم غزنوی متوفی ۱۰۹۹ء اور سلطان شمس الدین التمش متوفی ۱۲۳۵ء کے ہاتھوں لکھے ہوئے قرآن شریف اس مزار پر موجود ہیں۔''

میاں محمد دین کلیم قادری نے ''تذکرہ داتا گنج بخش'' میں حضرت خواجہ معین

شیرازی اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر متوفی ۱۷۰۷ء کے ہاتھوں کے لکھے قرآنِ مجید اور ایک محمد خان جھٹہ کا احمد نگر سے درگاہ شریف پر نذر کردہ قرآنِ پاک کا اضافہ کیا ہے۔

۱۸۹۰ء تک درگاہ شریف پر ان تبرکات اور نوادرات تک رسائی ممکن تھی۔ ایک بار توشہ خانہ کا چابی بردار با اعتماد ملازم جب خُرد بُرد کرتا پکڑا گیا تو ان تک رسائی ممکن نہ رہی اس لئے کہ خانوادۂ حضرت شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کے متفقہ فیصلہ کے مطابق توشہ خانہ کو ایک کی بجائے تین تالے لگا دیئے گئے جن کی چابیاں تین مختلف افراد، دو افرادِ خانہ اور ایک ملازم کے سپرد کر دی گئیں۔ چند غیر معمولی لمبائی چوڑائی کے قرآنِ پاک درگاہ شریف کے شمال مغربی کونے میں ایک کمرے میں زیارت کیلئے رکھ دیئے گئے۔ یہ تمام تبرکات و نوادرات درگاہ عالیہ محکمہ اوقاف کے قبضہ میں آنے (۱۹۶۰ء) تک درگاہ شریف پر موجود اور محفوظ تھے۔

"تاریخ لاہور" از جج سید محمد لطیف ۱۸۹۲ء میں مکمل ہوئی اور اس میں مزارِ گنج بخش کے متعلق تفصیلات میں درج ہے کہ ''مقبرے کی انتہائی دلچسپ اشیاء میں ہندوستان کے مختلف بادشاہوں اور نوابوں کے پیش کردہ قرآنِ پاک کے قدیم نسخے بھی ہیں جن کو اب محفوظ کر لیا گیا ہے اور یہ مزار کے متولیوں کے قبضہ میں ہیں۔ ان میں زیادہ تر فنِ خطاطی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔''

مندرجہ بالا نوادرات تو وہ ہیں جو ایک زمانے میں درگاہ شریف پر تلاوت و زیارت کیلئے کھلے رکھے ہوئے تھے۔ لیکن جو تبرکات و نوادرات تاریخ نویسوں، تذکرہ نگاروں کی آنکھوں سے اوجھل رہے اُن کا ذکر کتابوں میں نہ آسکا۔

۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف نے درگاہ عالیہ کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد ان تبرکات و نوادرات کا ذخیرہ دریائے راوی میں غرق کر دیا اور لکڑی کے جملہ تبرکات و نوادرات بشمول درخت کی محفوظ کی ہوئی لکڑی کو کاٹھ کباڑ کی حیثیت دیتے ہوئے درگاہ شریف پر لنگر کی پکوائی میں بطور ایندھن استعمال کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ سانحہ ایسے

نااہل اور بدعقیدہ ناظم اوقاف داتا دربار کے حکم سے ہوا۔

الحاج میاں محمد رحمہ اللہ یکے از فرزندان شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کو اس ناقدری اور بے حرمتی کی اطلاع اُس وقت ملی جب نوادرات و تبرکات کا غالب حصہ بھسم ہو چکا تھا اور صرف چند چوبی جالیاں اور درخت کے کچھ ٹکڑے ابھی باقی تھے۔ میاں صاحب مرحوم نے اپنی ذاتی کوشش سے یہ بچے کھچے تبرکات داتا دربار اوقاف کے ملازم انچارج کو ہم وزن متبادل ایندھن فراہم کر کے حاصل کر لئے اور اپنے پاس محفوظ کر لئے جو آج بھی حضرت میاں محمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے میاں احمد مدنی کے پاس محفوظ ہیں۔

اس بات کی تصدیق میں مولانا سید محمد متین ہاشمی کی تصنیف "سید ہجویر" کے پیش لفظ از چودھری سبحان علی مہتمم مرکز معارف اولیاء اوقاف داتا دربار میں اس درخت کی فضیلت و اہمیت بیان کی اور لکھا ہے کہ "اس درخت کی لکڑی اب بھی مجاورین کے پاس موجود ہے۔"

اس سانحہ کا پسِ منظر ہم لوگوں کو باوثوق ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ بڑی تعداد میں نوادرات و تبرکات کو خرد برد کیا گیا اور اس المیہ کے مرتکب محکمہ اوقاف کے بعض ملازمین جن میں ناظم دربار بھی شامل تھا اس خدشہ کے پیش نظر کہ ان کی یہ چوری طشت از بام نہ ہو جائے اُنہوں نے باقی بچ جانے والے نوادرات و تبرکات کو کاٹھ کباڑ ظاہر کر کے دریا بُرد اور سپردِ آتش کر دیا تا کہ ہر قسم کا ثبوت ہی مٹ جائے۔

اس انمول خزانے کے ضیاع پر خانوادہِ حضرت عبداللہ ملقب بہ شیخ ہندی قدس سرہ العزیز کا ایک چھ رُکنی وفد تشکیل دیا گیا جس میں حضرت میاں محمد صدیق (راقم کے ماموں) حضرت میاں محمد (راقم کے سمدھی) راقم کے بہنوئی میاں محمد عمر کے والد بزرگوار حضرت میاں غلام رسول، دیگر عزیزان محترم حضرت میاں محمد امین، حضرت میاں منور علی رحمہم اللہ اور راقم الحروف شامل تھے۔ اس وفد نے اُس وقت کے چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف سے ملاقات کی اور اُن کو نوادرات و تبرکات گنج بخش رحمۃ اللہ کی الحرمتی

اور بے حرمتی کے متعلق تفصیلات سے آگاہ کیا اور اس بدعنوانی اور مجرمانہ حرکت کے خلاف احتجاج کیا۔

چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف نے وفد کا موقف توجہ سے سُنا، وفد نے مطالبہ کیا کہ یہ المیہ ایک بدعقیدہ اور تبرکات کی اہمیت و تقدس سے انکاری ناظمِ اوقاف داتا دربار کی شعوری حرکت ہے اسے فوراً معطل کر کے انکوائری کی جائے اور خُرد بُرد کئے گئے نوادرات و تبرکات برآمد کئے جائیں۔ ایسے بدعنوان اور بدعقیدہ ملازمین پر کڑی نگاہ رکھی جائے اور انہیں کسی مزار پر تعینات نہ کیا جائے۔ کچھ دنوں بعد ناظم اوقاف داتا دربار کو تبدیل تو کر دیا گیا لیکن انکوائری سُرخ فیتہ کی نظر ہو گئی۔

جب سے محکمہ اوقاف قائم ہوا ہے اس کی پالیسی خرچ بچاؤ آمدن بڑھاؤ کے تحت ہی اس کا نظام چلایا جا رہا ہے تاکہ افسر شاہی کو ایک ایسا فنڈ ہمیشہ میسّر رہے جس سے وہ زر و شہرت کی لامحدود خواہشات کی تکمیل کرتے رہیں۔ اب تو بلا جھجک ہر وقف شے نیلامی پر چڑھا دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پنجاب کے بیشتر مزارات اور وقف املاک کو غیر شفاف نیلامی کے ذریعے ایسے ایسے ٹھیکیداروں، قبضہ گروپوں اور بدعنوانوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو شرافت، امانت و دیانت میں منفی شہرتِ عام رکھتے ہیں اور مزارات کے تقدس و احترام کی بجائے اپنے مفادات کا احترام کرتے ہیں۔ ستم یہ کہ عقیدتمندوں کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے گویا کہ عقیدت مند زائرین کو مختلف ہتھکنڈوں سے لوٹنے کا بازار سجا دیا گیا ہے۔ ہر سال یہ لُٹیرے بیس سے پچیس فیصد زیادہ رقم ادا کر کے محکمہ اوقاف سے سند لُوٹ کھسوٹ حاصل کر لیتے ہیں۔

محکمہ اوقاف اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ مزارات اولیاء ؒ کو بدعنوانیوں سے پاک کیا جائے گا لیکن ہر واقف حال جانتا ہے کہ مزارات کی تعمیر و توسیع تو ہوئی لیکن ساتھ ساتھ اب بدعنوانیاں بھی کئی گُنا بڑھ چکی ہیں۔ محکمہ کو بدنامی سے بچانے کیلئے قزاقیوں اور بدعنوانیوں پر بغیر احتساب کے پردہ ڈال دیا جاتا ہے اور حکومت اکثر چشم

پوشی سے کام لیتی ہے اور صورت حال حقیقت کے برعکس دکھائی جاتی ہے۔

دراصل پاکستانی نوکر شاہی کی اکثریت ہمیشہ سے حرص و ہوس اور آسائش و تن آسانی کا شکار رہی ہے، فوجی اور جمہوری آمروں کو خوش رکھنے اور اپنے ناجائز مفادات کے تحفظ کیلئے محکمہ در محکمہ، منصب در منصب بناتی چلی آرہی ہے۔ یہاں تک کہ ملکی خزانے کے ساتھ ساتھ وقف املاک اور مزارات اولیاء کا نہ ختم ہونے والا بیش بہا وقف خزانہ بھی نوکر شاہی کی کفالت کیلئے اُن کے رحم و کرم پر ہے۔

درحقیقت محکمہ اوقاف قائم کرنے کے پس منظر میں اس کے خالقوں کے پیش نظر کچھ ظاہری اور کچھ پوشیدہ مقاصد کارفرما تھے، ظاہری مقصد اصلاح احوال اور پوشیدہ اور حقیقی مقاصد سیاسی و مالی مفادات تھے۔ پاکستان کے پہلے آمر مطلق کا بلا خوف و خطر تاحیات اقتدار پر قابض رہنے کا خواب پورا کرنے کیلئے اُس وقت کی نوکر شاہی نے محراب و منبر اور مزارات اولیاء سے وابستہ لوگوں کا اثر و رسوخ ختم کرنے کیلئے اُن کے خلاف یک طرفہ بھیانک پروپیگنڈہ، پاکستان کے برقی و ورقی ذرائع ابلاغ سے کئی ماہ تک جاری رکھا تاکہ محکمہ اوقاف کے قیام میں کوئی مزاحمت نہ ہو سکے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اس سب کے باوجود ایک آمر تو اپنا اقتدار نہ بچا سکا لیکن تینتالیس سالوں میں اصلاح احوال کے حوالے سے اقدامات تو زیادہ خوش کن نہیں لیکن نوکر شاہی کی کفالت کے حوالے سے محکمہ اوقاف کی پالیسی اب بھی کامیاب ترین ہے۔

اوّلین مارشلائی آمر کی کابینہ کے ایک بااثر وزیر علی محمد راشدی صاحب مرحوم روزنامہ جنگ لاہور میں ۱۸ جون ۱۹۸۲ء کو اپنے کالم میں حقیقت سے پردہ اُٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''نوکر شاہی کا حلقہ مختصر اور محدود ہونا چاہیے تاکہ اس کے پالنے پر خرچ اس قدر کم ہو کہ اپنے ملکی وسائل و آمدنی اس کی کفالت کر سکیں، خرچ اس قدر نہ ہو کہ وزنی زنجیر بن کر لوگوں کے گلے کا پھندہ بن جائے ... بدقسمتی سے قائدین کے رُخصت ہوتے ہی پاکستان پر نوکر شاہی قابض ہوگئی اور اس نے اپنا جال اس قدر

پھیلایا کہ عہدوں کی تعداد گنتی سے باہر ہو گئی۔ گلستانِ پاکستان کے کسی شجر کی ایسی کوئی شاخ نہیں رہی جس پر نوکر شاہی کا کوئی نہ کوئی بُلبُل بے باک بیٹھ کر مچولن ترانیاں نہ ہو گیا ہو۔ شہریوں کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ چھوڑا گیا جس کو نوکر شاہی نے اپنی تحویل میں نہیں لے لیا۔ یہ رجحان منزل بہ منزل بڑھتا رہا حتیٰ کہ صدیوں کے گزرے ہوئے بزرگوں کے مزاروں کو بھی نہ چھوڑا، ان پر بھی اوقاف کے غلط نام سے اپنا پہرہ بٹھا دیا۔ جس کام کیلئے پہلے ایک افسر ہوتا تھا اب وہاں صدہا نئے آدمی لگا دئے گئے محلے اور محکموں کی دوڑیں اتنی بڑھیں کہ کوئی حد و حساب نہ رہا۔''

## تبرکات کا ضیاع کیوں، کیوں آخر کیوں؟

یہ تمہید اس لئے باندھی ہے کہ نوادرات و تبرکات کو خُرد بُرد اور دریا بُرد کرنے کی بات آسانی سے سمجھ آسکے۔ مزارِ گنج بخش کے احاطہ میں بڑے بڑے بورڈ آویزاں ہوتے رہے ہیں جن میں نقدی کے سوا باقی سب نذرانہ جات کی حوصلہ شکنی کی جاتی رہی ہے۔ کیش کے سوا نذور کی تمام اشیاء ہفتہ وار، ماہوار اور سالانہ نیلام کردی جاتی ہیں، یہاں تک کہ مزار شریف کے کبوتروں کا دانہ، تُربت مبارک پر چڑھنے والے پھول اور کاغذی لفافے جن میں پھول لائے جاتے تھے کو بھی بذریعہ اشتہار نیلام کر دیا جاتا رہا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ توشہ خانہ میں پڑے نوادرات و تبرکات اگرچہ وہ بوسیدہ اور خستہ حالت میں ہی کیوں نہ تھے کو بذریعہ اشتہار نیلام کرنے کی بجائے خاموشی سے ضائع کر دیا گیا۔ کیوں، کیوں آخر کیوں؟ یہ سوال آج بھی جواب کا متلاشی ہے۔ کیا یہ بدعنوانی کو چھپانے کی شرم ناک حرکت نہیں ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ احتجاج کے باوجود یہ معاملہ دبا دیا گیا اسلئے کہ پاکستان میں سرکاری و نیم سرکاری اداروں اور محکموں میں بدعنوانی کے احتساب کا عمل مفقود ہے۔ ہر دور کی حکومت اپنے زیرِ انتظام محکموں کے افسر شاہی کی بدعنوانیوں سے چشم پوشی کرتی ہے اور اسی لئے اکثر بدعنوانیاں نشست از بام نہیں ہوتیں چونکہ حکومت کو بدنامی کا خوف ہوتا ہے یا افسر شاہی کی طرف سے خوف مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے بدعنوانوں کا کھلا احتساب کرنے

کی بجائے نام نہاد انکوائری کے نام سے پردہ پوشی کر دی جاتی ہے اور پھر اکثر بد عنوانیاں نیک نامیاں بن جاتی ہیں۔ نتیجتاً سرکاری و غیر سرکاری اداروں اور محکموں میں بدعنوانیوں کا ناسور اس قدر بڑھ چکا ہے کہ.....

۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف کے وجود میں آنے کے بعد ایسے نادر و نایاب ذخائر محکمہ کے بعض نااہل ملازمین نے خرد بُرد کر لئے یا ضائع کر دیے۔ مقام تاسف ہے کہ اللہ کے مقبول و محبوب بندے حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جن کے فیضان سے صدیوں پہلے کفرستانِ ہند میں دو قومی نظریہ اور پاکستان کی بنیاد رکھی گئی اُن کے تبرکات و نوادرات کو بلا جواز ضائع کر دینا یا خرد بُرد کر لینا بہت بڑا المیہ ہے۔

۰ ان نوادرات کا رونا کیا رو ئیں اب تو محکمہ اوقاف کے زیر انتظام بادشاہی مسجد لاہور سے سرورِ دو عالم حضرت محمد مُصطفےٰ ﷺ کے متبرک نعلین مبارک میں سے ایک نعل مبارک ۳۱ جولائی ۲۰۰۲ء میں خرد بُرد ہو گئے جواب تک برآمد نہیں ہو سکے۔

''گنج بخش اور اُن کا عہد'' صفحہ نمبر ۳۸ میں پروفیسر خالد محمود صاحب لکھتے ہیں کہ ''افسوس کہ یہ بیش بہا تاریخی ذخیرہ بعض نااہل سرکاری (اوقاف) ملازموں کی نالائقی سے ضائع ہو چکا ہے۔ جب محکمہ اوقاف نے داتا صاحب کے مزار کو اپنی تحویل میں لیا تو ایک نالائق افسر نے یہ سارے قلمی نسخے بوریوں میں باندھ کر راوی میں بہا دینے کیلئے بھیج دیئے تاہم بعض اجزاء دریا بُرد ہونے سے بچ گئے اور نوادرات کے شیدائی فقیر مغیث الدین مرحوم کے ہاتھ لگ گئے اور یوں محفوظ ہو گئے مرحوم نے اس تاریخی خزانے کے اتلاف کی کہانی بچشم نم سنائی اور بچے ہوئے اجزاء دکھائے جس میں ایک تو یقیناً اکبری عہد کی خطاطی کا نمونہ ہے۔ اگر یہ خزانہ نالائق اہلکاروں (ملازمین اوقاف) کے ہاتھ نہ لگتا تو آج دارالقرآن میں سجا ہوتا۔''

## راوی کو بھینٹ

از پروفیسر محمد اسرار حسین بُخاری ماہنامہ گنج بخش شمارہ ستمبر ۱۹۸۹ء ص ۳۲

''یہ ایک افسوس ناک بات ہے کہ حضرت سیّد علی ہجویری علیہ الرحمۃ جنہوں نے

ایک عمر پیرانہ سالی لاہور میں بسر کی۔ اس کے مطابق اُن کے احوال و آثار کا حجم بہت مختصر ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ لاہور میں اُنکی حیاتِ مقدسہ کا ایک ایک لمحہ ہم تک پہنچتا مگر ایسا نہ ہوا۔ اس کی وجوہات ہمارے نزدیک یہ ہیں کہ تاریخ نویسوں نے بزرگانِ دین کے حالات و واقعات سے کوئی خاص دلچسپی نہ رکھی، قدیم تذکرہ نگاروں نے تفصیلات سے پہلو تہی کی، جنہوں نے تفصیلات بیان کیں اُنہوں نے تحقیق کے تقاضے پورے نہ کئے۔ مزارات و درگاہوں کے متولیوں، سجادہ نشینوں اور متعلقین افراد کی اکثریت نے قلمی و مطبوعہ نوادرات کے خزینے کو مقفل رکھا، یہ بندو بست نہ کیا کہ اہل علم پر اُس کے دروازے کھول دیتے یا کتاب دشمن کیڑوں کی خوراک بننے سے بچا لیتے۔

ستم بالا ستم یہ ہوا کہ محکمہ اوقاف کا وجود قائم ہونے کے بعد بھی اس طرف کوئی توجہ نہ دی گئی بلکہ تبرکات و نوادرات کے چند محفوظ ذخیرے بھی خُرد بُرد اور دریا بُرد کر دیے گئے جیسا کہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے مزار مبارک پر تبرکات و نوادرات سے بھرے کمرے میں نادر قرآن کریم، تصوف و دیگر دینی موضوعات پر تاریخی و قلمی نسخوں کا ذخیرہ محکمہ اوقاف کے ایک منتظم نے اُٹھوا کر راوی میں دریا بُرد کر دیا۔

آج اگر یہ نایاب ذخیرہ راوی کی بھینٹ چڑھانے کی بجائے محفوظ ہوتا یا قدر شناس اہل اداروں یا افراد کے سُپرد کیا جاتا تو بہت ممکن تھا کہ برِ صغیر کے اس عظیم صوفی بزرگ کے بارے میں ہمیں بہت سی مزید معلومات و تفصیلات میسر آتیں اور تصوف کی تاریخ میں کئی اور روشن ابواب کا اضافہ ہوتا۔ اس ضمن میں ہم درگاہِ ہجویری رحمہ اللہ کے سابق متولیوں سے بھی شکایت کا حق رکھتے ہیں کہ جنہوں نے نوادرات کے اس خزینے کو مقفل رکھا اور یہ بندو بست نہ کیا کہ اہلِ علم پر اُس کے دروازے کھول دیتے اور یہ عظیم ورثہ محکمہ اوقاف کے ناقدر شناس ہاتھوں سے راوی کی بھینٹ نہ چڑھتا۔"

☆☆☆

گیارہواں باب

# آئینہ احوال
## توجہ طلب اُمور

راقم کے حلقہ احباب کی اکثریت اور دیگر زائرین وعقیدتمندانِ گنج بخش رحمہ اللہ کے پُر زور اِصرار پر اس کتاب میں آئینہ احوال کا باب خلاف معمول رقم کیا جارہا ہے جس میں اصلاح طلب اُمور کی نشان دہی اور اصلاحِ احوال کیلئے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ بندہ توقع رکھتا ہے کہ عقیدت مندانِ گنج بخشؒ اور سنجیدہ قارئین اس میں درج تلخ حقائق کو خوشگوار وشیریں بنانے کیلئے اپنا مثبت ردِعمل ظاہر کریں گے اور صاحبانِ اقتدار واختیار، اِن چیختے چلاتے حقائق پر منفی ردِعمل ظاہر کرنے یاان کونظرانداز کرنے کی بجائے اصلاحِ احوال کی کاوشوں میں اپنا کردار ادا کریں گے اس لئے کہ اقتدار و اختیار دیرپا نہیں ہوتا اگر کوئی اصلاح وفلاح کا کام کر جائے تو مدتوں یاد رہتا ہے۔
اللہ ﷻ ہم سب کو سچ کہنے سچ سُننے اور سچ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

### محبت وعقیدت کا تقاضہ

حضرت سیّد علی ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخشؒ اور دیگر اولیاء کرام سے محبت و عقیدت کا اظہار تو کروڑوں افراد کرتے ہیں لیکن جب کوئی قوم، جماعت یا فرد اپنے ممدوح صوفیاء ومشائخ سے محبت وعقیدت کا دعویٰ کرتے ہیں تو انہیں اپنے قول وفعل اور اخلاق وکردار کو دیکھنا چاہیے کہ کیا وہ اپنے ممدوح کی تعلیمات اور سیرت وکردار کے مطابق ہے، اس لئے کہ سچا مُحب وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کے قول وفعل کا آئینہ دار ہو۔
سچی محبت وعقیدت، مجازی ہو یا حقیقی یہ وہ جذبہ ہے جو محبت کو محبوب کی ذات

میں گم کر دیتا ہے نتیجتاً اُس کے ظاہر و باطن پر محبوب کا رنگ غالب آجاتا ہے۔ محبت و عقیدت کے اس سمندر میں جو جتنا گہرا غوطہ لگاتا ہے وہ اُسی قدر محبوب کا قرب اور اعلیٰ درجہ پاتا ہے۔ اگر محب و معتقد کے طور و اطوار اور فکر و نظر میں ممدوح و محبوب کا پرتو یکسر نظر نہ آئے تو اُس کی محبت و عقیدت کا دعویٰ رسمی، سطحی اور بے حقیقت ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے اپنے ممدوح و محبوب نفوسِ قدسیہ کی حیات و تعلیمات کے ہر پہلو کا نہ صرف بغور مطالعہ کیا جائے بلکہ ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی محبت و عقیدت کو اعلیٰ اور حال و جمال کو آسودہ بنا لیا جائے۔

حضرت سید علی ہجویری رحمہ اللہ ایک صاحبِ تصنیف صوفیٔ کامل تھے، کشف المحجوب آپ کی باطل شکن، ایمان افروز، گنجینۂ رُشد و ہدایت اور انقلاب آفریں کتاب ہے جس کا گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف حضرت رحمہ اللہ کی ذاتِ بابرکات، پیکرِ صفات کے فضل و کمال سے بخوبی آگہی ہوتی ہے بلکہ یہ کتاب طالبانِ حق کیلئے مشعلِ راہ، سالکانِ طریقت کیلئے نصابِ طریقت اور کاملین کیلئے رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ بندہ یہ بات حق الیقین سے عرض کرتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے عقیدتمندوں اور محبوں کیلئے اپنی عالمانہ و عارفانہ تصنیف کشف المحجوب کی صورت میں ایک راہِ عمل چھوڑا ہے، اس پر جو عقیدت مند جس قدر گامزن ہوگا اُسی قدر اُس کا رُتبہ بلند ہوگا اور وہ بدرجہ اَولیٰ فیضِ عالم رحمہ اللہ کے فیضان کا مستحق ہوگا۔

## حاضری وجہ افتخار

یہ بات واضح کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ وہ افراد جو عقیدت و محبت کے اظہار میں مزار داتا گنج بخش رحمہ اللہ پر روزانہ حاضری یا زیادہ سے زیادہ حاضری کو وجہِ افتخار جانتے ہیں بیشک عام عقیدتمندوں میں اُن کا مقام ممتاز ہے لیکن اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ یا دیگر اولیائے کرام ؒ کے نزدیک وہ عقیدتمند زیادہ منظورِ نظر اور فیضان کا مستحق ٹھہرتا ہے جو اگرچہ قریب ہو یا دُور دراز

مقام پر، اُس کی حاضری کم ہو یا زیادہ لیکن وہ رزقِ حلال کماتا کھاتا ہو، حقوق اللہ اور حقوق العباد بہتر طور پر ادا کرتا ہو، ایسے عقیدتمندوں پر ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ رُوحانی رابطہ کیلئے وقت، مسافت اور رسل و رسائل کے محتاج نہیں رہتے، وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں موجود ہوں حضورِ قلب سے اپنے ممدوح و محبوب بزرگانِ دین سے رابطہ و زیارت کے اہل ہو جاتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ اور دیگر اولیائے کرام رحمہم اللہ سے محبت و عقیدت کا تقاضہ ہے کہ ان کی خدمت میں ان کے فکر و نظر اور تعلیمات پر عمل کا نذرانہ عقیدت پیش کیا جائے۔ ایسے عقیدتمند جہاں بھی ہیں وہ دیگر عقیدتمندوں میں افضل و مُمتاز ہیں اور اُن کی یہ نذرِ عقیدت دیگر مال و منال کی نذور سے بہتر و مقبول ہے۔

## حضورِ قلب

حضرت نے کشف المحجوب میں کرامات کے بیان میں فرغانہ کے ایک گاؤں شلاتم میں اوتاد الارض حضرت بابِ عمر کی زیارت کا اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔

"میں (علی بن عثمان جلابی) اُن کی زیارت کے ارادہ سے روانہ ہوا، جب اُن کے رُو برو پہنچا تو اُنہوں نے پوچھا کس لئے آئے ہو؟ میں نے عرض کی آپ کی زیارت کیلئے اوزکند سے مسافت طے کر کے آیا ہوں میرے حال پر شفقت فرمائیں۔ شیخ نے فرمایا بیٹا! فلاں روز سے تم میری نگاہ میں ہو اور جب تک تم مجھ سے رُو پوش نہ کر دیئے جاؤ میری نظر تم پر رہے گی۔ جب میں نے وہ دن اور سال شمار کیا تو یہ وہی تاریخ تھی جب مجھے پہلے پہل توبہ کی توفیق نصیب ہوئی تھی، اس کے بعد اُنہوں نے فرمایا بیٹا! مسافت طے کر لینا تو بچوں کا کھیل ہے لہٰذا اس مُلاقات کے بعد ہمت کرو کہ حضورِ قلب حاصل ہو اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔" (میلوں سے فاصلہ شمار کرنا بچوں کا کام ہے، ایسی زیارت کرنا جس میں مسافت و فاصلہ طے کرنا شرط نہ ہو یعنی زیارت جسم سے نہیں رُوح سے، ظاہر سے نہیں باطن سے ہو اس لئے کہ اس میں کوئی

تو منافی نہیں ہوتی بلکہ حضورِ قلبی ہے)

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ حضورِ قلب کس طرح حاصل ہو۔ راقم کے نزدیک کشف المحجوب کو مرشد کی حیثیت سے قلب و ذہن کی گہرائیوں میں جذب کرنے سے جہاں اور بہت کچھ حاصل ہوتا ہے وہاں ایمان و ایقان کی پختگی، اطمینانِ قلب اور حضورِ قلب کے ساتھ ساتھ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی زیارت بھی نصیب ہوتی ہے۔

## خود نمائی و خود ستائی میں مبتلا لوگ

علاوہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے فیض یافتگان کی کمی نہیں، جن کی زندگیاں آپ کی تعلیمات سے آراستہ ہیں وہ نہایت عاجزی و خاموشی سے فیضِ گنج بخش رحمہ اللہ سے مخلوقِ خدا کو مستفیض کر رہے ہیں، لیکن بعض عاقبت نا اندیش پیشہ ور قسم کے لوگوں نے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی میں مختلف حیلے بہانوں اور روپ بہروپ میں اپنی اپنی ناجائز اغراض کی تکمیل اور محض دُنیا طلبی کی خاطر محکمہ اوقاف کی موجودگی کے باوجود اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے مزارات، آستانوں درباروں اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا ہے، وہاں پر منعقدہ نعت خوانی و سماع اور دیگر تقریبات میں خرافات و خرابات کے مرتکب ہو رہے ہیں، حد تو یہ ہے کہ اجارہ داری، چودھراہٹ اور ٹھاٹھ باٹھ کے شوقین باثر افراد جو اپنے فکر و عمل میں خود نمائی و خود ستائی کے پیکر دکھائی دیتے ہیں، جذبہ خدمت سے زیادہ ذاتی مفادات اور شہرت پرستی میں مگن اپنے اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کشمکش میں مبتلا بد نظمی، انتشار اور محکمہ اوقاف کی بدنامی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے رُشد و ہدایت اور فیوض و برکات کے مراکز بدنام اور ان کا تقدس پامال ہو رہا ہے۔

اس زمانہ میں معاشرہ کے ہر شعبہ میں بدعنوانیوں نے جنم لے لیا ہے اور یہ صورتِ حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مظلوم کو انصاف نہ ملے اور ظالم کا احتساب نہ ہو۔ جب دولت کا معیار دولت بن جائے تو لوگ مادیت سے پیار اور رُوحانیت

سے فرار اختیار کر لیتے ہیں یہی سبب ہے کہ دیگر اداروں کے ساتھ ساتھ مسجدوں، مدرسوں، آستانوں اور مزاروں جیسے مقامات مقدسہ بھی علمی، فکری، فقری اور انتظامی بدعنوانیوں سے پاک نہیں رہے، چونکہ ان مقامات پر بھی اسی معاشرہ کے افراد کا عمل دخل ہے، اس لئے نیک و بد افراد کا یہاں موجود ہونا اور خرافات و بدعنوانیوں کا پایا جانا اب تعجب کی بات نہیں رہی۔ مشیت ایزدی کے تحت اللہ ﷻ کے مقرب بندے اگر بے راہ رو، بدعنوان اور نفس پرست افراد کو برداشت کر رہے ہیں تو ہمیں شرم چاہیے کہ غفلت شعاری ترک کریں، خود احتسابی کا رجحان عام کریں۔

## نام و نسبت کا ناجائز استعمال

ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو معروف و مقبول بزرگانِ دین کے ناموں اور نسبتوں کو شعوری و لاشعوری طور پر مادی مفادات کیلئے استعمال کر رہا ہے، یہاں تک کہ بیشتر کاروباری اداروں، دکانوں اور تنظیموں کی پیشانیاں نفوس قدسیہ کے اسماء اور نسبتوں سے سجا رکھی ہیں۔ کسی بھی حرام، ناجائز، غیر شرعی اور خلاف اسلام فعل و عمل، پیشہ اور کاروبار کو بزرگانِ دین کے نام سے منسوب کرنا نہ صرف کھلی گستاخی ہے بلکہ صریح بہتان اور ظلم ہے، جو سچے عقیدتمندوں کیلئے باعث شرمندگی اور لمحہ فکریہ ہے۔ محکمہ اوقاف کو چاہیے کہ اس غلط رُجحان کا تدارک اور اصلاح احوال کیلئے قدم اٹھائے۔

## رُوٹھے رُوٹھے لوگ

ان خرافات و خرابات کے پیش نظر بعض سادہ لوح روحانیت کے مراکز سے ہی منہ موڑ بیٹھے ہیں اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تصوف کے دشمن مزار شکن افراد شرک و بدعت کے تیروں کی ناکامی کے بعد ان خرافات کے سہارے سواد اعظم اہل سُنت و جماعت کے انگلش میڈیم پڑھے لکھے طبقہ کو زیادہ متاثر کر رہے ہیں جو رُوٹھا رُوٹھا نظر آتا ہے۔ آج کل مسجد، مدرسہ، درگاہ و مزار میں کہیں کوئی مذہبی و انتظامی معاملات میں خرابات و خرافات، مکروہات و انتشار نظر آتا ہے تو یقیناً یہ ناقابل

و بدعنوان افراد کا ہی کیا دھرا ہوتا ہے ، اس پر یہ قیاس کرنا کہ جملہ خرابیاں ان مقامات مقدسہ کی وجہ سے ہیں اور ہمیشہ سے رہی ہیں تو یہ قطعاً غلط اور بہتان ہے ۔ اس لئے کہ بزرگانِ دین صوفیاء و مشائخ نے ہمیشہ شرک و بدعت اور دیگر خرافات سے خود کو بھی محفوظ رکھا اور مخلوقِ خدا کو بھی روکنے ٹوکنے اور محفوظ رکھنے کیلئے اپنی زندگیاں وقف کئے رکھیں ۔ اپنی خانقاہوں کو شریعت و طریقت کی درس و تدریس اور تربیت گاہیں بنائے رکھا ۔ حضرت سیدنا ہجویری رحمہ اللہ کشف المحجوب کے خودنوشتہ مقدمہ کے آخر میں رقم طراز ہیں کہ

"تمام حقیقی مشائخ و صوفیاء عالم اور عارف ہیں نہ وہ خود لغویات و خرافات میں مبتلا ہوئے نہ غلط راہ پر گامزن اور نہ ہی اپنے مُریدوں کو ایسا کرنے کی ترغیب دی ، وہ خود بھی علم کے معاملے میں انتہائی ذوق و شوق کے مالک رہے ہیں اور اپنے مُریدوں و ارادت مندوں کو علم حاصل کرنے کی تاکید کرتے آئے ہیں ۔"

## بالادست طبقہ کی حرص و ہوس

یاد رہے کہ مساجد، مدارس ، آستانوں ، مزاروں اور دیگر مقدس مقامات کا تقدس و احترام عمارات کی وسعت ، خوبصورتی اور اُس کی آرائش و زیبائش کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بلکہ اُن ہستیوں کے سبب کیا جاتا ہے جن کے نام یا وجود کی بنا پر یہ عمارات قائم کی جاتی ہیں ☆ مساجد ، اللہ کے گھر ☆ مدرسے ، علم کے گہوارے ☆ آستانے ، رُوحانیت کی تربیت گاہیں ☆ دربار و مزارات: پاکانِ اُمت کی آخری آرام گاہیں یہ وہ مقامات ہیں جو ہر مسلمان کیلئے محترم و مقدس ہیں ۔ اس کائنات میں دو مقامات ایسے ہیں جن پر حُرمت بھی صدقے ہوئی جاتی ہے ، کائنات میں کوئی مخلوق کوئی زبان ایسی نہیں جو ان کی حُرمت و تقدس کو شایانِ شان بیان کر سکے ۔ یہ مقاماتِ مقدسہ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ میں اللہ جل جلالہ کے محبوب سیّد الرسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا روضہ مبارک اور مسجد نبوی ﷺ ہے ، جنہیں کُل

مسلمین حرمین شریفین کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ مقامات اپنی وسعت و خوبصورتی میں بھی یگانہ ہیں لیکن حقیقت میں ان کی عظمت و تقدس اللہ تعالیٰ اور امام الانبیاء ﷺ کے سبب سے ہے۔

بندہ بڑے دکھ سے ذاتی مشاہدات کی بناپر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس دور میں عمرہ و حج کے دوران حرمین شریفین میں چوری چکاری، جیب تراشی، دھوکہ دہی، حق تلفی، بدگوئی، بدنظری، پیشہ ور گداگری اور مذہبی تعصب کی بناپر چیرہ دستیاں اور انجمن ستائش باہمی کے اراکین کی خرمستیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ حرمین

سے چادر بھی بیمار ہر جگہ ہر سطح پر موجود اسلام کی بدنامی کا موجب ہیں،اس لئے ایجوکیشن، بیت المال، زکوٰۃ و عشر اور اوقاف جیسے محکموں سے دین سے بیزار لوگوں کی فوری تطہیر ہونا چاہیے۔

## مزارات اولیاء پر مہمانِ خصوصی؟

مزارات اولیاء پر غسل و اعراس اور دیگر تقریبات پر بالا دست طبقہ، صاحبانِ اقتدار کو محکمہ اوقاف کی جانب سے خصوصی دعوت دینے کا رواج عام ہو چکا ہے، اس لئے کہ اکثر ارباب اختیار جسے افسر شاہی کہنا زیادہ مناسب ہے کو صاحبانِ مزار کی خوشنودی کی بجائے صاحبان اقتدار کی خوشنودی زیادہ عزیز ہوتی ہے، لیکن اس کے برعکس عقیدت مندانِ گنج بخشؒ کی اکثریت اس رائج الوقت رواج کو پسند نہیں کرتی۔ اس لئے ایک فرد واحد مقتدر شخصیت کی سیکیورٹی و پروٹوکول کے نام پر جس صورتحال سے واسطہ پڑتا ہے، وہ کسی طور بھی صاحب مزار سے عقیدت اور مزارات اولیاء کے تقدس پر پورا نہیں اترتا۔ ان مواقع پر مزار گنج بخشؒ کے احاطہ کے اندر و باہر اور اردگرد کرفیو جیسا ماحول پیدا کر دیا جاتا ہے۔ ایک فرد کی نمائشی اور سیاسی حاضری کیلئے ایسے اقدام ہزاروں عقیدت مند زائرین کے حقوق کی پامالی اور مزارات اولیاء کے تقدس کے خلاف ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عرس و غسل مبارک پر مدعو صاحبِ اقتدار عدم عقیدت یا جان کے خوف یا دیگر تحفظات کی بناء پر مزار شریف پر حاضر نہیں ہوتا لیکن انتظامات کی پریشانی کئی گھنٹے سب کو بھگتنا پڑتی ہے۔

## صاحبانِ اقتدار کیلئے آئینہ

اگر کوئی صاحب اقتدار مزارات پر منعقدہ تقریبات کے مواقع پر حاضر ہونیکی خواہش رکھتا ہو یا محکمہ اوقاف کی دعوت کو پذیرائی بخشنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے ملک و قوم میں امن و امان اور مساوات کی صورت حال ایسی بنائے کہ سب کو جان و مال کا تحفظ ملے، محمود و ایاز ایک صف میں کھڑے نظر آئیں تاکہ اسے خصوصی تحفظ

اور بے جا پروٹوکول کی ضرورت ہی نہ رہے تاکہ مزارات کا تقدس پامال ہو نہ عقیدتمند زائرین کے حقوق کی پامالی۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو نمائشی و سیاسی حاضری کی بجائے سابق مقتدر حاکم ضیاء الحق مرحوم کی طرح عقیدتمندانہ حاضری دے جو اپنے گیارہ سالہ دور اقتدار میں ماضی و حال کی تمام مقتدر شخصیات سے زیادہ حاضر باش رہا۔ راقم الحروف اس بات کا عینی شاہد ہے کہ وہ اکثر سادہ لباس میں بغیر کسی سیکورٹی و پروٹوکول کے محض ایک بغیر وردی ڈرائیور کے ساتھ بوقت تہجد مزار گنج بخشؒ پر نذرانہ عقیدت کے پھول نچھاور کرنے آتا اور دیگر حاضر عقیدتمند زائرین کے ساتھ گھنٹوں بلاتکلف بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت، عبادت و ریاضت اور وظائف و اوراد میں مشغول رہتا اور پھر خاموشی سے اقتدار کے شبستانوں میں واپس چلا جاتا۔ اکثر اوقات دربار شریف پر موجود اوقاف انتظامیہ بھی اس مقتدر شخصیت کی آمد کے پروگرام سے بے خبر ہوتی تھی۔ گیارہ سالہ دورِ اقتدار میں بارہا حاضری کے دوران سیکورٹی اور پروٹوکول کا عملہ اپنے بستروں پر اور گاڑیوں کا قافلہ گیراج میں ساقط رہا۔ اس دوران نہ کوئی سیکورٹی کا مسئلہ پیدا ہوا نہ پروٹوکول کا۔

اس رائج الوقت خرابی کو دور کرنے کی ازحد ضرورت ہے۔ روحانیات، عبادات و ریاضات اور علم و عرفان کے مراکز میں بالادست طبقے کی سیاست کا دخل اور عمل دخل کم از کم کر دیا جائے تاکہ ان مقدس مقامات کا ادب و احترام اور تقدس ہمیشہ برقرار رہ سکے۔

لہٰذا عقیدتمندان گنج بخشؒ کی غالب اکثریت کی رائے کے احترام میں مزارات اولیاء پر عرس اور غسل کے مواقع پر بطور مہمان خصوصی پاکان امت میں سے کسی ایک درویش صفت صاحب طریقت بزرگ کو مدعو کیا جانا چاہیے۔

## وقف املاک اور آمدن کا ناجائز استعمال

محکمہ اوقاف کے ملازمین کی غالب اکثریت وقف اور تقدیس و تعظیم کے متعلق

معنی و مفہوم سے نابلد ہے۔ اسی لئے مزارات اولیاء کا احترام اور اوقاف کی آمدن کا استعمال دیانتدارانہ طریقہ پر نہیں ہو رہا، بلکہ محکمہ کے اکثر ملازمین شعوری و لاشعوری غفلت و کوتاہی کا شکار دکھائی دیتے ہیں، اس لئے کہ کسی ایک وقف املاک کی آمدنی اور وسائل دوسرے اوقاف پر خرچ نہیں ہو سکتے تو حکومتی اللوں تللوں اور افسر شاہی کے نخروں پر وقف آمدن کو خرچ کرنا صریحاً خیانت مجرمانہ ہے۔ جو کہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔

• اصلاح احوال کیلئے شریعت محمدی ﷺ کے مطابق وقف کے معنی و مفہوم، قواعد و ضوابط اور مقدس مقامات کا تقدس، ادب و احترام اور تصوف کے اسرار و رموز کو سمجھنے اور سمجھانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کیلئے صاحبان اختیار کو چاہیے کہ حنفی مسلک و عقائد کے مطابق ان موضوعات پر سہ ماہی، ششماہی، اور سالانہ لیکچرز اور مزارات پر ڈیوٹی دینے والے ملازمین کی ٹریننگ کا مستقلاً بندوبست کیا جائے، ان لیکچرز میں ہر سطح کے ملازمین اوقاف کی شرکت یقینی بنائی جائے۔ اس سلسلہ میں طبع شدہ مواد جس میں تصوف کی کتب کا آسان اور عام فہم ترجمہ بھی شامل ہو ملازمین کو مہیا کیا جانا چاہیے تاکہ وہ تصوف اور صوفی کی حقیقت سے آشنا ہو سکیں، مزارات پر ڈیوٹی کے دوران اپنے قول و فعل میں عقیدت و احترام کا عنصر شامل اور غالب کر سکیں۔ جو ملازمین اوقاف تصوف اور عقیدت و احترام سمجھنے کے اہل یا قائل نہ ہوں اُن کو کسی دوسرے محکمہ میں بھیج دینا چاہئے، اس لئے کہ محکمہ اوقاف کے جملہ ملازمین کو تنخواہیں حکومتی خزانہ سے نہیں ملتیں بلکہ صوفیاء کرام کے مزارات کی آمدن (نذر و نیاز) کے مرہون منت ہے۔ لہذا یاد رہے کہ محکمہ اوقاف کی ملازمت محض تنخواہ خوری کیلئے نہیں۔

## حفاظت پاپوش کے نام پر لوٹ کھسوٹ

دنیا میں کسی مسلم اور غیر مسلم مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں پر حفاظت پاپوش کیلئے اجرت نہیں لی جاتی بلکہ یہ خدمت بلا معاوضہ کی جاتی ہے۔ بصد افسوس کہ

پاکستان میں سرکاری سرپرستی میں مزارات اولیا، خصوصاً جامع مسجد و مزار گنج بخش رحمۃ اللہ پر نمازیوں اور زائرین و زائرات عقیدتمندوں کے جوتوں کی حفاظت، طہارت و استنجا خانوں کے استعمال پر اجرت مقرر ہے اور اجرت کی وصولی کا ایک غیر شفاف ٹھیکیداری نظام رائج ہے جو لوٹ کھسوٹ کا باعث بنا ہوا ہے۔ اس لئے کہ زائرین سے اکثر اوقات مقررہ اُجرت ایک روپیہ فی جوڑا سے بڑھ کر تا حد معین دس روپے فی جوڑا تک وصول کیا جاتا ہے۔ کوئی ناظم اوقاف یا کوئی قانون ضابطہ اس کا تدارک نہیں کرتا۔ اس کا سبب واقف حال لوگ یہ بتاتے ہیں کہ ان اداروں کے افراد جو اس بدعنوانی کو روکنے کے ذمہ دار ہیں خود اس لوٹ میں حصہ دار بن چکے ہیں۔

محکمہ اوقاف عرصہ دراز سے مزارات و مساجد پر آمدن بڑھاؤ خرچ گھٹاؤ کے چکر میں ایسی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے کہ سال با سال سے ٹھیکہ کی نیلامی کے بعض

تا ہے۔ کوئی ناظم اوقاف یا کوئی قانون ضابطہ اس کا تدارک نہیں کرتا۔
واقف حال لوگ یہ بتاتے ہیں کہ ان اداروں کے افراد جو اس بدعنوانی کو
مہ دار ہیں خود اس لوٹ میں حصہ دار بن چکے ہیں۔
ہ اوقاف عرصہ دراز سے مزارات و مساجد پر آمدن بڑھاؤ خرچ گھٹاؤ کے
ں پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے کہ سال با سال سے ٹھیکہ کی نیلامی کے بعض
و ناجائز حیلوں سے نیلامی اسقدر بڑھا دی جاتی ہے کہ ٹھیکہ کئی گنا ہو
چکا ہے امسال ۲۰۰۳/۲۰۰۴ کے سالانہ ٹھیکے کی رقم ایک کروڑ روپیہ سے
۔ اس میں اگر ٹھیکہ کے سالانہ انتظامات پر ٹھیکیدار کا خرچ اور اس کا منافع بھی
جائے تو کل رقم تقریباً دو کروڑ بیس لاکھ بن جاتی ہے۔ ہر حال ٹھیکہ میں کم
صد لازمی مالی اضافہ کا بوجھ بڑھ جاتا ہے اور کوئی بھی ٹھیکیدار جو مقررہ اجرت
ایک روپیہ" سے کئی گنا زیادہ زائرین سے وصول کر کے محکمہ اوقاف کا اور
رتا ہے۔ اگر اس جبری صورت حال میں زائرین و زائرات ٹھیکیدار سے مجبوراً
ن نہ کریں یا محکمہ ٹھیکیدار سے شرائط نیلامی خصوصاً مقررہ اجرت کی وصولی
کروائے تو ایک ٹھیکیدار ہی کیا کوئی کمپنی بھی ہو تو اس کا دیوالیہ ہو جانا یقینی

استیصال [illegible] زائرین و زائرات عقیدتمندان گنج بخش اور جامع مسجد ہجویری رحمۃ اللہ کے نمازیوں کی اکثریت کے ساتھ اجرت پاپوش وصول کرنے کے جبری سلوک اور [illegible] بکس کی دھجیاں اڑنے کے سبب ان کی شب و روز ادب و احترام میں دبی دبی چیخیں اور احتجاج ہر باشعور کو واضح سنائی اور دکھائی دے رہا ہے۔ لیکن کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اگر کوئی عام فرد یا ذرائع ابلاغ کا کوئی نمائندہ اس بدعنوانی کے خلاف آواز اٹھاتا ہے یا اپنے قلم کا سہارا لیتا ہے تو اس کی زبان اور قلم سے ٹپکنے والی سچائی کے اثر انداز ہونے سے پہلے مختلف پرکشش اور دیگر حربوں سے اس کو شکار کر لیا جاتا ہے۔ بدعنوانی کا یہ جال وسیع ہوتا جا رہا ہے اور عقیدتمند زائرین و زائرات بحالت مجبوری اس میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ یہ مسئلہ فوری توجہ کا مستحق ہے۔

## زائرین و زائرات کے حقوق کا تحفظ

مزار گنج بخش رحمۃ اللہ کے احاطہ میں داخل ہونیوالوں کے استیصال کا یہ عالم ہے کہ عملہ میں اوقاف اور کمیٹی کے باوردی ملازمین کی اکثریت مالی منفعت کیلئے زائرین و زائرات عقیدتمندان گنج بخش کے حقوق و تحفظ کی بجائے بدعنوانیوں کے مرتکب گروہ یا افراد کا تحفظ کرتے ہیں۔ احاطہ دربار شریف کا کونہ کونہ زیادہ رقم دینے والے بدعنوانوں کو روزانہ بیچا جاتا ہے۔ معاشرہ کے بدقماشوں نے ایسے ایسے دھندے سجا رکھے ہیں کہ قلم تفصیلات بیان کرنے سے قاصر ہے۔ زائرین و زائرات عقیدتمندان گنج بخش کے حقوق کے تحفظ اور خیر خواہی میں صاحبان اقتدار و ا[illegible] سنجیدہ قدم اٹھانا چاہیے۔ حفاظت پاپوش کی اجرت بالکل ختم کر دی جائے۔ اس سلسلہ میں بعض عقیدتمندان گنج بخش بلا معاوضہ یہ خدمت انجام دینے کو خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ ان کی خدمت کو پذیرائی بخشی جائے اور ہر اس جگہ جہاں جوتیاں رکھی جاتی ہیں وہاں بخشش بکس رکھ دیے جائیں تاکہ جو زائرین اپنی خوشی سے حفاظت پاپوش والی خدمت دینا چاہیں وہ بخشش بکس میں ڈال دیں۔ اس طرح سے جو رقم اکٹھی ہو

گی وہ ٹھیکیداری سسٹم سے وصول ہونے والی رقم سے کم نہ ہوگی اور محکمہ کو بدنامی کی بجائے نیک نامی ملے گی۔ غرضیکہ ہر صورت میں عقیدت مندوں کا استیصال بند ہونا چاہیے۔

## بچت یا بخل

محکمہ اوقاف مال و زر کے حصول کا کوئی حقیر سے حقیر موقع بھی ضائع نہیں کرتا لیکن اُن مساجد، مزارات اور دیگر وقف املاک جن کے سبب سے وہ سالانہ کروڑوں روپے کی خطیر رقم حاصل کرتا ہے اُن کی ضروریات پر خرچ کرنے میں انتہائی بخل سے کام لیتا ہے۔ ان مقدس مقامات پر اچانک پانی کی ٹونٹی، روشنی کا ایک بلب، کوئی چھوٹی بڑی چیز خراب یا ضائع ہو جائے یا کوئی تعمیر، توسیع یا مرمت کا کام نکل آئے تو عام طور پر محکمہ اوقاف کے ناظمین مساجد و مزارات محکمانہ پالیسی کے مطابق ضروریات بروقت پورا نہیں کرتے، بلکہ ایسے کام اُس وقت تک نہیں ہوتے جب تک متعلقہ مسجد و مزار کا کوئی نمازی یا عقیدتمند تلاش نہ کر لیا جائے جو مطلوبہ کام پر اٹھنے والا خرچ اپنی جیب سے ادا نہ کر دے۔ اس طرح محکمہ اوقاف ہر چھوٹے بڑے خرچ سے بچ جاتا ہے اور محکمہ کی طرف سے وہی ناظم و منیجر شاباش کا مستحق ٹھہرتا ہے جو عقیدتمندوں کی جیب سے رقم خرچ کرانے کا ماہر ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مزارات و مساجد کے چھوٹی بڑی نوعیت کا کام عقیدتمند یا مخیر نمازی کرواتا ہے لیکن بعض بدعنوان ملازمین اوقاف ان اخراجات کا بل محکمہ سے بھی وصول کر لیتے ہیں۔

مزار گنج بخش پر جہاں آج کل تقریباً دو لاکھ پچاس ہزار روپے روزانہ نقد رقم کی صورت میں نذرانہ محکمہ اوقاف کو وصول ہوتا ہے وہاں پر بھی یہی صورت حال ہے۔ فی الوقت دربار و مسجد ہجویریؒ کی جملہ ضروریات وقف خزانہ کی بجائے براہ راست عقیدتمندوں کی جیب سے پوری کی جا رہی ہیں۔ محکمہ اوقاف کی غفلت اور بخل کے نتیجہ میں نومبر ۱۹۸۹ء کی نو تعمیر جامع مسجد ہجویریؒ اور مزار شریف سے ملحقہ زیر تعمیر ۱۹۹۵ء کی عمارات چند سالوں میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہیں اور کوئی پرسان حال نہیں

کے فنڈ نہ ہونے کا رونا رویا جاتا ہے، تو اس پر سوال اُٹھتا ہے کہ تقریباً اڑھائی لاکھ روپے روزانہ اور بارہ کروڑ روپے سالانہ نذرانہ کی کیش آمدن کہاں جا رہی ہے؟

## گنج بخشؒ یونیورسٹی کا سُہانہ خواب

جب سے محکمہ اوقاف وجود میں آیا ہے گنج بخش یونیورسٹی کے قیام کا سہانہ خواب دکھایا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں بیشتر حکام کے خوش کن وعدے اخبارات کے صفحات پر سُرخیوں کی صورت آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں لیکن گنج بخش یونیورسٹی کاغذوں میں بھی نہ بن سکی۔ اگر حکومت آج بھی سنجیدگی سے یہ قدم اُٹھائے تو اس کیلئے وسائل کی کمی نہ ہوگی اس لئے کہ عقیدتمندانِ گنج بخش رحمہ اللہ کا بھرپور تعاون اور داتا حضور کا روز افزوں خزانہ موجود ہے صرف خلوص نیت عمل پیہم کی ضرورت ہے۔

## جامعہ ہجویریہ

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار مبارک پر قائم جامعہ ہجویریہ جس کی ابتداء خود حضرت سید علی ہجویری نے فرمائی۔ محکمہ اوقاف' کی تولیت سے ہی عدم دلچسپی کا شکار ہے۔ اب اس کی حالت یہ ہے کہ داتا دربار کمپلیکس کے تہہ خانہ میں جامعہ ہجویریہ محض چند طلباء اور اساتذہ پر مشتمل ہے۔ حیرت ہے کہ جس بزرگ کی زندگی کے مشن کی اولین ترجیح علوم دینیہ کی تعلیم و تربیت تھی' اس بزرگ کے دربار سے اڑھائی لاکھ روپے اوسطاً نقد آمدن ہو رہی ہے اور جامعہ ہجویریہ کا یہ حال ہے۔ گنج بخش یونیورسٹی کا قیام ابھی ممکن نہیں تو جامعہ ہجویریہ حضرت داتا گنج بخشؒ کی شایان شان ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ نہ فنڈ کی کمی ہے اور نہ دیگر وسائل کی۔

## مرکز معارف اولیاء

جنرل ضیاء الحق کے دور میں پنجاب کے گورنر غلام جیلانی خاں نے محبان اولیاء کے ایماء پر اہل پنجاب کے معروف بزرگان دین کے احوال و آثار پر علمی و تحقیقی کام اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرنے کیلئے ایک ادارہ "مرکز معارف

اولیاءؒ" کے قیام کا حکم جاری کیا۔ محکمہ اوقاف نے ۱۹۸۱ء میں یہ ادارہ مزار حضرت داتا گنج بخشؒ پر قائم کیا۔ اس کا ڈائریکٹر ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جس کی تصوف دشمنی اور اکابر صوفیاء و مشائخ سے تعصب کے ٹھوس شواہد موجود تھے۔ اور یہ ڈائریکٹر علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب بھی تھا۔ اس نے ۱۹۷۶ء میں اوقاف کے فنڈ سے ایک کتاب "تاریخ تصوف" مرتب و ناشر کی حیثیت سے شائع کی جو تصوف دشمنی سے پر تھی۔ نمونہ کے طور پر ایک اقتباس حاضر ہے "صوفیاء کرام فن روایت و درایت جرح و تعدیل سے نا آشنا تھے ... شیخ ہجویری (داتا گنج بخش) جیسے بزرگ تو محض صوفی تھے"

(ص ۵۰۶٬۵۰۷)

یاد رہے کہ محکمہ اوقاف پنجاب اور اس کے دیگر جملہ شعبہ جات جس میں علماء اکیڈمی بھی شامل ہے کا وجود حضور داتا گنج بخشؒ کے مزار کی آمدن سے قائم ہے۔ احسان فراموشی کی انتہاء اور بغض و کینہ کی بدترین مثال ہے کہ مزار گنج بخشؒ کے مالی وسائل سے ایسے کتب چھاپی جائیں جن میں صوفیاء کرام خصوصاً سید علی ہجویریؒ کا نام لے کر ان کو علم و تحقیق سے عاری محض صوفی کہا جائے۔ اس تصوف دشمن ڈائریکٹر کو بفضل تعالیٰ راقم نے اپنے احباب جس میں حکیم اہل سنت محمد موسیٰ' علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہا' سید محمد فاروق القادری صاحب' پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب' پروفیسر اسرار بخاری صاحب اور سید ارشاد احمد طارق صاحب کی کاوشوں سے ... اکیڈمی اور مرکز معارف اولیاء سے فارغ اور کیفر کردار تک پہنچایا۔ یہ تلخ حقائق اس لئے بیان کئے ہیں کہ محکمہ اوقاف کے صاحبان اختیار کو ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھنا چاہیے کہ محکمہ کے وہ شعبے جن میں تبلیغ و اشاعت کا کام ہوتا ہے ان اداروں میں ایسے افراد کو مناصب پر فائز کیا جائے۔ جن کی محبت' عقیدت حضرت داتا گنج بخشؒ سے شبہ سے بالا ہو۔

میرے علم کے مطابق "مرکز معارف اولیاء" دربار داتا گنج بخشؒ سے ۲۴ سالوں میں ایک کتاب "سید ہجویر" اور ایک سہ ماہی "مجلہ معارف اولیاء" کے پانچ شماروں کی

اشاعت ہو چکی ہے۔ پنجاب کے موجودہ گورنر خالد مقبول صاحب نے اس ادارہ کو ولولہ تازہ عطا کیا۔ لیکن اب اس ادارہ میں عہدوں پر فائز لوگوں کی اُکھاڑ پچھاڑ سے اس کی تحقیقی سرگرمیاں ماند پڑ گئی ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ ادارہ پھر سے گہری نیند سو جائے صاحبان اقتدار و اختیار سے عرض ہے کہ فوری طور پر تصوف ہجویری پر یقین اور حضرت داتا گنج بخش سے سچی عقیدت رکھنے والے باصلاحیت اور فرض شناس فاضل شخص کو "مرکز معارف اولیاء" کا ڈائریکٹر مقرر کیا جائے تاکہ یہ ادارہ اپنے اصل اور بنیادی مقاصد کو پورا کر سکے۔

## اُمورِ مذہبیہ کمیٹی R.P.C

مزار گنج بخش رحمہ اللہ اور دیگر مزارات جب سے محکمہ اوقاف کی تولیت میں ہیں، ان مزارات پر صدیوں سے جاری مذہبی اُمور پر غور و فکر اور ان کی بہتر ادائیگی کیلئے محکمہ اوقاف کی جانب سے ہر سال اُمورِ مذہبیہ کمیٹیاں قائم کی جاتی ہیں اور یہ مزارات کے تقدس کی ذمہ دار صدیوں سے جاری مذہبی اُمور کی نگران ہوتی ہیں۔ کمیٹیوں میں اہل افراد اور دیگر مذہبی سکالرز کی بجائے زیادہ تر برسر اقتدار سیاسی جماعت سے وابستہ لوگوں کو ہی نامزد کیا جاتا ہے۔ یہ عمل تواتر سے جاری ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں صاحبان اقتدار و اختیار سے تعلق و وفاداری ہی نامزدگی کی اولین شرط ہے۔

حقوق و فرائض سے بے خبر کمیٹیاں حقیقی اصلاح احوال اور مذہبی اُمور کے متعلق کام ادا کرنے سے اکثر محروم رہتی ہیں۔ البتہ مزار گنج بخش اور دیگر مزارات پر نامزد کمیٹیوں کے بعض اراکین ان مقدس مقامات پر بھی اصلاح احوال کی بجائے محض وی آئی پی کلچر انجوائے کرتے ہیں اور بعض اراکین درباروں پر آنے والی نذر و نیاز کی نقدیوں میں سے مختلف حیلے بہانوں سے حصہ بقدر جثہ وصول کرتے ہیں۔

تحریر سے کبھی ان کمیٹیوں کے اغراض و مقاصد، قواعد و ضوابط، حقوق و اختیارات، تقرری میں اہم ممبران کی اہلیت و صلاحیت واضح و مرتب صورت میں آج تک سامنے نہیں

آتی۔ حاکموں کے منظورِ نظر سیاسی افراد کی اکثریت چونکہ خوشامد کے گھروں میں رہتی ہے اس لئے وہ کسی بدعنوان افسر یا ماتحت کو سنجیدگی سے پتھر مارنے کی ہمت نہیں کرتی کیونکہ انہیں اپنے شیشے کے محلات کی فکر لاحق رہتی ہے۔ لہٰذا بہت ضروری ہے کہ بے لوث اور اہل افراد کو کمیٹیوں میں نامزد کیا جائے۔ ان اراکین کو مناسب اختیارات بھی دیئے جائیں۔ اس اہم مسئلہ پر فوری توجہ کی ضرورت ہے۔

## نقد نذرانہ جات گننے کا فرسودہ طریقہ

مزارِ گنج بخش رحمۃ اللہ ۱۹۶۰ء سے محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے اول روز سے نقد رقوم پر مشتمل نذرانہ جات کی گنتی بروقت موجودہ حاضر زائرین دربار کے ہاتھوں سے کرائی جاتی ہے جن کی اکثریت اس فن میں ناواقف ہوتی ہے اور وہ محض عقیدت کی بنا پر کئی گھنٹوں میں یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ چونکہ اس دور انحطاط میں امانت و دیانت کا معیار انتہائی پست ہو چکا ہے اس لئے اس موقع پر بعض زائرین اور محکمہ اوقاف کے بعض افسر و ماتحت جو اس خزانہ کے محافظ و امین بھی ہوتے ہیں حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کے بے بہا خزانہ میں خرد برد کے واقعات میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ ماضی میں ادنیٰ و اعلیٰ سطح پر ایسی بے شمار بدعنوانیاں تشت از بام ہو چکی ہیں۔ اس کا فوری تدارک ہونا چاہیے۔

اس مشینی دور میں جبکہ سارٹنگ (ہر قسم کے کرنسی نوٹ الگ الگ کرنے) اکاؤنٹنگ (گننے) کی آٹو میٹک مشینیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں اس کے باوجود محکمہ اوقاف قدیم و فرسودہ نظام کو اپنائے ہوئے ہے۔ آٹو میٹک مشینوں سے نہ صرف وقت کی بچت ہوگی بلکہ جاری خرد برد کے مواقع کم سے کم ہو جائیں گے۔

## گزارش خاص

صاحبان اقتدار اور محکمہ اوقاف کے ارباب اختیار کی خدمت میں گزارش ہے

کہ وہ مزاراتِ اولیاء کی تزئین و آرائش پر توجہ مرکوز رکھنے کے ساتھ ساتھ صاحبان مزارات کی تعلیمات اور ان کے مشن کو عام کرنے پر بھی خصوصی توجہ دیں جن کے فروغ و اشاعت کیلئے ان مقدس ہستیوں نے اپنی جانیں کھپا دیں۔ پاکستان میں اس مذہبی و روحانی نیٹ ورک کو پورے جوش و جذبہ سے ہمیشہ متحرک رکھنے کی اشد ضرورت ہے، اس کیلئے حضرات سید علی ہجویریؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، لعل شہباز قلندرؒ، عبداللہ شاہ غازیؒ، سچل سرمستؒ اور دیگر بیشمار بزرگانِ دین کے آستانے اور ہزاروں مساجد و مدارس بنا بنایا نیٹ ورک ہے جس سے اسلامیانِ پاکستان کے کردار و سیرت کی تزئین و آرائش ہوتی ہے۔ اس نیٹ ورک کا حقیقی معنوں میں احیاء اور مضبوطی نہ صرف جملہ بزرگانِ دین خصوصاً حضرت داتا گنج بخشؒ کو راضی رکھنے کی سعی ہے بلکہ مزاراتِ اولیاء خاص طور پر مزارِ داتا گنج بخشؒ سے متعلق اوقاف کی کروڑوں روپوں کی آمدن کا درست ترین مصرف بھی۔ اگر محکمہ اوقاف کی توجہ محض آثارِ اولیاء کی جانب رہی تو موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر اس بات کا اندیشہ ہے کہ مستقبل میں یہ روحانی مراکز مزاراتِ اولیاء اپنی شاندار عمارات کے سبب عام لوگوں کیلئے محض سیر و تفریح گاہیں بن کر نہ رہ جائیں۔

عاجز فقیر

**حماد ہجویری**

## منقبت در مدحت سیدنا حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

رہنمائے دیں ہیں آپ اور رہبر شرعِ نبیؐ
صوفیا میں آپ سے کوئی بھی برتر نہیں

گنج بخش فیضِ عالم ہیں آپ بے شک حضور
سائل در آپ کا کوئی یہاں بے چھ نہیں

آپ کے زہد و تقدس پر ملائک سر بخم
علم و حکمت میں کوئی بھی آپ کا ہمسر نہیں

اے دلِ ناداں بھٹکتا ہی رہے گا تو مدام
اولیاء اللہ سے تجھ کو عقیدت گر نہیں

کشف المحجوب آپ کی ہے بے بہا تصنیف اک
رہنماء ہے اس کی یہ جس کا کوئی رہبر نہیں

ظلمت و جہلِ مرکب کا ہے اک گہوارہ وہ
جلوۂ انوارِ حق جس دل میں جلوہ گر نہیں

معترض رہتے ہیں وہ شانِ رسالت پر عبث
روزِ محشر کا جنہیں حماد کچھ بھی ڈر نہیں

حماد ہجویری

## داتا حضور رحمہ اللہ

در حرم تاج انبیاء کے سائل — گنج بخشی پہ وہ سدا مائل
شرع و دینِ حبیب کے قائل — قصد شیطان کی راہ میں حائل

داتا حضور ہیں

لطف و جود و کرم سے ہیں معمور — مرقدِ پاک جلوہ زارِ نور
قاطعِ شرک و کفر سے نفور — مے عشقِ حبیب سے مخمور

داتا حضور ہیں

فقہ و دیں کی حقیقتوں کا نشاں — علم و عرفاں کی روشنی کا جہاں
نورِ حق کی تجلیوں کا سماں — حور و غلمان خلد کے مہماں

داتا حضور ہیں

حق و صدق و شعور کی آواز — دردمندوں کے مونس و دمساز
بحرِ دنیائے فقر کے شہباز — مرکزِ نور جلوہ ہائے ناز

داتا حضور ہیں

اہلِ فقر و غنا کے سلطاں بھی — آرزوئے شہِ رسولاں بھی
زہد و تقویٰ کے حسنِ ذیشاں بھی — قلبِ حماد کے نگہباں بھی

داتا حضور ہیں

حمادؔ ہجویری

## نذرِ عقیدت

### محرم اسرارِ خفی و جلی حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری

کس طرح مجھ سے بیاں ہو عزّ و شانِ گنج بخش
رشکِ صد خلد بریں ہے آستانِ گنج بخش

ہر کوئی ادنیٰ و اعلیٰ ہے اُنہیں سے مستفیض
ہر سلاطینِ زمن بھی خادمانِ گنج بخش

بے سہاروں‘ بے نواؤں کا ہے وہ اک آسرا
سایۂ فضلِ خدا ہے سائبانِ گنج بخش

کیوں نہ ہو حکمت کدہ ہو منبعِ نورِ علوم
ہے سراسر علم و حکمت ایوانِ گنج بخش

کیوں نہ ہو اس سے کشادہ راہِ حق کی منزلیں
آئینۂ معرفت ہے داستانِ گنج بخش

مخزنِ رُشد و ہدایت کی ہے یہ دستاویز اک
”کشف المحجوب“ اصل میں ہے ترجمانِ گنج بخش

ہوگئی حماد اُن پر رحمتِ ربّ الانام
بامراد باخدا عاشقانِ گنج بخش

حماد ہجویری

☆☆☆

## منقبت درِ توصیف حضرت شیخ ہندیؒ

راۓ راجو حاکمِ لاہور جوگی با انام
کر گئی برقِ نگاہِ فیضِ عالم جس کو رام
خطۂ لاہور کیا چرچا تھا اس کا دور دور
اس کے گرویدہ تھے سارے بندگان کشن ورام
جرعۂ توحید نے اُس کو کیا مستِ الست
کوثر و تسنیم نے چھلکائے بھر بھر اُس کو جام
مرشدِ کامل کی اِک نگۂ تصرف کے طفیل
بن گیا حق و صداقت کی وہ تیغِ بے نیام
زہرو عشقِ محمد ﷺ جوں فنا فی اللہ ہوا
دی فرشتوں نے سلامی، حق سے بھی آیا سلام
گنج بخش فیضِ عالم کا ہے بے پایاں کرم
شیخِ ہندیؒ کے وسیلہ جاری ہے جو صبح شام
حضرتِ ہجویر کے واحد خلیفہ مجاز
شیخ ہندی اعلیٰ و والا معزز ذی الکرام
شیخِ ہندیؒ کا ہوں میں بھی اک فرزند رشید
اس لئے حماد کا کرتی ہے خلقت احترام

حماد ہجویری

☆☆☆

# تربت مبارک حضرت داتا گنج بخشؒ

ہجویری فاؤنڈیشن